

جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

شیخ محمد اللہ جان ڈاگنی کی کتاب
البصائر لمنكري التوسل بأهل المقابر کا

البصائر لمنكري
التوسل بأهل المقابر کا

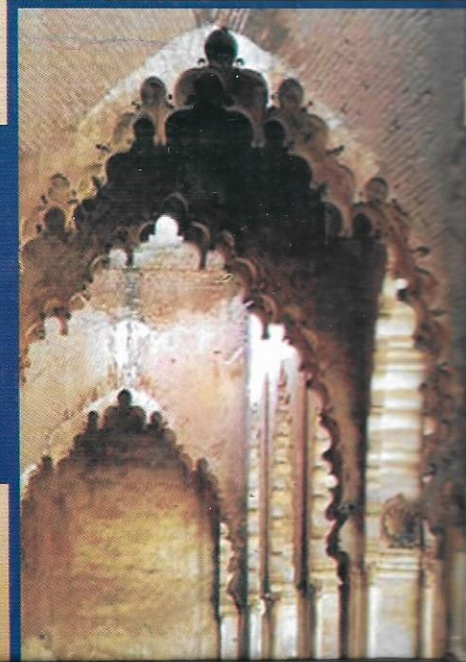
تحقیقی جائزہ

اور

تحقیقی جائزہ

مسئلہ سماع الموتی، حیاۃ الانبیاء، مسئلہ توسل، حیلہ السقاط
اور دیگر موضوعات پر سیر حاصل و مدلل بحث

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف



ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

شیخ حمزہ جان ڈاگنی کی کتاب
البصائر لمنكري التوسل بأهل المقابر کا

تحقیقی جائزہ

اور

مسئلہ سماع الموتی، حیاۃ الانبیاء، مسئلہ توسل، حیلہ سقاط
اور دیگر موضوعات پر سیر حاصل و مدلل بحث

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

جملہ حقوق اشاعت و ترجمہ محفوظ ہیں۔

نام کتاب: البصائر لمنکری التوسل بأهل المقابر کا
تحقیقی جائزہ

مصنف: ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

آنرزاں عربیک، فاضل علوم اسلامیہ پی ایچ ڈی [علوم اسلامیہ]

کمپوزنگ: انیس حنیف

اشاعت اول: جنوری ۲۰۰۹ء

اشاعت دوم: دسمبر ۲۰۱۰ء

اشاعت سوم: جنوری ۲۰۱۱ء

اشاعت چہارم: فروری ۲۰۱۳ء



دار القرآن والسنة

ہوسنی، شہباز گزنی، مردان

فہرس مضامین

۹	— مقدمہ [طبع سوم]
۱۲	— مقدمہ
۱۳	فصل اولہ: البصائر کا مقدمہ
۱۴	— اہل سنت و جماعت
۳۰	— مولانا صاحب کے قطعی دلائل
۳۴	— امام غزالیؒ اور علم حدیث
۳۸	— کرامت بعد الموت
۵۱	— شرك في الاستعانة
۵۹	فصل دوم: اثبات سماع موتی
۵۹	— حدیث قلیب بدر
۶۴	— سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سماع موتی سے انکار
۶۸	— سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنے موقف سے رجوع
۷۰	— سماع یا إسماع
۷۲	— حدیث خَفَقَ النَّعَالِ
۷۴	— سماع موتی کے لیے مولانا صاحب کے قطعی دلائل
۷۴	— اَنُؤَلَّاتُحَسِّنَنَّ الَّذِیْنَ قَتَلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
۷۵	حیات کی قسمیں
۷۸	۲: قیل: اِنَّ اُرُوَاحَهُمْ تَرْکَعُ وَتَسْجُدُ
۸۰	— ۳: مُرَدُّوْنَ کَاسْلَامٍ کَاجَوَابٍ دِیْنَا
۸۳	— ۴: رَأْسُ الْحُسَيْنِ ؑ کَاسُوْرَةِ الْکَلْفِ کَاسِنَا
۸۵	— ۵: مُرَدُّوْنَ کَاسْمَعٍ کَلَامُکُمْ [میں تمہاری باتیں سنتا ہوں] کہنا

۸۶	۶- عمرو بن دینار کے قول سے استدلال
۸۷	۷- مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعِ مِنْهَا
۸۸	۸- مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ
۹۶	۹- إِنَّ الْمَيِّتَ لَا يَزَالُ يَسْمَعُ الْأَذَانَ مَا لَمْ يَطْبِنَ قَبْرَهُ
۹۷	فصل سوم: مسئلہ توسل
۹۷	- وسیلہ کا لغوی معنی
۹۸	- وسیلہ کا شرعی معنی
۱۰۱	- وسیلہ کی قسمیں
۱۰۱	مشروع وسیلہ کی قسمیں
۱۰۱	[۱] اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ کے وسیلہ سے دعاء
۱۰۳	[۲] اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے دعاء
۱۰۴	[۳] کسی زندہ مؤمن کی دعاء سے وسیلہ
۱۰۸	غیر مشروع وسیلہ کی قسمیں
۱۰۸	[۱] کسی شخص کی ذات کا وسیلہ
۱۱۰	[۲] کسی کی حرمت [رتبہ درجہ] کا وسیلہ
۱۱۱	[۳] اللہ تعالیٰ پر صاحب وسیلہ کی قسم کھانا
۱۱۴	مسئلہ توسل اور البصائر لمنكري التوسل بأهل المقابر
۱۱۵	جواز التوسل بالأموات کے دلائل
۱۱۵	[۱] وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا
۱۱۷	[۲] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ
۱۱۸	[۳] أَنْظِرُوا قَبْرِ النَّبِيِّ فَاجْعَلُوا فِيهِ كُوًى إِلَى السَّمَاءِ
۱۲۳	[۴] انبیاء و صلحاء کے وسیلہ سے دعاء مانگنا آداب دعاء میں سے ہے۔
۱۲۴	[۵] نابینا والی روایت سے استدلال

- ۱۲۵ [۶] اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْكَ سَے استدلال
- ۱۲۷ [۷] امام شافعی کا امام ابوحنیفہؒ کے قبر کی برکت و توسل سے دعاء کرنا
- ۱۲۹ [۸] معروف کرختی کے قبر کے وسیلہ سے دعاء
- ۱۳۱ [۹] وَاِنْ اَرَادَعُوْنَ اَفْلَیْقُلْ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ سَے استدلال
- ۱۳۳ [۱۰] اِذَا خَدِرْتَ رَجُلَهْ فَلِیْذْ كَرَّ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَیْهِ سَے استدلال
- ۱۳۴ کچھ مزید دلائل
- ۱۳۴ [۱] اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ وَاتُوْجِهْ اِلَیْكَ بِنَبِیْنَا مُحَمَّدٍ ﷺ
- ۱۳۶ [۲] اِنَّمَا تَرْزُقُوْنَ بِضِعْفَائِكُمْ
- ۱۳۸ [۳] اَنَّهُ ﷺ كَانَ یَسْتَفْتَحُ بِصَعَالِیْكَ الْمَهَاجِرِیْنَ
- ۱۳۹ [۴] جَاءَ رَجُلٌ اِلَیْ قَبْرِ النَّبِیِّ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِسْتَسْقِ لِأَمْتِكَ
- ۱۴۱ تنبیہ
- ۱۴۲ [۵] امام مالک اور استشفاع عند القبر
- ۱۴۵ [۶] وَلَوْ اَنْتُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَکُمْ جَاءَ وَکَ
- ۱۴۷ [۷] سیدنا آدم علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعاء مانگی
- ۱۵۰ [۸] اِذَا سَأَلْتُمْ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْا بِجَاهِیْ فَإِنَّ جَاهِیْ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ
- ۱۵۲ فصل چھٹا: حیات برزخی
- ۱۵۲ نعیم و عذاب قبر
- ۱۵۲ - معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں۔
- ۱۵۷ - مسئلہ حیات الانبیاء علیہم السلام
- ۱۶۷ - بصائر اور حیات الانبیاء علیہم السلام
- ۱۶۸ - علمائے دیوبند کی رائے
- ۱۷۱ - قائلین حیات دنیوی
- ۱۷۴ - کرامیہ اور معتزلہ کا عقیدہ

۱۷۶	۱- ابن نورکؒ کی طرف منسوب عقیدہ
۱۸۳	۲- کافی کلینی کا عقیدہ
۱۸۴	۳- مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا عقیدہ
۱۸۷	۴- حیاتِ انبیاء علیہم السلام سے متعلق ضعیف روایات
۱۸۷	۱-: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون
۱۸۹	۲-: إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَا يَمُوتُونَ فِي قُبُورِهِمْ بَعْدَ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً
۱۹۰	۳-: ما مضى من نبي في قبره أكثر من أربعين ليلة حتى يرفع
۱۹۰	۴-: ما من نبي يموت في قبره إلا أربعين صباحاً حتى ترد إليه
۱۹۱	۵-: لَمَّا أُسْرِيَ بِهِ ﷺ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى بَعَثَ اللَّهُ لَهُ آدَمَ
۱۹۳	﴿ قبر نبوی ﷺ سے اذان کی آواز و اقامت سنائی دینا معجزہ تھا
۱۹۴	فصل پنجم: البصائر کا خاتمہ
۱۹۴	پہلی بحث: بدعت کی تعریف
۱۹۸	دوسری بحث: بعض امور قرونیٰ اولیٰ میں بدعت تھے:
۱۹۸	[۱] پہلی مثال: تحویب
۲۰۵	[۲] دوسری مثال: تَلَفُّظُ بِالْبَيِّنَةِ
۲۰۶	[۳] تیسری مثال: ذکر کرتے وقت سر کو اوپر نیچے حرکت دینا
۲۰۸	تیسری بحث: مسئلہ دعاء
۲۰۸	۱- ہوئی کا مناظرہ
۲۱۲	۲- اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَکَ صَمْتُ..... فاغفر لی سے استدلال
۲۱۳	۱- اس حدیث کے طرق
۲۱۳	[۱] طریق معاذ بن زہرہ
۲۱۴	[۲] طریق سیدنا انس بن مالکؓ
۲۱۴	[۳] طریق سیدنا ابن عباسؓ
۲۱۴	[۴] طریق سیدنا علیؓ

- ۲۱۵ - رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ سے نماز فرض کے بعد دعاء کا حکم
- ۲۱۵ [۱] ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت
- ۲۱۶ [۲] سیدنا ابوامامہ باہلی ﷺ کی روایت
- ۲۱۶ [۳] سیدنا مغیرہ بن شعبہ ﷺ کی روایت
- ۲۱۷ [۴] سیدنا عبد اللہ بن زبیر ﷺ کی روایت
- ۲۱۸ [۵] سیدنا عبد الرحمن بن غنم ﷺ کی روایت
- ۲۱۸ [۶] سیدنا مسلم بن الحارث ﷺ کی روایت
- ۲۱۹ [۷] سیدنا ابو ہریرہ ﷺ کی روایت
- ۲۱۹ [۸] سیدنا ثوبان ﷺ کی روایت
- ۲۱۹ [۹] سیدنا انس ﷺ کی روایت
- ۲۲۰ [۱۰] سیدنا علی ﷺ کی روایت
- ۲۲۱ - مولوی حمد اللہ صاحب کی رائے
- ۲۲۳ - فقہائے کرام کے اقوال
- ۲۲۸ - اعتراضات اور اُن کے جوابات
- ۲۲۸ - اعتراض ۱: اللہم أنت السلام سے طویل دعاء پڑھنا مکروہ ہے۔
- ۲۳۱ - اعتراض ۲: دبر الصلوات کا مطلب فرض کے متصل پڑھنا نہیں۔
- ۲۳۲ - اعتراض ۳: سنتیں تو ابعات نماز اور مکملاتِ فرائض ہیں۔
- ۲۳۵ - اعتراض ۴: رسول اللہ ﷺ فرائض پڑھنے کے بعد فوراً اپنی جگہ سے اُٹھتے۔
- ۲۳۵ - فرائض کے بعد نبی اکرم ﷺ کیا کرتے؟
- ۲۳۵ [۱] سیدنا سمرہ بن جندب ﷺ کی روایت
- ۲۳۶ [۲] سیدہ ہند بنت حارث رضی اللہ عنہا کی روایت
- ۲۳۶ [۳] سیدنا عبد اللہ بن مسعود ﷺ کی روایت
- ۲۳۶ [۴] سیدنا انس ﷺ کی روایت

۲۳۶	[۵] سیدنا غزو ان بن جریر <small>رحمہ اللہ</small> کی روایت
۲۳۶	[۶] سیدنا علی <small>رحمہ اللہ</small> کی روایت
۲۳۸	پہچت اجتماعی کے ساتھ علی سبیل الاتزام دعاء بعد السنن
۲۴۲	فقہ میں اس استدلال کے نظائر
۲۴۴	دعاء بعد السنن مروجہ کے بارے میں علمائے دیوبندی عبارات
۲۴۶	مولوی حمد اللہ صاحب اور حافظ کفایت اللہ صاحب ڈاگٹی کی رائے
۲۴۶	مفتی محمد فرید صاحب کا انکشاف
۲۴۷	تین بار دعاء کے لیے ہاتھ اٹھانا
۲۴۸	ایک اور اعتراض: نور الایضاح کی عبارت سے استدلال
۲۵۰	ایک اور اعتراض: علامہ طحاویؒ کی عبارت سے استدلال
۲۵۰	چوتھی بحث: حیلہ اسقاط
۲۵۴	فصل ششم: البصائر کی تزیین
۲۵۴	[۱] حافظ ابن تیمیہؒ مجسمہ تھے؟
۲۵۵	[۲] شیخ محمد بن عبد الوہابؒ خارجی تھے؟
۲۵۷	[۳] یا رسول اللہؐ اور یا محمدؐ کہنا جائز ہے۔
۲۵۷	غائبانہ پکار عبادت ہے
۲۵۸	غائبانہ طور پر کسے پکارا جائے؟
۲۵۹	اور ہمیں معلوم ہے کہ.....
۲۶۱	مولانا صاحب سے ایک سوال
۲۶۲	[۴] میلاد النبی <small>رحمہ اللہ</small> ، دیوبندیوں کے نزدیک مسلم قربت ہے۔
۲۶۲	عید میلاد النبی <small>رحمہ اللہ</small>
۲۷۰	شبہات اور ان کے جوابات
۲۷۰	ﷻ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔
۲۷۲	ﷻ فرح و سرور کے موقع پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے۔
۲۷۴	[۵] محمد بن عبد الوہابؒ کی مذمت میں حدیث وارد ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ طبع سوم

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا ضَلَالَ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ (۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ. [سورة آل عمران ۱۰۳:۱۰۴]
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا.
[سورة النساء ۱:۱۴]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾. [سورة الاحزاب ۴۰:۳۳-۴۱]

(۱) حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: الأحادیث كلها متفقة على أن نستعينه ونستغفره ونعوذ به بالنون والشهادت بالافراد. قال شيخ الإسلام ابن تيمية: لما كان كلمة الشهادة لا يتحملها أحد عن أحد ولا تقبل النيابة بحال، أفرد الشهادة بها، ولما كانت الاستعانة والاستعاذة والإستغفار يقبل ذلك، فيستغفر الرجل لغيره، ويستعين الله لغيره، ويستعذ بالله له، أتى فيها بلفظ الجمع، ولهذا يقال: اللهم أعنا وأعدنا واغفر لنا. [تهذيب السنن ۵۳:۳]

”اس حدیث کے تمام طُرُق میں نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِهِ نون کے ساتھ آئے ہیں؛ جب کہ کلمہ شہادت میں افراد [واحد متکلم] کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ شہادت میں کوئی کسی کی نیابت نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے اس کے لیے مفرد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جب کہ استعانت، استعاذہ اور استغفار میں لوگ ایک دوسرے کی نیابت کر سکتے ہیں اس واسطے ان کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا۔“

کچھ لوگوں نے اس مسنون خطبہ کا شکل ہی بگاڑ دیا ہے اس میں اَشْهَدُ کے بجائے نَشْهَدُ پڑھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے بابرکت الفاظ کو کافی جان کر اس میں وَتَوَكَّلْ عَلَيَّ کا اضافہ کر کے سنت میں تحریف کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

[۱]

”البصائر لمنكري التوسل بأهل المقابر کا تحقیقی جائزہ“ کا تیسرا ایڈیشن حاضر خدمت ہے۔ اس کا مقصد محض جواب برائے جواب نہیں تھا بلکہ احتیاقِ حق اور ابطالِ باطل تھا اس لیے یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ اس کا ایک نسخہ مولوی حمد اللہ صاحب کے پاس پہنچایا جائے تاکہ حجت قائم ہو۔ محترم مولانا عبدالفتاح صاحب مدرس مدرسہ بحر العلوم ناصر باغ، پشاور نے اسے عملی جامہ پہنایا اور انہوں نے ہفتہ 16 اپریل 2011ء کو عصر کے وقت مولوی صاحب کے مدرسہ میں جا کر اُن کے درس صحیح بخاری سے فراغت کے بعد اس کا ایک نسخہ اُن کو دے دیا اور بتایا کہ یہ آپ کی کتاب کے رد میں لکھی گئی کتاب ہے انہوں نے پوچھا: کس نے لکھا ہے؟ انہوں نے میرا نام بتادیا۔ میرا یہ بھی خیال تھا کہ کتاب کا ایک نسخہ مفتی محمد فرید صاحب کے پاس بھی پہنچایا جائے مگر میری یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور مفتی صاحب ۸ شعبان ۱۴۳۲ھ = ۹ جولائی ۲۰۱۱ء کو وفات پا گئے۔ کتاب کا دوسرا ایڈیشن دو مہینے کے اندر اندر ختم ہوا اور اس کی مانگ بڑھ گئی۔ اس لیے اس پر کچھ مزید اضافے کرنے کا ارادہ ہوا۔ بعض ذیلی اور چھوٹے اعتراضات رہ گئے تھے جن کی طرف بعض احباب نے توجہ دلائی اُن کے جوابات بھی اس ایڈیشن میں شامل کیے۔

[۲]

دوسری اشاعت کے بعد البصائر لمنكري التوسل بأهل المقابر کے تسہیل کار دو ترجمہ بھی موصول ہوا۔ کتاب کے ٹائٹل سے تو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا نام کیا ہے اور کس کتاب کا ترجمہ ہے اس لیے ٹائٹل پر اس طرح لکھا ہوا ہے:

البصائر لمنكري التوسل بأهل المقابر

اردو ترجمہ تسہیل البصائر

اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل کتاب کا نام تسہیل البصائر ہے جس اردو ترجمہ البصائر ہے۔

حالانکہ بات ایسی نہیں۔ یہ کتاب اصل میں تسہیل البصائر پشتو کی طرح تسہیل البصائر اردو ہے۔ دونوں کے مابین فرق واضح کرنے کے لیے یوں لکھا جا رہا ہے: تسہیل البصائر [اردو]
 اس کے مترجم فقیہ العصر ابوالصابر الحاج سید محمد منور شاہ صاحب سواتی سیفی نقش بندی ہیں جو الجامعۃ
 العلمیۃ الاسلامیہ کراچی میں مفتی اور شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔
 یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی اشاعت کب ہوئی اس لیے کہ کتاب کے اندرونی ٹائٹل میں تاریخ
 طباعت درج نہیں۔

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ = ۲۷ اگست ۲۰۱۱ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ [طبع اول دوم]

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا ضَلَالَ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ. [سورة آل عمران ۱۰۳:۳]
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا. [سورة النساء ۱:۴]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾. [سورة الاحزاب ۷۰:۳۳-۷۱]
أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ.

شیخ القرآن مولانا محمد ظاہر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃً واسعۃً کاملۃً شاملۃً کی
ڈائری کے مطابق اُن کی کتاب البصائر للمتوسلین بأهل المقابر جمادی الثانیۃ ۱۳۷۸ھ ہجری
مطابق جنوری ۱۹۵۹ء عیسوی کو طبع ہوئی جس کا تعلق قبوری شریات و بدعات سے ہے۔

[بقیۃ الآثار من الحیۃ المستعارۃ خود نوشت سوانح حیات ص: ۸۸]

میرے جیسے کئی لوگوں نے شاید اُن کی اس کتاب کا یہ ایڈیشن نہیں دیکھا ہوگا۔ اُن کی اس کتاب کی
تردید میں مولانا محمد اللہ صاحب نے البصائر لمن یرى التوسل بأهل المقابر کے نام سے ۲۰۸
صفحوں پر مشتمل کتاب لکھی جو مولوی محمد گل رحیم صاحب اسماری کی کتابت سے مکتبہ رحیمیہ پشاور
سے پہلی بار ۱۹۶۳ء عیسوی میں طبع ہوئی اور اُس کے بعد کئی بار مکتبۃ ایشیق استنبول ترکی سے
شائع ہو کر مفت تقسیم ہوئی۔

یہ دونوں کتابیں عربی زبان میں تھیں اس لیے مولانا خان بادشاہ صاحب نے البصائر لمن یرى التوسل

التوسل بأهل المقابر کا ارشاد الناظر کے نام سے جواب لکھا جو قطر سے ۱۴۰۴ ہجری مطابق ۱۹۸۳ عیسوی کو شائع ہوا جو بڑے سائز کے ۴۸۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

البصائر للمتوسلين بأهل المقابر کے جواب میں حافظ کفایت اللہ صاحب نے پشتو زبان میں الذخائر لأهل البصائر کے نام سے ۴۵ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ لکھا اس کے ساتھ ذرۃ الفريد في رد فتح المجيد کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں یہ عبارت لکھی:

بَنَى دَارَ الضَّلَالِ وَسَمَّاها دَارَ الْقُرْآنِ وَهِيَ فِي الْحَقِيقَةِ دَارُ تَغْيِيرِ الْقُرْآنِ وَيَتَرَجَّمُ الطَّلَبَةُ الْقُرْآنَ فِي رَمَضَانَ مُخَالَفًا عَنْ تَرَاجِمِ السَّلَفِ وَالْمُحْتَمِدِينَ وَيُقَسِّرُ الْقُرْآنَ بِالرَّأْيِ.

[الذخائر لأهل البصائر: ۴۸]

”انہوں نے [شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحب] نے گمراہی کا گھر بنا کر اسے قرآن کے گھر کا نام دیا ہے جو دراصل تفسیر [تحریر] قرآن کا گھر ہے جس میں رمضان میں طلباء کو اسلاف و مجتہدین کے تراجم کے خلاف ترجمہ قرآن سکھاتا ہے اور قرآن کریم کی تفسیر بالرائی کرتے ہیں۔“

حال ہی میں حافظ کفایت اللہ صاحب نے البصائر لمنكري التوسل بأهل المقابر کا تسہیل البصائر کے نام سے ۴۶۴ صفحات پر مشتمل پشتو ترجمہ کر کے مظہری کتب خانہ ڈاگئی سے شائع کیا ہے اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ ان کتابوں کا بھرپور جائزہ لیا جائے جو ہمارا مقدس دینی فریضہ بھی ہے اور حق بھی۔

لَعَمْرِي لَقَدْ نَبَّهْتُ مَنْ كَانَ نَائِمًا

وَاسْمَعْتُ مَنْ كَانَتْ لَهُ أُذُنَانِ

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ سُوءِ الْقَضَاءِ، وَذَرِكِ الشَّقَاءِ، وَشِمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ.

اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَارْزُقْنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ. اللَّهُمَّ آمِينَ.

وَأَنَا الْعَبْدُ الضَّعِيفُ النَّجِيفُ

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

۷ شعبان ۱۴۲۷ھ = ۳۱ - اگست ۲۰۰۶ء

البصائر کا مقدمہ

تَسْهِيلُ الْبَصَائِرِ [پشتو] کے مُصَدِّحُ [تصحیح کرنے والے] مولانا سید محمد منور شاہ صاحب سواتی نے ابتدا میں لکھا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے والے کی ساری زندگی اہل سنت و جماعت کی پاسبانی کرنے میں وقف ہے۔ [تسہیل البصائر ص: ۳]

حافظ کفایت اللہ صاحب ڈاگئی نے بھی لکھا ہے: ”محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ (۱) کا اتباع کرنے والا گروہ ایسے کئی مسائل کا منکر ہے جو اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے جیسے: توسل، شفاعت، تبرک، زیارت، قبور، دعاء بعد السنن، اسقاط، نذر اور سماع موتی۔“ [الذخائر لائل البصائر ص: ۲]

اس لیے سب سے پہلے اہل سنت و جماعت کی توضیح و تشریح ہونی چاہئے۔

اہل سنت و جماعت

اہل سنت و جماعت تین لفظوں سے مرکب ہے۔ اہل کے معنی: أشخاص، اتباع اور پیروکار کے ہیں۔ سنت عربی زبان میں راستہ کو کہتے ہیں اور مجازاً اُصول مقررہ دستور قانون عادت رُوش زندگی اور طرزِ عمل کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ [صحا ح: ۵: ۲۱۳۹]

ابن سیدہؒ (۲) لکھتے ہیں: وَالسُّنَّةُ: السَّيْرَةُ، حَسَنَةً كَانَتْ أَوْ قَبِيحَةً. [الحکم والحیاء الا عظم ۸: ۳۱۷]

”یہ اصول و قوانین اچھے ہوں یا بُرے سنت ہی کہلائیں گے۔“

(۱) محمد بن عبد الوہاب بن سلیمان تمیمی نجدی جزیرۃ العرب میں جدید دینی اصلاحی تحریک کے بانی، نجد کے عیینہ نامی گاؤں میں ۱۱۱۵ھ = ۱۷۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ دوبار حجاز مقدس کا سفر کیا۔ شام اور بصرہ کے سفر بھی کیے۔ سلف صالحین کے طریقہ پر تھے اور توحید خالص کے داعی۔ اوہام اور بدعات سے سخت عداوت تھی۔ ۱۱۵۷ھ کو درعیہ کے امیر محمد بن سعود نے اُن کی دعوت کو قبول کیا۔ ۲۰۶ھ = ۱۷۹۲ء کو وفات پائی۔ [الاعلام ۶: ۲۵۷]

(۲) علی بن اسماعیل ابوالحسن ثقفی دواب کے امام تھے۔ مرسیہ [شرق اندلس] میں ۳۹۸ھ = ۱۰۰۷ء میں پیدا ہوئے۔ دانیہ منتقل ہوئے اور وہاں ۴۵۸ھ = ۱۰۶۶ء کو وفات پائی۔ آپ اور آپ کے والد دونوں آنکھوں کی بینائی سے محروم تھے۔ [وفیات الاعیان ۳: ۳۳۱، ترجمہ: ۲۳۹، الاعلام ۳: ۲۶۳]

پھر اس کا استعمال نبی اکرم ﷺ کی سنت کے لیے کثرت سے شروع ہوا اور بقول علامہ ازہریؒ (۱):
السُّنَّةُ: الطَّرِيقَةُ الْمُسْتَقِيمَةُ الْمَحْمُودَةُ، وَلِذَلِكَ قِيلَ: فَلَانٌ مِنْ أَهْلِ السَّنَةِ.

[تہذیب اللغة ازہری ۱۲: ۲۱۰]

”سنت سے مراد وہی طریق اور دستور لیا گیا جو محمود اور مستقیم ہو اور اسی سے کسی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اہل سنت میں سے ہے۔“

امام زبیدیؒ (۲) اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہماری اس بات کہ فلاں اہل سنت میں سے ہے، کا مطلب یہی ہے کہ: معناه: من أهل الطريقة المستقيمة المحموده.

[تاج الخروس ۹: ۲۳۳]

”اس کا طریقہ پسندیدہ اور بے راہ روی اور کج روی سے بالکل صاف اور تھرا ہے۔“

امام ابن اثیرؒ جوڑیؒ (۳) لکھتے ہیں: وَإِذَا أُطْلِقَتْ فِي الشَّرْعِ فَإِنَّمَا يُرَادُ بِهَا: مَا أَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ وَنَهَى عَنْهُ وَنَذَّبَ إِلَيْهِ قَوْلًا وَفِعْلًا مِمَّا لَمْ يَنْطِقْ بِهِ الْكِتَابُ الْعَزِيزُ.

[النهاية فی غریب الحدیث ۲: ۳۶۸]

(۱) محمد بن احمد بن ازہر الروی أبو منصور، لغت وادب کے ائمہ میں سے ہیں۔ ۲۸۲ھ = ۸۹۵ء کو ”ہرات“ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائیں فقہ سے شغل رہا اور اس میں مہارت اور شہرت حاصل کی، پھر عریث کی طرف متوجہ ہوئے جس میں اتنی مہارت حاصل کی کہ سند و حجت بن گئے۔ ۳۷۰ھ = ۹۸۱ء کو ”ہرات“ میں وفات پائی۔ اپنے دادا ازہر کی طرف منسوب ہونے سے ازہری کہلائے۔ [وفیات الاعیان ۴: ۳۳۳، ترجمہ: ۶۳۹، الاعلام ۵: ۳۱۱]

(۲) محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق حسینی زبیدی ابو الفیض، مرتضیٰ لغت، حدیث، رجال اور انساب کے ماہر عالم اور قابل مصنف تھے۔ اصلاً واسطہ [عراق] سے تعلق تھا۔ ۱۱۴۵ھ = ۷۳۲ء کو بگرام [ہند] میں پیدا ہوئے۔ یمن کے زبید شہر میں پلے بڑھے۔ حجاز مقدس کا سفر کیا۔ مصر میں اقامت پذیر رہے اور مصر ہی میں ۱۲۵۰ھ = ۹۰۷ء کو طاعون سے وفات پائی۔ نہایت ہر دل عزیز تھے۔ [فہرس الفہارس ۱: ۳۹۸، الاعلام ۷: ۷۰]

(۳) ابو السعادات مبارک بن ابی الکریم محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی، ۵۳۳ھ = ۱۱۵۰ء کو جزیرہ ابن عمرؓ میں پیدا ہوئے۔ محدث تھے۔ لغت اور اصول کے عالم تھے۔ موصل میں فقر سے عارضہ میں مبتلا ہو گئے جس کے باعث ان کے ہاتھ پاؤں بے کار ہو گئے، مگر پھر بھی اپنی باری کتابیں اسی مرض ہی کے زمانے میں املاء کروائیں۔ موصل ہی میں ۶۰۶ھ = ۱۲۱۰ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۴: ۱۴۱، الاعلام ۲: ۲۷۵]

”شریعت میں سنت کا اطلاق ہر اُس چیز پر کیا جاتا ہے جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہو یا کسی کام سے منع کیا ہو اور قولاً یا فعلاً کسی کام کی ترغیب دی ہو اس اضافہ کے ساتھ کہ اُس کے بارے میں قرآن مجید میں کوئی صریح بیان موجود نہ ہو۔“

سنت میں ”خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم“ کی سنت بھی داخل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

فإنه من يعش منكم فسيرى اختلافاً كثيراً فعليكم ب سنتي و سنت الخلفاء الراشدين المهددين، تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة.

[سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ [۳۳] باب فی لزوم السنۃ [۶] حدیث: ۴۶۷۰]

”تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا، وہ بہت ہی زیادہ اختلاف دیکھے گا، اُس لیے تم پر لازم ہے کہ میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑو اور اپنی ڈاڑھوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو میں رکھو اور تم دین کے معاملہ میں نئی چیزوں سے بچتے رہو، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

حافظ ابن تیمیہ ^(۱) فرماتے ہیں: ومن أهل السنة والجماعة مذهبٌ قديمٌ معروفٌ قبل أن يخلق الله أباحنيفة ومالكاً والشافعي وأحمد فإنه مذهب الصحابة الذي تلقوه عن نبيهم ﷺ. [منهاج السنۃ النبویہ: ۱: ۲۵۶]

”اہل السنۃ والجماعت کا مذہب قدیم و معروف ہے جو امام ابوحنیفہ ^(۲) امام مالک ^(۳) امام

(۱) احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن عبد اللہ بن ابی القاسم حرانی، دمشقی، حنبلی، ابو العباس، تقی الدین ابن تیمیہ ۶۶۱ھ = ۱۲۶۳ء کو حران میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد کی معیت میں مصر منتقل ہو گئے۔ ۷۷۸ھ = ۱۳۳۸ء کو قلعہ دمشق میں حالت اسارت میں وفات پائی۔ بڑے فطین اور ذکی عالم دین تھے۔

[المعجم المختص بالمحدثین، ذی: ۲۵، البدایۃ والنہایۃ: ۱۳: ۱۴۱، الاعلام: ۱: ۱۳۳]

(۲) نعمان بن ثابت، تیمکی، کوفہ میں ۸۰ھ = ۶۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش ہوئی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

صغار صحابہ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تو اُن کی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی سے آپ کی روایت ثابت نہیں ہے۔ ۱۵۰ھ = ۷۷۷ء کو وفات پائی۔ =

شافعی^(۱) اور امام احمد^(۲) کی پیدائش سے بہت پہلے موجود تھا، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذہب و مسلک جسے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے حاصل کیا تھا۔

حافظ ابن رجب عبد الرحمن حبلی^(۳) لکھتے ہیں: وَ السُّنَّةُ هِيَ الطَّرِيقَةُ الْمَسْلُوكَةُ فَيَشْمَلُ ذَلِكَ التَّمَسُّكُ بِمَا كَانَ عَلَيْهِ هُوَ وَ خَلْفَاؤُهُ الرَّاشِدُونَ مِنَ الْإِعْتِقَادَاتِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَقْوَالِ وَ هَذِهِ هِيَ السُّنَّةُ الْكَامِلَةُ، وَلِهَذَا كَانَ السَّلَفُ قَدِيمًا لَا يُطْلَقُونَ إِسْمَ السُّنَّةِ إِلَّا عَلَى مَا يَشْمَلُ ذَلِكَ كُلَّهُ. [جامع العلوم والحجج: ۳۱۵: حدیث: ۲۸]

..... [سیر اعلام النبلاء: ۶: ۳۹۰: ۳۶۸: ۸: ۳۶۸]

(۳) امام مالک بن انس بن مالک اُصْحٰی، حمیری ابو عبد اللہ امام دارالہجرت، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ ۹۳ھ = ۷۱۴ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۷۹ھ = ۷۹۵ء کو وفات پائی۔ دینی امور میں مصلب اور امراء و وزراء اور سلاطین سے کوسوں دور رہتے تھے۔ [وفیات الاعیان: ۴: ۱۳۵: ۵: ۲۵۷]

حاشی صفحہ ۱۷

(۱) محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہاشمی قرشی ابو عبد اللہ ۱۵۰ھ = ۷۶۷ء کو غزہ [فلسطین] میں پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں مکہ معظمہ لائے گئے۔ دودفعہ بغداد گئے۔ ۱۹۹ھ کو مصر تشریف لے گئے اور اپنی وفات ۲۰۴ھ = ۸۲۰ء تک وہیں رہے۔ آپ شعر و لغت، ایام عرب، فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ نہایت ذکی، فطین، ذہین اور حاضر جواب تھے۔ پہلا فتویٰ بیس سال کے عمر میں دیا تھا۔ رمضان المبارک میں ساٹھ بار قرآن ختم کرنے کا معمول تھا۔ [تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۳۶۱: ۶: ۲۶۶]

(۲) امام احمد بن محمد ابو عبد اللہ شیبانی ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ مرو سے تعلق تھا۔ ان کے والد سرخس کے گورنر تھے ۱۶۳ھ = ۷۸۰ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے حصول علم میں لگے رہے اور اس سلسلہ میں سفر کی صعوبتیں برداشت کیں ان کے زمانے میں مامون الرشید نے خلق قرآن کا فتہ اٹھایا۔ امام موصوف نے اس فتہ کی خوب سرکوبی کی اور اس سلسلے میں انہیں ناقابل برداشت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ صبر و استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ ۲۸ مئی جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ ۲۴۱ھ = ۸۵۵ء کو وفات پائی۔

[تاریخ بغداد: ۴: ۳۱۳-۳۲۳: ۱: ۲۰۳]

(۳) عبد الرحمن بن احمد بن رجب سلمیٰ بغدادی دمشقی، حبلی، ابو الفرج، زین الدین حافظ حدیث تھے۔ ۳۶۷ھ = ۱۳۳۵ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ ۷۹۵ھ = ۱۳۹۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔

[شذرات الذہب: ۶: ۳۳۹: ۳: ۲۹۵]

”سنت اُس راہ کا نام ہے جس پر چلا جائے اور اُس طریق کا تمسک ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدینؓ کا مزن تھے قطع نظر اس کے کہ وہ اعتقادات ہوں یا اعمال و اقوال اور یہی سنت کاملہ ہے اور اسی وجہ سے اسلاف کرام سنت کا اطلاق اس چیز پر کر دیتے تھے جو ان سب اعتقادات اور اعمال و اقوال پر مشتمل ہوتا۔“

جماعت کے لغوی معنی ”گروہ“ کے ہیں لیکن اصطلاح میں اس سے مراد صحابہ کرامؓ کے صحیح آثار ہیں یا یوں کہئے کہ جنہوں نے اپنے عقائد اصول حیات عبادات اور اخلاق و معاملات میں اُس راہ کو پسند کیا جس پر رسول اکرم ﷺ چلتے رہے اور ان کے بعد آپ کے صحابہ کرامؓ اس پر چل کر منزل مقصود کو پہنچ گئے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی^(۱) فرماتے ہیں:

فَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ آتِبَاعُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَالسُّنَّةُ مَا سَنَّهَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالْجَمَاعَةُ مَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ فِي خِلَافَةِ الْأُئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ. [الْغُنْيَةُ لِطَالِبِي طَرِيقِ الْحَقِّ ۸۰:۱]

”مؤمن پر لازم ہے کہ سنت و جماعت کی پیروی کرے سنت وہ چیز ہے جو رسول اللہ ﷺ نے [تولا و فعلاً] مسنون قرار دی ہو اور جماعت وہ احکام ہیں جن پر صحابہ کرامؓ نے خلفائے اربعہؓ کی خلافت میں اتفاق کیا ہو۔“

حافظ ابن کثیر^(۲) فرماتے ہیں: وَأَمَّا أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَيَقُولُونَ فِي كُلِّ فِعْلٍ وَقَوْلٍ لَمْ يَثْبُتْ عَنِ الصَّحَابَةِ ﷺ: هُوَ بَدْعٌ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ خَيْرًا لَّسَبَقُونَا إِلَيْهِ لِأَنَّهُمْ لَمْ يَتَرَكُوا خِصْلَةً مِنْ خِصَالِ الْخَيْرِ إِلَّا وَقَدْ بَادَرُوا إِلَيْهَا. [تفسير ابن كثير ۴: ۱۶۵، تفسير سورة الاحقاف ۳۶: ۱۱]

(۱) عبدالقادر بن مویٰ بن عبداللہ بن جنگی دوست، حسینی ابو محمد۔ گیلان [طبرستان سے آگے] میں ۴۷۱ھ = ۱۰۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ عالم اور ولی اللہ تھے۔ ۴۸۸ھ کو بغداد منتقل ہوئے۔ ہیں ۵۶۱ھ = ۱۱۶۶ء کو وفات پائی۔ [طبقات کبریٰ شعرانی: ۱۸۱، الاعلام ۴: ۳۷]

(۲) اسماعیل بن عمر بن کثیر قرشی دمشقی، ابوالفداء عماد الدین حافظ مؤرخ اور فقیہ تھے۔ مصری کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ۷۰۱ھ = ۱۳۰۲ء کو پیدا ہوئے۔ ۷۰۶ھ کو اپنے بھائی کے ہمراہ دمشق تشریف لے گئے۔ طلب علم میں لمبے لمبے سفر کیے۔ ۷۷۳ھ = ۱۳۷۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔ [البدر الطالع ۱: ۱۵۳، الاعلام ۱: ۳۲۰]

”اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ ہر قول و فعل جو صحابہ کرام ؓ سے ثابت نہ ہو بدعت ہے اس لیے کہ اگر وہ کوئی نیک کام ہوتا تو سب سے پہلے صحابہ کرام ؓ اسے سرانجام دیتے اور اس پر عمل کرتے اس لیے کہ انہوں نے نیکی کے کسی پہلو اور کسی نیک اور عمدہ خو و خصلت کو تشنہ عمل نہیں چھوڑا بلکہ وہ ہر نیک کام میں گئے سبقت لے گئے۔“

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جس طرح نبی ﷺ کا کسی کام کو کرنا سنت ہے اسی طرح ان کا کسی کام کو ترک کر دینا بھی سنت ہی ہے اس لیے آپ ﷺ کے ترک فعل کا اتباع بھی سنت اور اس کی مخالفت بدعت ہے چنانچہ حافظ ابن قیم ؒ (۱) لکھتے ہیں: وَتَرَكَهٖ ﷺ سُنَّةٌ كَمَا اَنْ فَعَلَهُ ﷺ سُنَّةٌ. [زاد المعاد: ۵۲۰] ”جس طرح نبی ﷺ کا کسی کام کو کرنا سنت ہے اسی طرح ان کا کسی کام کو ترک کر دینا بھی سنت ہی ہے۔“

ملا علی قاری ؒ (۲) لکھتے ہیں: وَالْمُتَابَعَةُ كَمَا تَكُونُ فِي الْفِعْلِ تَكُونُ فِي التَّرْكِ اَيْضًا فَمَنْ وَاظَبَ عَلَى فِعْلِ لَمْ يَفْعَلْهُ الشَّارِعُ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ. [مرقاۃ المفاتیح: ۹۵؛ بذیل حدیث: ۱] ”متابعت جیسے فعل میں ہوتی ہے اسی طرح ترک کر دینے میں بھی ہوتی ہے اس لیے جس نے کسی ایسے کام پر مؤظبت اختیار کی جو شارع ﷺ نے نہیں کی تو وہ بدعتی ہے۔“

صحابہ کرام ؓ کے استدلالات میں اس کے چند نظائر ملاحظہ ہوں:

[۱] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۳) فرماتے ہیں: فَاَنْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَاءِ، فَاجْتَنِبْهُ

(۱) محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد زری دمشقی، ابو عبداللہ، شمس الدین، اکثر و بیشتر علوم اسلامیہ پر ان کو دسترس تھی ۶۹۱ھ = ۱۲۹۲ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے بہت بڑے محدث، مفسر، فقیہ اور متکلم تھے۔ امام ابن تیمیہ سے خصوصی تعلق اور لگاؤ تھا اور ان کے علوم پر امام ابن تیمیہ ہی کا رنگ غالب رہا۔ ۷۵۱ھ = ۱۳۵۰ء کو وفات پائی۔ [البدایہ والنہایہ: ۱۳: ۲۲۱، البدور الطالع: ۱۳۳: ۲-۱۳۶، الاعلام: ۶: ۵۶]

(۲) ملا علی قاری بن سلطان محمد نور الدین، حنفی فقیہ تھے۔ ہرات میں پیدا ہوئے۔ مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۰۱۴ھ = ۱۶۰۶ء کو وفات پائی۔ سال میں ایک مصحف لکھ کر اسے فروخت کر کے اس پر گزراوقات کیا کرتے تھے۔ [البدور الطالع: ۱: ۳۳۵، الفوائد البہیہ: ۸: من العلایقات]

(۳) عبداللہ بن عباس ؓ بن عبدالمطلب، قرشی ہاشمی، قبل جبری = ۶۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد۔

فإني عهدتُ رسولَ الله ﷺ وأصحابه لا يفعلون إلا ذلك، يعني: لا يفعلون إلا ذلك الإحتتاب. [صحیح بخاری، کتاب الدعوات [۸۰] باب ما یکره من الصحیح فی الدعاء [۲۰] حدیث: ۶۳۳۷]

”دعاء میں جمع سے بچتے رہو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو دیکھا تھا وہ دعاء میں جمع نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اس سے اجتناب کیا کرتے تھے۔“

[۲] سیدنا عمارہ بن رؤبہؓ نے (۱) نے بشر بن مروان (۲) کو منبر پر خطبہ کے دوران دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھا تو درشت اور کرخٹ لہجہ میں اسے مخاطب ہو کر فرمایا:

قَبَّحَ اللَّهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا يَرِيذُ عَلَى أَنْ يَقُولَ بِيَدِهِ هَكَذَا وَأَشَارَ بِأَصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ. [صحیح مسلم، کتاب الجمعة [۷] باب تخفيف الصلاة والخطبة [۱۳] حدیث: ۵۳ [۸۷۴]]

”اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کا ناس کر دے، میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو اشارہ کی انگلی کے علاوہ کوئی اور شے خطبہ کے دوران اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔“

[۳] سیدنا ابن عمرؓ فرماتے ہیں: إِنَّ رَفْعَكُمْ أَيْدِيَكُمْ بَدْعٌ مَا زَادَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

بھائی، جلیل القدر صحابی ہیں۔ جنبر الأئمۃ [امت کے عالم] اور ترجمان القرآن کے القاب سے نوازے گئے۔ طائف میں سکونت پذیر تھے اور وہیں ۶۸ھ = ۶۸۷ء کو وفات پائی۔

[اسد الغالبہ ۹۶: ۳ ترجمہ: ۳۸۰، ۳۰۳، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱،

علیٰ هذا یعنی: إلى الصدر. [مسند احمد: ۱۲۰]

”تمہارے [اس طرح عام دعاؤں میں باستثناء استثناء کے] ہاتھ اٹھانے بدعت ہیں اس لیے کہ

رسول اللہ ﷺ [عام دعاؤں میں] سینہ سے اوپر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔“

یہ بات ہر وقت پیش نظر رہے کہ عبادات کے اوقات اور کیفیات میں اپنی طرف سے کسی قسم کا رد و بدل اور تعین نہ ہونے پائے ورنہ عبادت ”بدعت“ بن جائے گی اس کے چند شواہد ملاحظہ ہوں:

[۱] رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: لَا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِي وَلَا

تَخْتَصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْأَيَّامِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي صَوْمٍ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ۔

[صحیح مسلم، کتاب الصیام، ۱۳] باب کرہۃ صیام یوم الجمعة منقلاً [۲۴] حدیث: ۱۴۸۰- [۱۱۴۳]

”جمعہ کی رات کو دوسری راتوں سے نماز اور قیام کے لیے خاص نہ کرو اور جمعہ کے دن کو دوسرے

دنوں سے روزہ کے لیے خاص نہ کرو مگر ہاں اگر کوئی شخص روزے رکھتا ہو اور جمعہ کا دن بھی اس

کے بیچ میں آجائے تو الگ بات ہے۔“

اس روایت سے معلوم ہوا کہ روزہ جمعہ کی فضیلت نماز جمعہ کی وجہ سے ہے، محض اس فضیلت کے

سبب جمعہ کی رات کو نفل نماز کے لیے اور دن کو نفل روزہ رکھنے کے لیے خاص کرنا درست نہیں۔

[۲] سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کا خلاصہ ہے کہ اُن کا گزر مسجد میں ذکرین کی

ایک جماعت پر ہوا اُن میں ایک شخص کہتا تھا: سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو تو حلقہ نشین لوگ کنکریوں پر

سو مرتبہ تکبیر کہتے پھر وہ کہتا: سو بار لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ سو بار تہلیل پڑھتے پھر وہ کہتا کہ: سو بار

سبحان اللہ کہو تو وہ سو دفعہ تسبیح پڑھتے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا: تم ان سنگ

(۱) عبد اللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ہندی ابو عبد الرحمن رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ فاضل و عاقل تھے اور

رسول اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ قریب۔ سابقین اولون میں سے تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے حرم مکہ میں

جہر سے قرآن سنایا۔ رسول امین ﷺ کے خادم خاص تھے۔ نبی ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد کو قہ شریف لے

گئے جہاں سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں واپس آ گئے۔ مدینہ منورہ میں ۳۲ھ = ۶۵۳ء کو تقریباً ۶۰

سال کی عمر میں وفات پائی۔ [غایۃ التہذیب: ۱/۴۵۸، اعلام: ۲/۱۳۷]

ریزوں پر کیا پڑھتے ہو؟ وہ کہنے لگے: ہم تکبیر، تہلیل اور تسبیح پڑھتے ہیں اس پر انہوں نے فرمایا:

فَعُدُّوا مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ فَأَنَا ضَامِنٌ أَنْ لَا يُضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ وَيُحَكِّمَ يَا أَمَةَ مُحَمَّدٍ مَا أَسْرَعَ هَلَكَتِكُمْ هَؤُلَاءِ صَحَابَةُ بَيْنَكُمْ مَتَوَافِرُونَ وَهَذَا ثَبَاهُ ﷺ لَمْ تَبْلُ وَأَنْتُمْ ﷺ لَمْ تَكْسُرُوا مُفْتِحِي بَابِ ضَلَلَةٍ؟ [سنن دارمی ۹: ۱ باب فی کراہیۃ اغذار الراء [۲۳] حدیث: ۲۰۴] تفسیر القرطبی ۷: ۱۲۶ بذیل تفسیر سورۃ الانعام ۱۵۳]

”تم ان کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کرو۔ میں ضامن ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوگا۔ اے امت محمد ﷺ تم پر تعجب ہے۔ تم کتنی جلد ہلاکت میں پڑ گئے۔ ابھی صحابہ تم میں کثرت سے موجود ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے کپڑے ابھی پُرانے نہیں ہوئے اور ابھی تک اُن کے برتن نہیں ٹوٹے اور اندریں حالات تم بدعت اور گمراہی کا دروازہ کھولتے ہو (۱)“

سیدنا عبداللہ بن مسعود ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب صرف یہ تھا کہ اگرچہ تکبیر، تہلیل اور تسبیح و تحمید کی

(۱) سیدنا لوسی بغدادی لکھتے ہیں: و ما ذُکِرَ فی الواقعات عن ابن مسعود ﷺ من أنه رأى قوماً يهللون برفع الصوت في المسجد فقال: ما أراكم إلا مبتدعين حتى آخر جهنم من المسجد لا يصبغ عند الحفاظ من الأئمة المحدثين. [روح المعاني ۱۵-۱۶: ۶۳۶ بذیل تفسیر سورۃ طہ ۷: ۷۰] ”[کتاب] واقعات میں سیدنا ابن مسعود ﷺ سے جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک قوم کو بلند آواز سے مسجد میں لا اِلهَ اِلاَّ اللہ پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ میں تمہیں بدعتی سمجھتا ہوں یہاں تک کہ انہوں نے ان کو مسجد سے نکال باہر کیا۔ یہ ائمہ محدثین کے حفاظ کے نزدیک صحیح نہیں۔“

مگر علامہ آلوسی نے نہ تو عدم صحت کی کوئی معقول اور صریح وجہ بتائی اور نہ کسی حافظ حدیث کا نام لیا جس نے اس کو موضوع اور غیر صحیح کہا ہو چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں: صَحَّ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ أَخْرَجَ جَمَاعَةً مِنَ الْمَسْجِدِ يَهْلَلُونَ وَيَصْلُونَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ جَهْرًا وَقَالَ لَهُمْ: مَا أَرَاكُمْ إِلَّا مُبْتَدِعِينَ.

[رد المحتار علی الدر المختار ۵: ۲۸۱-۲۸۲]

”سیدنا ابن مسعود ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے جبر سے ذکر کرنے والوں اور درود پڑھنے والوں کو مسجد سے نکال باہر کیا تھا اور اُن سے فرمایا تھا: میں تمہیں بدعتی ہی کہتا ہوں۔“

یہ موقوف روایت صحیح ہے جس کی تفصیل محدث البانی کی سلسلۃ الأحادیث الصحیحہ ۵: ۱۱-۱۳ میں پڑھی جا سکتی ہے۔

بہت کچھ فضیلتیں وارد ہیں اور یہ محبوب ترین اذکار ہیں مگر ان کا یہ خاص طریقہ اور کیفیت رسول اکرم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام کا بتایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں کا خود ایجاد کردہ ہے اس لیے یہ بدعت ضلالت، تاریک ترین بدعت اور گمراہی ہے۔

اس مخصوص کیفیت کو امام ابن دقیق العید^(۱) کی تصریح کے مطابق سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فضیلت ذکر کی عام دلیلوں کے ذیل میں داخل نہیں فرمایا بلکہ اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔

[احکام الاحکام: ۱۷۳]

[۳] امام مجاہد^(۲) فرماتے ہیں: میں اور عروہ بن زبیر^(۳) دونوں مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا: فإذا عبد الله بن عمر رضي الله عنهما جالس إلى حجرة عائشة والناس يصلون الضحى في المسجد فسألناه عن صلاتهم فقال: بدعة.

[صحیح بخاری، کتاب العمرة: ۲۶۱] باب کم اعتمر النبی ﷺ [۳] حدیث: ۱۷۷۵، صحیح مسلم، کتاب الحج [۱۵] باب بیان عدد عمر النبی ﷺ وزمانہ [۳۵] حدیث: ۲۲۰- [۱۲۵۵]

”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا“^(۴) کے کمرہ کے پاس بیٹھے ہیں اور کچھ لوگ

(۱) محمد بن علی بن وہب بن مطیع، ابوالفتح، تقی الدین، قشیری، منقول طبع الاصل ہیں۔ بحراہر کے ساحل ینبع میں ۶۲۵ھ = ۱۲۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ مجتہد اور اصول کے ماہر عالم تھے۔ دمشق میں تعلیم پائی۔ ۶۹۵ھ کو دیار مصریہ کے حج کے عہدے پر فائز ہوئے، قاہرہ میں ۷۰۲ھ = ۱۳۰۲ء کو وفات پائی۔ [الدرر الکامہ: ۹۱: ۱۰، الاعلام: ۶: ۲۸۳]

(۲) مجاہد بن جبر، ابوالحجاج، الحکی، مولیٰ بنی مخزوم۔ ۲۱ھ = ۶۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ تابعی اور مفسر ہیں۔ شیخ القراء و المفسرین کے لقب سے نوازے گئے۔ اہل کتاب سے بعض مسائل میں رجوع کرتے تھے اس لیے سلف ان کی تفسیر کی کتاب سے خود کو بچاتے تھے۔ ۱۰۳ھ = ۷۲۲ء کو وفات پائی۔

[سیر اعلام النبلاء: ۴: ۳۹۹، الاعلام: ۵: ۲۷۸]

(۳) عروہ بن زبیر بن عوام اسدی قرشی ابو عبد اللہ۔ ۲۲ھ = ۶۴۳ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ان کا شمار امت کے فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے۔ صالح اور کریم النفس تھے۔ فتن سے اپنے آپ کو بچائے رکھا، بصرہ منتقل ہوئے وہاں سے مصر آئے جہاں شادی کی اور سات سال تک وہیں رہے، پھر مدینہ منورہ واپس آئے اور وہیں ۹۳ھ =

۱۲۷ھ کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان: ۳: ۲۵۵، الاعلام: ۴: ۲۲۶]

(۴) عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ام المؤمنین، قبل ہجری = ۱۱۳ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔

مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں ہم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان لوگوں کے اس عمل کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ بدعت ہے۔“

چاشت کی نماز صحیح اُسانید کے ساتھ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے لیکن چونکہ آپ کے زمانہ میں اس کے لیے اجتماعی ہیئت سے خاص اہتمام نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ جہاں جہاں بھی کوئی ہوتا تھا وہاں وہ نماز چاشت پڑھ لیتا تھا، نیز یہ نقلی نماز ہے اور نقلی نماز کو بجائے مسجد کے گھر پر پڑھنے کی زیادہ فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے مگر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کا اس نماز کے لیے مسجدوں میں اجتماع اور خاص اہتمام دیکھا تو ان کے اس فعل کو انہوں نے بدعت قرار دیا چنانچہ قاضی عیاض ^(۱) اور امام نووی ^(۲) اس روایت کی توضیح میں فرماتے ہیں:

مراده: أن إظهارها في المسجد والإجماع لها بدعة، لأن أصل صلاة الضحى بدعة.

[اکمال المعلم، قاضی عیاض ۴: ۳۳۲، شرح صحیح مسلم، نووی، ۸: ۲۳۷]

”ان کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظاہر کر کے پڑھنا اور اس کے لیے اجتماع و اہتمام کرنا بدعت ہے، ان کی مراد قطعاً یہ نہیں کہ اصل سے چاشت کی نماز ہی بدعت ہے۔“

سنت کا مقابل بدعت ہے، جس کے لغوی معنی نئی بات کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اس کے یہ

..... عالمہ اور فاضلہ تھیں۔ علم و ادب اور علوم و دینیہ میں اپنی مثال آپ تھیں۔ دو ہجری کو رسول اللہ ﷺ سے ان کی شادی ہو گئی۔ اکابر صحابہ آپ سے فرائض [میراث] کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ ۵۸ھ = ۶۷ء کو مدینہ منورہ میں وفات پا گئیں۔ آپ سے ۲۲۱۰ احادیث کی روایت کی گئی ہیں۔

[تلفیح فہوم اہل الاثر ۳: ۳۶۳، منہاج السنۃ النبویہ ۲: ۱۸۲، ۱۹۲، ۱۹۸، الاعلام ۳: ۲۴۰]

(۱) عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو، مکنسی، سستی، ابو الفضل، سبتہ [مغرب] میں ۶۷ھ = ۱۰۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے میں علما سے حدیث کے سرخیل تھے۔ سبتہ کے قاضی [judge] رہے ہیں۔ ۵۴۳ھ = ۱۱۴۹ء کو مراکش میں زہر دے کر قتل کر دیے گئے۔ [وفیات الاعیان ۳: ۲۸۳، الاعلام ۵: ۹۹]

(۲) یحییٰ بن شرف بن مرزی بن حسن، نووی، شافعی، ابوزکریا، سوریا کے علاقے حوران کے گاؤں [نوا] میں ۶۳۱ھ = ۱۲۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے دمشق گئے اور طویل مدت تک وہاں اقامت پذیر رہے۔ اپنے ہی گاؤں میں ۶۷۶ھ = ۱۲۷۷ء کو وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۴۱: ۱۳۷۰، الاعلام ۸: ۱۴۹]

معنی ہیں کہ دین کے عقائد یا اعمال میں کوئی ایسی بات داخل کی جائے جس کی تلقین صاحب دین نے نہ فرمائی ہو اور نہ ان کے کسی حکم یا فعل سے اس کا منشا ظاہر ہوتا ہو اور نہ اس کی نظیر اس میں ملتی ہو۔ خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان دو لفظوں کو انہی معنوں میں استعمال کیا ہے اور کبھی ”سنت“ کے بجائے ہدٰی اور بدعت کے بجائے مُحَدَّث فرمایا ہے۔

لغت میں بھی یہ الفاظ مترادف ہیں۔ ہدی طریقہ کو کہتے ہیں اور محدث کے معنی ہیں نیا۔ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا وہ خطبہ مذکور ہے جس کو دیتے ہوئے آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔ آواز بلند ہو جاتی اور لہجہ غضب ناک ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

أما بعد فان خير الحديث كتاب الله وخير الهدي هدي محمد ﷺ [وشر الأمور محدثاتها] و كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة.

[صحیح مسلم کتاب الحجۃ [۷] باب فی قول تعالیٰ: واذاراد تجارۃ [۱۱] حدیث: ۲۳- [۸۶۷] سنن نسائی، کتاب صلاۃ العیدین [۱۹] باب کیف الخطبۃ [۲۲] حدیث: ۱۵۷۸]

”سب سے بہتر کلام اللہ تعالیٰ کا کلام اور سب سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے بدترین امور نئی باتیں ہیں اور ہر نئی بات گمراہی ہے۔“

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ”نئی بات“ کا لفظ استعمال کیا ہے اس کی تفصیل دوسرے موقعوں پر آئی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ.

[صحیح بخاری، کتاب الصلح [۵۳] باب اذا اصاب صليحاً على صلح برفاق صلح مردود [۵] حدیث: ۲۶۹۷، صحیح مسلم، کتاب الاقصیہ [۳۰] باب نقض الاحکام الباطلۃ [۸] حدیث: ۱۷- [۱۷۱۸]

”جس کسی نے ہمارے اس معاملہ میں کوئی نئی بات نکالی تو وہ مردود ہوگی۔“

یہ روایت ان الفاظ میں بھی مروی ہے: مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ.

[صحیح مسلم، کتاب الاقصیہ [۳۰] باب نقض الاحکام الباطلۃ [۸] حدیث: ۱۷- [۱۷۱۸]

اور ان الفاظ میں بھی منقول ہے: مَنْ صَنَعَ أَمْرًا عَلَى غَيْرِ أَمْرِنَا فَهُوَ رَدٌّ.

[سنن ابی داؤد کتاب السنۃ [۳۴] باب فی لزوم السنۃ [۶] حدیث: ۴۶۰۶ مسند احمد ۶: ۷۳]

ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جو تعلیم دنیا میں لائے، جن عقائد کی تلقین آپ ﷺ نے امت کو فرمائی، اور دین کا جو طریقہ عمل آپ نے متعین فرمایا، اس میں باہر سے اضافہ کرنا بدعت ہے اس سے بدعت کی حقیقت ظاہر ہوئی، اور وہ یہ کہ ”بدعت“ دین حق کے اندر کسی ایسی چیز کا باہر سے اضافہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اور بتائے ہوئے دین میں نہیں۔ نہ اس کی اصل موجود ہے اور نہ اس کی نظیر موجود ہے اور نہ وہ قرآن و حدیث سے مستنبط ہے۔

نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم فی امرنا کی تشریح کر دیں تاکہ کسی کوتاہ فہم کو مغالطہ پیش نہ آئے۔ حافظ ابن رجب لکھتے ہیں:

کل عمل لایکون علیہ امر اللہ ورسولہ فهو مردود علی عاملہ وکل من أحدث فی الدین ما لم یأذن بہ اللہ ورسولہ فلیس من الدین فی شیء۔

[جامع العلوم والحکم ۱: ۷۶ حدیث: ۵]

”جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی، جس کا اذن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نہیں دیا تو اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں اور وہی چیز مردود ہوگی۔“

امام موصوف یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہر احداث مردود نہیں بلکہ جو احداث فی الدین ہو وہ مردود ہے۔

نیز اس روایت کے ایک طریق کے الفاظ یوں منقول ہیں:

من أحدث فی دیننا ما لیس منہ فہو رد۔ [شرح السنۃ ۱: ۲۱۱ حدیث: ۱۰۳]

”جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی تو وہ مردود ہوگی۔“

جب رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اسی روایت کے الفاظ میں فی امرنا کی بجائے فی دیننا کے الفاظ وارد ہوئے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر صحیح تفسیر اور کیا ہو سکتی ہے؟ علماء محققین فی امرنا ہذا سے مراد

دین کا امر لیتے ہیں: والمراد امر الدین۔ [فتح الباری ۵: ۳۰۳ عمدة القاری ۱۱: ۱۹۳]

”جس نے دین کے اندر کوئی نئی چیز نکالی تو وہ مردود ہوگی۔“

علامہ مناوی (۱) اور علامہ عزیزی (۲) لکھتے ہیں:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا أَيْ: فِي دِينِ الْإِسْلَامِ. [فيض القدير ۶: ۳۶۰، السراج المنير ۴: ۲۵۳]

”اس سے مراد دین اسلام ہے۔“

حافظ عینی (۳) مزید فرماتے ہیں: الإحداث في أمر النبي ﷺ هو: اختراع شيء في دينه، بما

ليس فيه مما لا يوجد في الكتاب والسنة. [عمدة القاري ۱۱: ۳۹۱]

”رسول اللہ ﷺ کے دین میں احداث کا مطلب یہ ہے کہ دین میں کسی ایسی چیز کا اختراع اور

اضافہ کیا جائے جو قرآن و سنت میں موجود نہ ہو۔“

ان اقتباسات سے یہ بات واضح تر ہوگئی کہ کسی امر کے بدعت قرار پانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اضافہ امور دین میں ہو، اگر وہ امور دین میں سے نہیں ہے تو دینی حیثیت سے اس کو بدعت نہیں کہیں گے۔ مثلاً کوئی کسی نئی طرز کی عمارت بنائے یا کوئی نیا آلہ ایجاد کرے یا سائنس کے کسی مسئلہ کی نئی تحقیق کرے اور کوئی نیا طریقہ علاج ایجاد کرے۔

فاضل سعد الدین تفتازانی (۴) لکھتے ہیں: إن البدعة المذمومة هو المحدث في الدين، من

(۱) محمد عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین، حدادی، مناوی، قاہری، قاہرہ میں ۹۵۲ھ =

۱۵۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ علم فن کے چوٹی کے علماء میں سے ہیں۔ تحقیق و تصنیف کے لیے گوشہ

نشینی اختیار کی۔ بہت تھوڑا کھانا کھاتے تھے۔ شب زندہ دار تھے اس لیے بہت جلد نحیف اور کمزور ہو کر لکھنے سے

معذور ہو گئے، اکثر کتابیں اپنے والد سے الماء کروا کر لکھوائیں۔ ۸۰ کتابیں یادگار چھوڑیں۔ قاہرہ میں ۱۰۳۱ھ

= ۱۶۲۲ء کو وفات پائی۔ [خلاصۃ الآثار ۲: ۲۱۲، الاعلام ۶: ۲۰۳]

(۲) علی بن احمد بن محمد عزیزی بولاقی شافعی، مصری۔ فقہ اور حدیث کے عالم تھے۔ شرق مصر میں واقع عزیزیہ میں

پیدا ہوئے، جس کی طرف منسوب ہو کر مناوی کہلائے۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ ۱۰۷۰ھ = ۱۶۶۰ء کو بولاق

میں وفات ہوئے۔ [خلاصۃ الآثار ۳: ۲۰۱، الاعلام ۴: ۲۵۸]

(۳) محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد ابو محمد بدر الدین عینی حنفی۔ مورخ، علامہ اور بہت بڑے محدث تھے۔ ۶۲ھ =

۱۳۶۱ء کو عین تاب میں پیدا ہوئے۔ حلب، مصر اور دمشق میں رہائش پذیر رہے ہیں۔ قاہرہ میں ۸۵۵ھ =

۱۴۵۱ء کو وفات ہوئے۔ [الضوء الملمع ۱۰: ۱۳۱-۱۳۵، الاعلام ۷: ۱۶۳]

(۴) مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی، سعد الدین۔ عربیت، بیان اور منطق کے ماہر۔ متھے خراسان کے.....

غیر اُن یكون في عهد الصحابة رضی اللہ عنہم، والتابعين، ولا دَلَّ عليه الدليل الشرعي.

[شرح المقاصد ۳: ۲۶۵-۲۶۶، مقصد ۶: اسمعیات، فصل ۳، بحث ۸: حکم المؤمن والکافر والفاسق]

”مذموم بدعت وہ ہے جو دین کے اندر ایجاد کی جائے اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے عہد میں نہ ہو اور نہ اس پر کوئی شرعی دلیل دلالت کرتی ہو۔“

بدعت کی پہچان یہ ہے کہ اس کا کرنے والا اپنے اس کام میں ثواب کا اعتقاد رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ کام میں ثواب یا عذاب کا ہونا عقل کے ذریعے دریافت نہیں ہو سکتا، اس کی دریافت کی راہ صرف ایک ہے اور وہ ہے ”وحی“۔

سوال

وہ بدعت گمراہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے ہاں ناپسند ہو یعنی گناہوں کے کام جیسا کہ حدیث میں ہے: **مَنْ ابْتَدَعَ بِدْعَةٍ ضَالَّةٍ لَا تُرْضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ.**

[سنن ترمذی، کتاب العلم، [۳۲] باب ما جاء في الاخذ بالسنة واجتناب البدعة [۱۶] حدیث: ۲۶۷۷ واللفظ لہ سنن ابن ماجہ المقدمة، باب من أحياها قد أميت [۱۵] حدیث: ۲۱۰، السنن، ابن ابی عامر، ۲۳، معجم کبیر، طبرانی ۱۶: ۱۷، الترغیب وتریب، منذری، ۱: ۹۱۸، مشکاة المصابیح، حدیث: ۱۶۸]

”جس نے گمراہی کی ایسی بدعت ایجاد کی جو اللہ اور اُس کے رسول کو ناپسند ہو۔“

جواب

یہ روایت شدید کمزور اور قابل استدلال نہیں کیونکہ اس کا مرکزی راوی کثیر بن عبد اللہ جس کے متعلق امام شافعی اور امام ابو داؤد ^(۱) فرماتے ہیں: جھوٹ کے اراکین واساطین میں سے ہے۔ [میزان الاعتدال ۳: ۴۰۷]

..... تقی تازان نامی گاؤں میں ۱۲ھ = ۶۳۱ء کو پیدا ہوئے۔ سرخس میں اقامت پذیر رہے۔ تیمور لنگ نے انہیں سر قہ جلا وطن کیا جہاں ۹۳ھ = ۱۳۹۰ء کو وفات پائی۔ سرخس میں دفن کیے گئے۔

[الدرر الکلمۃ ۴: ۳۵۰، الاعلام ۷: ۳۱۹]

(۱) سلیمان بن اشعث، بن اسحاق بن بشر، ابو داؤد، زدی مجتہبی، اپنے زمانے میں حدیث کے بہت بڑے عالم تھے، ان کی السنن اصول ستہ میں گئی جاتی ہے۔ ۲۰۲ھ = ۸۱۷ء کو ولادت ہوئی۔ حصول علم کے لیے.....

امام ابو زرعتہ^(۱) فرماتے ہیں: وہابی ہے۔ قوی نہیں۔ [الجرح والتحدیل ۷: ۱۵۴]

اس لیے قاضی عیاض لکھتے ہیں: یہ روایت منکر اور غیر صحیح ہے۔ [الکمال المعلم ۱: ۱۱۲]

امام ابن المیج حاکم نیشاپوری^(۲) اس روایت کو وہابی [شدید کمزور] کہتے ہیں۔ [الکمال المعلم ۱: ۱۱۲]

محدث قرطبی^(۳) درج بالا قول کو نقل فرمانے کے بعد یہ اضافہ بھی کرتے ہیں کہ:

وقد اغتر بهذه الزيادة أناس ممن يقصد الخبر ولا يعرفه فظن أن هذا الوعيد إنما يتناول

مَن قصد الإضلال بالكذب على رسول الله ﷺ فأما مَن قصد الترغيب في الأعمال

الصالحة وتقوية مذاهب أهل السنة فلا يتناول فَوَضَعَ الأحاديث لذلك وهذه جهالة

لأن هذه الزيادة تُروى عن الأعمش ولا تصح عنه، وليست معروفة عند نقلة ذلك

الحديث مع شهرته. [المُفْهِم ۱: ۱۱۴-۱۱۵]

”اس روایت میں اس اضافے کے سبب بہت سے ایسے لوگ غلطی کا شکار ہو گئے جو خیر و فلاح

کے اعمال کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کا علم نہیں رکھتے کہ کون سا کام نیکی کا ہے ان کے خیال میں

..... لیے سفر کیے۔ ۲۷۵ھ = ۸۸۹ء کو بصرہ میں وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۲: ۴۰۴، تاریخ بغداد ۵: ۹۵، الاعلام ۳: ۱۲۲]

(۱) عبدالرحمن بن عمرو بن عبداللہ بن صفوان بن عمرو انصری، ابو زرعتہ دمشقی، الحافظ اپنے وقت میں شام کے شیخ

تھے۔ دمشق سے تعلق تھا۔ رجال و علل حدیث کے ماہر عالم تھے۔ ۲۸۰ھ = ۸۹۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔

[تہذیب الکمال ۱: ۳۰۱، ترجمہ: ۳۹۱۶، الاعلام ۳: ۳۲۰]

(۲) محمد بن عبداللہ بن حمدویہ بن نعیم ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری، نیشاپور میں ۳۲۱ھ = ۹۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ

حدیث تھے۔ ۳۲۱ھ کو عراق گئے اور اسی سال فریضہ حج ادا کیا۔ ۳۵۹ھ کو نیشاپور کے قاضی مقرر ہوئے اور اسی

وجہ سے حاکم لقب پڑ گیا ان کی اکثر تصانیف حدیث اور علوم حدیث سے متعلق ہیں۔ نیشاپور ہی میں ۴۰۵ھ =

۱۰۱۲ء کو وفات پائی۔ [تاریخ بغداد ۵: ۲۷۳، الاعلام ۶: ۲۲۷]

(۳) احمد بن عمر بن ابراہیم ابو العباس انصاری قرطبی، زین الدین ۵۷۸ھ = ۱۱۸۲ء کو قرطبہ میں پیدا ہوئے۔

مالکی فقیہ اور محدث تھے۔ اسکندریہ میں مدرس تھے اور وہیں ۶۵۶ھ = ۱۲۵۸ء کو وفات پائی۔ صحیح مسلم کی تلخیص اور

پھر اس کی توضیح المُفْهِم لِمَا اشْكَل من تلخیص کتاب مسلم کے نام سے لکھی۔

[شذرات الذہب ۷: ۲۷۳، الاعلام ۱: ۱۸۶]

دوسروں کو گمراہ کرنے کے لیے جو روایت گھڑی جائے وہ تو گناہ اور جرم ہے لیکن اعمالِ صالحہ کی ترغیب اور اہل سنت کے مذہب کی تقویت میں گھڑی ہوئی حدیث ان کے ہاں کوئی جرم نہیں، لیکن یہ سراسر نادانی اور دین سے بے خبری ہے اس لیے کہ یہ اضافہ صرف اعمش کی روایت میں منقول ہے اور اس سے بھی ثابت نہیں جب کہ دوسرے ناقلین حدیث کے ہاں اس کا وجود تک نہیں۔“

اس تفصیل کی روشنی میں اہل سنت و جماعت کا اذعاء کرنے والے اپنے عقائد اور اعمال کا جائزہ لیں کہ کیا ان پر قرآن کریم کی کوئی آیت رسول اکرم ﷺ کی کوئی صحیح حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی صحیح اثر اور ائمہ مجتہدین کا کوئی باسند اور صحیح قول موجود ہے۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو اسے پیش کیا جائے۔ غیر معصوم لوگوں کے غیر مؤید بالوحی خواب، قصے، کہانیاں اور بے اصل و اساس اقوال سے نہ کوئی عقیدہ صحیح ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی شرعی عمل۔

مولانا صاحب کے قطعی دلائل

مولانا محمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: فجمعْتُ دلائلَ قاطعةً وَّ حججاً واضحةً لمن يدَّعي التوسلَ إلى الله ببركة الأنبياء والأولياء المدفونين في المقابر ويدَّعي سماع الأُموات في البرزخ. [البصائر: ۳، تسہیل البصائر: ۵]

”میں نے اُن لوگوں کے لیے قطعی دلائل اور واضح حجتیں جمع کی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے انبیائے کرام اور قبروں میں دفن کیے گئے اولیاء کے توسل کے قائل اور برزخ میں مُردوں کے سننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔“

اس عبارت کے پیش نظر البصائر کا قاری بجا طور پر مولانا صاحب سے یہ توقع رکھے گا کہ آپ اپنے موقف کی تائید میں قطعی دلائل اور واضح حجتیں پیش کریں گے۔ مولانا صاحب کسی قاری کی اس توقع پر کتنا پورا اترتے ہیں؟ اس کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ فی الحال اُن کی کتاب کے مقدمہ کے ”النکۃ الأولى: فی بیان حقیقۃ الموت“ کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں تاکہ قاری کو معلوم ہو کہ مولانا صاحب نے کس حد تک اس موضوع سے متعلق دلیل قطعی یقینی پیش کی ہے۔

موت کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے لیے انہوں نے امام غزالی (۱) کی احیاء علوم الدین ۴: ۲۳۲ [۴: ۲۹۳-۲۹۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت] حافظ سیوطی (۲) اور ملا علی قاری خفی کی عبارات لکھی ہیں انہوں نے معتزلہ اور دیگر باطل فرقوں کی تردید کے بعد واضح طور پر لکھا ہے کہ:

بل الذي تشهد له طرق الإعتبار وتنطق به الآيات والأخبار أن الموت معناه: تغيير حال فقط، وأن الروح باقية بعد مفارقة الجسد إما معذبة وإما منعمة، ومعنى مفارقتها للجسد انقطاع تصرفها عن الجسد بخروج الجسد عن طاعتها.

[احیاء علوم الدین ۴: ۲۹۳-۲۹۴ البصائر ۳: ۳۰]

”آیات اور روایات حدیث میں اس کا واضح ثبوت ہے کہ موت کا مطلب فقط حالت کی تبدیلی ہے اور روح جب بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو فنا نہیں ہو جاتی بلکہ باقی رہتی ہے۔ اُسے [روح] کو یا تو عذاب دیا جاتا ہے اور یا نعمتیں اور روح کے بدن سے جدا ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ جسد اب اس کے تابع نہیں رہا۔“

ہمیں حافظ سیوطی کی یہ عبارت بھی معلوم ہے کہ: قال العلماء: الموت ليس بعدم محض، ولا فناء صرف، وإنما هو انقطاع تعلق الروح بالبدن ومفارقة وحيلولة بينهما وتبدل حال وانتقال من دار إلى دار. [شرح الصدور: ۵]

(۱) محمد بن محمد غزالی طوسی، ابو حامد صوفی اور فلسفی تھے۔ تقریباً دو سو کتابیں تصنیف کیں۔ ۴۵۰ھ = ۱۰۵۸ء کو طبرستان میں پیدا ہوئے جو صوبہ خراسان کے طوس شہر کا مضافاتی گاؤں تھا اور اسی گاؤں میں ۵۰۵ھ = ۱۱۱۱ء کو وفات پائی۔ نیشاپور بغداد حجاز اور شام و مصر کے سفر کیے۔

[وفیات الاعیان ۴: ۲۱۶، المعجم فی خبر من غمر ۲: ۳۸۷، الاعلام ۲: ۲۲]

(۲) عبدالرحمن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین خضریٰ سیوطی، جلال الدین ۸۳۹ھ = ۱۴۳۵ء کو پیدا ہوئے پانچ سال کے تھے کہ والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ قاہرہ میں پلے بڑھے۔ چالیس سال کی عمر میں دریائے نیل کے روضۃ المقیاس میں عزلت نشین ہوئے اور وہیں اپنی اکثر کتابیں لکھیں۔ امراء اور شرفاء ان سے ملنے وہاں آتے اور وظائف و تحائف پیش کرتے مگر آپ کسی سے ملنے اور نہ وظیفہ یا تحفہ قبول کرتے۔ ۹۱۱ھ = ۱۵۰۵ء کو وفات پائی۔ [شذرات الذہب ۵۱: ۸، الاعلام ۳: ۳۰۱]

”علماء کا قول ہے کہ موت عدم محض اور فناء خالص کا نام نہیں بلکہ روح کے بدن سے تعلق منقطع ہونے کا نام موت ہے یا یوں کہو کہ ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونے کا نام موت ہے۔“

اور امام راعب اصفہانی (۱) کے اس قول سے بھی واقف ہیں کہ: الموت عبارة عن زوال القوة الحيوانية وإبادة الروح عن الجسد. [الفردات فی غریب القرآن: ۴۷۷]

”قوت حیوانیہ کے زوال اور جسد سے روح کے جدا ہونے کو موت کہتے ہیں۔“

یہ تو علماء کی عبارتیں ہیں اور ظاہر ہے کہ قطعی اور یقینی دلیل کوئی اور شے ہے۔ آئیے میں آپ کو قطعی اور یقینی دلیل سے موت کی حقیقت بتا دوں۔ قرآن کریم نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ نقل کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ جثات اُن کے تابع اور محکوم تھے اور اُن کے لیے بڑی بڑی عمارتیں بڑی دیگیں اور عظیم الشان لگنین تیار کرتے تھے اور:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ أَنْ لَوْ كَانَُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ. [سورۃ سبا: ۳۴]

”پھر جب ہم نے اُن پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے اُن کی موت کا پتہ نہ بتایا بجز ایک زمینی کیڑے کے جو اُن کے عصا کو کھا تا تھا سو جب وہ گر پڑے تب جثات پر حقیقت ظاہر ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔“

واقعہ کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام اپنے اہم کاموں کی نگرانی، خصوصاً جو جثات کے ہاتھوں انجام پاتے، بنفس نفیس فرماتے، چنانچہ وہ اپنی عصا کی ٹیک لگائے ہوئے کسی تعمیری کام کی نگرانی کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں اُن کی موت کا وقت آ گیا اور ملک الموت نے اُن کی روح قبض کر لی، لیکن وہ جس طرح عصا کے سہارے کھڑے تھے اُسی طرح بدستور قائم رہے

(۱) حسین بن محمد بن مفضل ابو القاسم اصفہانی [اصفہانی] ادیب، حکیم اور عالم تھے۔ اصفہان سے تعلق تھا۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ بغداد میں رہائش پذیر تھے۔ اپنے زمانے میں امام غزالی کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ ۵۰۲ھ

۱۱۰۸ھ کو وفات پائی۔ [روضات الجنات: ۲۴۹، الاعلام: ۲۵۵]

اور جنّات اس ڈر سے اپنے کام میں لگے رہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام موجود ہیں۔ بالآخر اُن پر عرصہ گزر گیا اور اس آثناء میں دیمک نے عصا کو نیچے سے کھالیا جس کے بعد اُن کا جسد مبارک زمین پر گرا تب جنّات کو یہ احساس ہوا کہ اگر اُن کو علم غیب حاصل ہوتا تو وہ اتنی دیر تک اس بیگاری کی ذلت میں گرفتار نہ ہوتے۔

اس آیت کریمہ سے تین باتیں قطعی طور ثابت ہوئیں:

3

[۱] سیدنا سلیمان علیہ السلام کی لاش کی کو تو دیمک چاٹ گئی لیکن اُن علیہ السلام کے پاؤں محفوظ رہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کوئی زمینی شے انبیاء کے اجساد مبارک کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

[۲] جب تک سیدنا سلیمان علیہ السلام کی لاش صحیح اور سالم تھی تب تک اُن کا بوجھ برداشت کیا لیکن جب کمزور پڑ گئی تو اُن کا بوجھ برداشت نہ کر سکی اور موت کی حالت میں سہارا نہ ہونے کی وجہ سے آپ علیہ السلام اپنی قدموں پر سیدھے کھڑے نہ ہو سکے اس لیے گر پڑے۔

[۳] جنّات کو اپنے بارے میں علم غیب کی جو خوش فہمی تھی اور لوگ اُن کے علم غیب کے بارے میں جو خیالات رکھتے تھے وہ سب غلط اور بے بنیاد تھے۔

ایک اور دلیل قاطع بھی سن لیجئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کے مرض الوفا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں: بین یدیه رکوة أو غلبة فیها ماء فجعل یدخل یدیه فی الماء فیمسح بهما وجهه یقول: لا إله إلا الله إن للموت سكرات ثم نصب یده فجعل یقول: فی الرفیق الأعلى حتی قبض ومالت یده.

[صحیح بخاری، کتاب المغازی [۶۴] باب مرض النبی ﷺ ووفاته [۸۴] حدیث: ۴۴۳۹، کتاب الرقاق [۸۱]

باب التواضع [۳۸] حدیث: ۶۵۱۰]

”آپ ﷺ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ [درو سے بے تاب ہو کر بار بار] ہاتھ اُس پیالے میں ڈالتے اور منہ پر پھیر لیتے اور یہ کہتے جاتے تھے: لا إله إلا الله إن للموت سكرات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ پھر ہاتھ اٹھا کر یہ فرمانے لگے: فی الرفیق الأعلى اے اللہ! میں رفیقِ اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں [یعنی حظیرۃ القدس جو انبیاء و مرسلین اور

ملائکہ و مقربین کا مسکن ہے وہاں جانا چاہتا ہوں] اور آپ ﷺ کی روح مبارک پرواز کر گئی اور دست مبارک نیچے گر گیا۔“

کیا ان دونوں روشن نصوص سے موت کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو موت کی حقیقت کے بارے میں ان سے استدلال کیوں نہیں کیا جاتا؟

امام غزالی اور علم حدیث

مولانا حمزہ اللہ صاحب نے اس بحث میں آیت کریمہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا [سورۃ آل عمران ۳: ۱۶۹] اور حدیث ”قلیب بدر“ والی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جن کے بارے میں ایک الگ عنوان کے تحت کچھ لکھا جائے گا فی الحال اُن روایات کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے جنہیں مولانا صاحب نے امام غزالی کے حوالے سے لکھا ہے۔

امام غزالی کی سب سے بڑی اور مشہور و اہم تصنیف إحياء علوم الدین ہے جسے عرف عام میں إحياء العلوم کہا جاتا ہے جس کے متعلق امام ذہبی (۱) لکھتے ہیں:

أما إحياء ففيه من الأحاديث الباطلة جملة وفيه خير كثير لولا ما فيه من آداب ورسوم وزهد من طرائق الحكماء ومُنَحْرِفِي الصوفية، نَسَّالَ اللَّهُ عِلْمَانًا نَافِعًا..... تَدْرِي مَا الْعِلْمُ النَّافِعُ؟ هُوَ مَا نَزَلَ بِهِ الْقُرْآنُ وَفَسَّرَهُ الرَّسُولُ ﷺ قَوْلًا وَفِعْلًا وَلَمْ يَأْتْ نَهْيٌ عَنْهُ قَالَ ﷺ: مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي فَعَلَيْكَ يَا أَخِي بِتَدْبِيرِ كِتَابِ اللَّهِ وَبِإِدْبَارِ النَّظَرِ فِي الصَّحِيحِينَ وَسُنَنِ النَّسَائِيِّ وَرِيَاضِ النَّوَوِيِّ وَأَذْكَارِهِ، تَفْلَحَ وَتَنْجَحْ، وَإِيَّاكَ وَأَرْاءَ عِبَادِ الْفَلَسَفَةِ، وَوِظَائِفِ أَهْلِ الرِّيَاضَاتِ، وَجُوعِ الرِّهْبَانِ، وَخُطَابِ طَيْشِ رُؤُوسِ أَصْحَابِ الْخُلُوتِ، فَكُلِ الْخَيْرِ فِي مَتَابَعَةِ الْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ، فَوَاغُوْا ثَابَةَ اللَّهِ، أَللَّهُمَّ اهْدِنَا إِلَى صِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيمِ. [سير اعلام النبلاء ۱۹: ۳۳۹-۳۴۰]

(۱) محمد بن احمد بن عثمان بن قايماز، شمس الدين ابو عبد الله حافظ علامہ، محقق اور مؤرخ تھے۔ ترکمانی الاصل ہیں۔ ۶۷۸ھ = ۱۲۷۴ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ حافظ بڑی اور امام ابن تیمیہ کے فیض یافتہ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ دمشق ہی میں ۷۴۸ھ = ۱۳۴۸ء کو وفات پائی۔ [الدرر الکبریٰ ۳: ۳۳۶، الاعلام ۵: ۳۲۶]

”نہایت مفید کتاب ہے لیکن اس میں بے شمار موضوع احادیث موجود ہیں نیز اس میں ایسی صوفیانہ اور زہدانہ عبادات و رسوم کا ذکر بھی ہے جن کی کوئی شرعی بنیاد نہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے علم نافع طلب کرتے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ علم نافع کیا ہے؟ علم نافع وہ ہے جو قرآن کریم میں موجود ہو، جس کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے قولاً وفعلاً کی ہو اور جس سے آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا ہو ارشاد نبوی ہے: جو میری سنت سے منہ موڑے وہ مجھ سے نہیں۔ تو میرے بھائی! کتاب اللہ میں غور و فکر اور تدبر کرو۔ صحیحین، سنن نسائی اور امام نووی کی ریاض الصالحین اور الاذکار کا ہمیشہ مطالعہ کیا کرو دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے، فلسفی عابدوں کے خیالات و آراء چلہ کشوں کے وظائف و اعمال اور راہبوں جیسی بھوک و پیاس سے ہمیشہ دور رہو اس لیے کہ نجات اور کامیابی صرف اور صرف اتباع رسول ﷺ میں ہے اور بس!“

یاد رہے کہ حافظ ابو الفضل عبد الرحیم عراقی (۱) نے اپنی کتاب المغنی عن حملی الأسفار فی تخریج مسافری الأحياء من الأخبار میں ان کی روایات کی تخریج کی ہے اور ان کی پیش کردہ روایات کا علمی درجہ بھی بتایا ہے اس لیے کہ امام غزالی فلسفہ کے تو امام ہیں لیکن حدیث ان کا فن نہیں اس لیے کوئی دانا پینا عالم ان کی پیش کردہ روایات کو بلا تحقیق استدلال میں پیش نہیں کرتا۔

قاضی عبد الوہاب بن علی بن عبد الکانی بن علی بن تمام سبکی (۲) نے احیاء العلوم کی ۹۴۳ احادیث کے بارے میں لکھا ہے کہ مجھے ان کی کوئی سند معلوم نہیں۔ [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۶: ۲۷۸-۳۸۸]

- (۱) عبد الرحیم بن حسین بن عبد الرحمن بن ابراہیم بن ابی بکر بن ابراہیم ابو الفضل زین الدین حافظ عراقی، بحاشہ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ کرد سے بنیادی تعلق تھا۔ علاقہ اربل کے رازنان میں ۷۲۵ھ = ۱۳۲۵ء کو پیدا ہوئے۔ بچپن میں مصر منتقل ہوئے جہاں تعلیم حاصل کی اور شہرت پائی۔ حجاز مقدس، شام اور فلسطین کے سفر کیے۔ ۸۰۶ھ = ۱۴۰۴ء کو مصر میں وفات پائی۔ [الضوء اللامع ۴: ۱۵۲، ترجمہ: ۳۹۳، الاعلام ۳: ۳۴۳]
- (۲) عبد الوہاب بن علی بن عبد الکانی السبکی، ابونصر، قاضی القضاۃ، مؤرخ اور باحث تھے۔ ۷۷۷ھ = ۱۳۷۷ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کی معیت میں دمشق آکر وہاں سکونت اختیار کی اور دمشق ہی میں ۷۷۷ھ = ۱۳۷۰ء کو وفات پائی۔ سُبُک [مصر کے منوف علاقے] سے تعلق کی وجہ سے السبکی کہلائے۔ [الدرر الکلمۃ ۲: ۲۷۵، الاعلام ۴: ۱۸۳]

مولانا صاحب نے موت کی حقیقت کے بارے میں درج ذیل احادیث پیش کی ہیں:

[۱] لا تفضحوا موتاكم بسيئات أعمالكم فإنها تعرض على أوليائكم من أهل القبور.

[إحياء علوم الدين ۴: ۲۹۷ البصائر: ۴]

”تمہارے اعمال تمہارے فوت شدہ لوگوں پر قبور میں پیش کیے جاتے ہیں اس لیے اپنے برے اعمال سے اپنے مرے ہوئے لوگوں کو سوانہ کرو۔“

حافظ سخاوی^(۱) اور علامہ محمد طاہر بن علی ہندی^(۲) فرماتے ہیں: اس کی سند ضعیف ہے۔

[المقاصد الحسنة: ۲۱: ۷۲ حدیث: ۱۲۹۶ تذکرۃ الموضوعات: ۲۱۶]

حافظ عراقی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں اور فرماتے ہیں: اسے امام احمد نے [کتاب الزہد میں] کسی غیر معلوم الاسم شخص سے نقل کیا ہے۔ [المغنی عن حمل الاسفار: ۴: ۳۹۷]

[۲] إن الميت يعرف من يغسله، ومن يحمله، ومن يدليه في قبره.

[إحياء علوم الدين ۴: ۲۹۷ البصائر: ۴]

”میت اُس شخص کو جانتی پہچانتی ہے جو اُسے غسل دیتا ہے، جو اُسے کاندھوں پر اٹھا کر لے جاتا ہے اور جو اُسے قبر میں اُتارتا ہے۔“

یہ روایت مسند احمد کی ہے اور اس کی سند اس طرح ہے: حدثني عبد الله، حدثني أبي ثنا [عبد الملك بن عمرو] أبو عامر [العقدي] ثنا عبد الملك [أبو مروان الأحول] بن حسن الحارثي

(۱) محمد بن عبد الرحمن بن محمد، شمس الدين، مصر کے ایک گاؤں سخا سے تعلق رکھنے کے باعث سخاوی کہلائے، قاہرہ میں ۸۳۱ھ = ۱۴۲۷ء کو پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے طویل سفر کئے۔ حدیث، تفسیر، تاریخ اور ادب کے بڑے عالم تھے۔ تقریباً دو سو کتابیں یادگار چھوڑیں۔ مدینہ منورہ میں ۹۰۲ھ = ۱۴۹۷ء کو وفات پائی۔

[شذرات الذهب ۸: ۱۵۰ الاعلام ۶: ۱۹۴]

(۲) جمال الدین محمد بن طاہر بن علی ہندی ۸۱۴ھ = ۱۵۰۸ء کو گجرات [ہند] کے شہر ”نہروالہ“ میں پیدا ہوئے۔ بڑے بڑے اُستادہ سے کسب فیض کیا۔ ۸۴۴ھ میں حج کیا اور حجاز کے علماء سے بھرپور علمی فوائد حاصل کیے۔ بوہرہ قوم سے تھے جو مہدویہ اسماعیلیہ کی پیرو تھی۔ انہوں نے عہد کیا تھا کہ جب تک اپنی قوم سے بدعت و ضلالت دور نہ کروں گا عمامہ سر پر نہ باندھوں گا۔ ۹۸۶ھ = ۱۵۷۸ء کو آپ نے شہادت پائی۔

[تذکرہ علمائے ہند: ۴۴۰ ترجمہ: ۱۱۱: ۵]

[الحارثی المدنی] ثنائی عید بن عمرو بن سلیم [الزرقی الأنصاری] قال: سمعت رجلاً منا قال عبد الملك: نسیت اسمه، ولكن اسمه معاوية أو ابن معاوية، يحدث عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ قال: [مسند احمد ۳: ۳، تاریخ بغداد ۱۴: ۲۱۴]

”سعيد بن عمرو بن سليم کہتے ہیں: میں نے اپنے ایک ساتھی سے یہ روایت سنی ہے۔ سعيد بن عمرو ابن سليم کے شاگرد عبد الملك کہتے ہیں: میں اُس کا نام بھول گیا ہوں۔ اُس کا نام معاویہ یا ابن معاویہ ہے۔“

مسند احمد کی ایک اور روایت میں اس راوی کا نام فلان بن معاویہ یا معاویہ بن فلان لیا گیا ہے۔ [مسند احمد ۳: ۶۲، ۶۳]

جو حافظ یثمی (۱) کی تصریح کے مطابق ”مجهول“ ہے۔ [مجمع الزوائد ۲۱: ۳۸۵]
اس قسم کی ایک روایت امام طبرانی (۲) کی معجم اوسط [۵: ۳۲۰، حدیث: ۴۳۸۷] اور حافظ ابو نعیم (۳)

کی اخبار اصہبان [۱: ۲۰۸] میں بھی ہے جس میں درج ذیل اسنادی خامیاں ہیں:

— اس کا راوی اسماعیل بن عمرو کجکی ضعیف تھا۔ [الجرح والتعديل ۲: ۱۹۰]

— محدث ابوالشیخ (۴) فرماتے ہیں: اس کی روایت میں بکثرت عجائب و غرائب ہوتے ہیں۔

[طبقات المحدثین باصہبان ۲: ۱۹۲]

(۱) علی بن ابی بکر بن سلیمان یثمی، ابوالحسن، نور الدین، مصری، قاہری، ۳۵ھ = ۱۳۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث تھے۔ کئی کتابوں کے احادیث کی تخریج کی۔ ۸۰۷ھ = ۱۴۰۵ء کو وفات پائی۔

[الضوء الملاح ۵: ۹، ترجمہ: ۱۵۶۱، الاعلام ۲: ۲۶۶]

(۲) سلیمان بن احمد اللخمی الشافعی ابوالقاسم، بہت بڑے محدث تھے۔ طبریہ [شام] سے تعلق کی وجہ سے طبری کہلائے۔ عکا میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے حجاز مقدس، یمن، مصر، عراق فارس اور جزیرہ کے سفر کیے۔

۳۶۰ھ = ۹۷۱ء کو اصہبان میں وفات پائی۔ [تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ۶: ۲۴۰، الاعلام ۳: ۱۴۱]

(۳) احمد بن عبد اللہ بن احمد اصہبانی، ابو نعیم، حافظ حدیث اور مؤرخ تھے۔ اصہبان میں ۳۳۶ھ = ۹۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ حفظ و روایت حدیث میں ثقہ مانے جاتے ہیں۔ اصہبان ہی میں ۴۳۰ھ = ۱۰۳۸ء کو وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۹۲: ۹۲، تذکرۃ الحفاظ ۳: ۹۲، الاعلام ۱: ۱۵۷]

(۴) عبد اللہ بن محمد بن جہان الاصہبانی ابو الجحوم، ابوالشیخ، ۲۷۷ھ = ۸۸۷ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث اور رجال

اس سند میں فضیل بن مرزوق رقاشی کوئی بھی ہے جو سچا ہونے کے باوصف وہم کا شکار ہوا کرتا تھا اور تشیع سے متہم تھا۔ [تقریب التہذیب: ۲۷۷، ترجمہ: ۵۴۷]

اس کا ایک راوی عطیہ عوفی [عطیہ بن سعد بن جنادہ] بھی ہے جو سچا تو تھا لیکن کثرت سے غلطیاں کرتا تھا اور مدلس بھی تھا۔ [تقریب التہذیب: ۳۲۳، ترجمہ: ۳۶۱]

اور یہ روایت معنعن ہے۔ مصطلح الحدیث کا قاعدہ ہے کہ صحیحین سے باہر مدلس کی معنعن روایت مردود ہوتی ہے۔

یہ وہ قطعی اور واضح دلائل ہیں جو مولانا صاحب نے ”موت کی حقیقت“ کے سلسلے میں نقل کیے ہیں۔ اب یہ ناظرین پر ہے کہ وہ ان دلائل کو قطعی اور یقینی جانتے ہیں یا ”پادر ہوا“؟

کرامت بعد الموت

مولانا صاحب ”النکۃ السابعة فی الکرامۃ بعد الممات“ کے تحت لکھتے ہیں:

ذكر المحقق البغدادي الآلوسي في تفسيره في الجزء الثلثين في تفصيل والمدبرَات
أمرًا: وقيل: إقسام بالنفوس الفاضلة حالة مفارقة الأبدان بالموت فإنها تنزع من
الأبدان غرقاً أي: نزعاً شديداً إلى أن قال: فتصير بشرفها وقوتها من المدبرات أي:
ملحقة بالملئكة أو تصلح لأن تكون مدبرة..... وقد نقل عن جالينوس أنه مرض
مرضاً عجز عن علاجه الحكماء فوصف له في منامه علاجاً وفعله فأفاق وقد ذكره
الغزالي؛ ولذا قيل وليس بحديث كما توهم: إذا تحيرتُم في الأمور فاستعينوا من
أصحاب القبور أي: أصحاب النفوس الفاضلة المتوفين ولا شك أنه يحصل لزارئهم
مددٌ روحانيٌّ ببركتهم؛ وكثيراً ما تنحل عقد الأمور بأنامل التوسل إلى الله تعالى
بحرمتهم؛ وتفسير النازعات بالنفوس الفاضلة مروى عن السدي.

[البصائر: ۱۲، تسهيل البصائر: ۲۶-۲۷]

..... حدیث کے بڑے عالم تھے۔ اپنے دادا حبان کی نسبت سے چٹائی کہلاتے ہیں۔ حصول علم کے لیے موصل، حران، حجاز

مقدس اور عراق کے سفر کیے ۳۶۹ھ = ۹۷۹ء کو وفات پائی۔ [العمر: ۲، ۱۳۳، الاعلام: ۱۲۰]

حرمت کے وسیلہ سے کھل جایا کرتی ہیں۔

[۵] نازعات کی یہی تفسیر سیدی^(۱) سے منقول ہے۔

مولانا صاحب کو سید آلوسی کی پوری عبارت دیانت داری کے ساتھ نقل کرنا چاہیے تھا۔ سید آلوسی اس قول کو نقل کر کے اس پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

و كَذَا حَمَلَهَا عَلَى النَّفْسِ الْفَاضِلَةِ الْمَفَارِقَةِ إِيَّاهُمْ صَحَّةٌ مَازِعْمَهُ كَثِيرٌ مِنْ سَخَفَةِ الْعُقُولِ مِنْ أَنَّ الْأَوْلِيَاءَ يَتَصَرَّفُونَ بَعْدَ وَفَاتِهِمْ بِنَحْوِ شِفَاءِ الْمَرِيضِ وَإِنْفَازِ الْغَرِيقِ وَالنَّصْرِ عَلَى الْأَعْدَاءِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا يَكُونُ فِي عَالَمِ الْكُونِ وَالْفَسَادِ عَلَى مَعْنَى أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَوَّضَ إِلَيْهِمْ ذَلِكَ، وَمِنْهُمْ مَنْ خَصَّ ذَلِكَ بِخَمْسَةِ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ، وَالْكَلُّ جَهْلٌ، وَإِنْ

كان الثاني أشدَّ جهلاً. [روح المعاني ۲۹-۳۰: ۳۱۵]

”مدبرات کی تفسیر نفوس فاضلہ سے کرنے میں یہ برائی ہے کہ اس سے اُن بہت سے بے وقوفوں اور کم عقلوں کی بات صحیح تصور کی جائے گی جن کا خیال ہے کہ اولیاء کرام اپنی وفات کے بعد تصرف کرتے ہیں مثلاً بیمار کو شفاء دینا، ڈوبتے کو بچانا، دشمنوں سے روکنا اور ان کے علاوہ ایسے دوسرے کام جو عالم کون و فساد میں ہوتے ہیں وہ اولیاء کرتے ہیں بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان اولیاء کرام کے سپرد کر دیے ہیں ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو پانچ اولیاء کے ساتھ ان چیزوں کو مخصوص سمجھتے ہیں اور یہ سب جہالت ہے اگرچہ دوسرا قول بہت بڑی جہالت ہے۔“

غور کیجیے کہ سید آلوسی مرے ہوئے لوگوں کے تصرف کو جاہلوں نادانوں اور کم عقلوں کا عقیدہ کہتے ہیں اور ایک دانا بینا مولوی صاحب بھی اُن کے رستے پر گامزن ہیں۔

مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ: نازعات کی یہی تفسیر سیدی سے منقول ہے۔

تو عرض ہے کہ سدی کبیر^(۱) قریش کا مولیٰ اور تشیع سے متہم [بدنام] تھا، اس نے سیدنا انس^(۲)،

(۱) اسماعیل بن عبد الرحمن کوفی، سدی کبیر، تابعی، مجازی الاصل۔ کوفہ میں رہائش تھی۔ واقعات و تاریخ کے عالم

تھے۔ ۱۲۸ھ = ۷۴۵ء کو وفات پائی۔ [النجوم الزاہرہ ۱۵: ۳۹۰، الاعلام ۱: ۳۱۷]

(۲) انس بن مالک بن نضر بن ضمضمؓ، بخاری، خزرجی، انصاری، ابو ثمامہ یا ابو حمزہ، بلند رتبہ صحابی اور رسول.....

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور باذان سے روایت کی اور اس سے اسباط بن نصر اسماعیل اور حسن بن صالح نے۔ عجلی (۱) اسے ثقہ اور عالم تفسیر لکھتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اُس کی حدیث حسن درجہ کی ہے لیکن تفسیر میں بیان کردہ روایات کی سند خود ہٹا کی ہے۔ جوز جانی (۲) اسے کذاب اور بدگو کہتے ہیں۔ امام شعبی (۳) سے کسی نے کہا کہ سدی کو قرآن مجید کا علم حاصل تھا تو امام نے جواب میں کہا وہ عالم قرآن نہیں بلکہ جاہل بالقرآن تھا۔ سال وفات ۱۲۷ھ = ۷۴۵ء ہے۔

[تہذیب الکمال ۱۳۳:۳، سیر اعلام النبلاء ۵: ۲۶۳]

پھر یہ بھی ہے کہ یہ تفسیر سید الوسی بغدادی نے امام رازی کی تفسیر کبیر [۳۱:۱۱] سے نقل کی ہے جس پر نہایت اچھا تبصرہ بحر العلوم علامہ سید امیر علی طبع آبادی (۴) نے کیا ہے۔ آپ بھی پڑھئے:

..... اکرم ﷺ کے خادم تھے۔ مرویات کی تعداد ۲۸۶ ہے۔ مدینہ منورہ میں ۱۰۰ھ = ۶۱۲ء کو پیدا ہوئے۔ بچپن میں اسلام قبول کیا اور نبی اکرم ﷺ کی وفات تک ان کی خدمت کرتے رہے۔ دمشق اور بصرہ میں رہائش پذیر رہے۔ بصرہ میں ۹۳ھ = ۷۱۲ء کو وفات پائی۔ بصرہ میں وفات پانے والے آپ سب سے آخری صحابی ہیں۔ [تہذیب تاریخ دمشق، الک ۳۳۳:۴، سیر اعلام النبلاء ۵: ۲۶۳]

(۱) احمد بن عبد اللہ بن صالح، ابوالحسن، حافظ اور تائد حدیث تھے۔ کوفہ میں ۱۸۱ھ = ۷۹۷ء کو پیدا ہوئے۔ امام احمد بن محمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین کے ہم پلہ مانے جاتے ہیں۔ طرابلس میں ۲۶۱ھ = ۸۷۵ء کو وفات پائی۔ [تاریخ بغداد ۴: ۲۱۳، تذکرۃ الحفاظ ۲: ۵۶۰، سیر اعلام النبلاء ۱۵: ۱]

(۲) ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق السعدی الجوز جانی ابواسحاق محدث شام۔ حافظ حدیث تھے۔ بلخ خراسان کے جوز جان کی طرف منسوب ہیں۔ جوز جان میں پیدا ہوئے۔ مکہ معظمہ، پھر بصرہ اور مدینہ تشریف لے گئے وہاں کچھ مدت قیام کیا پھر دمشق میں رہائش اختیار کی اور وہاں ۲۵۹ھ = ۸۷۳ء کو فوت ہوئے۔ [تہذیب تاریخ دمشق ۲: ۳۱، سیر اعلام النبلاء ۸۱: ۱]

(۳) عامر بن شراحیل بن عبد ذی کبار، شععی، حمیری، ہمدان کے قبیلہ شعب سے نسبت سے شععی کہلائے۔ کوفہ میں ۱۹ھ = ۶۴۰ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش پائی اور وہیں ۱۰۳ھ = ۷۲۱ء کو وفات ہوئے۔ فقید المثل حافظ کے مالک تھے۔ عبد الملک بن مروان کے مشیر و ندیم اور شاہ روم کے لیے اُن کے سفیر اور قاصد تھے، ثقہ رجال حدیث میں سے تھے۔ فقید اور شاعر تھے۔ [وفیات الاعیان ۱۲: ۳، سیر اعلام النبلاء ۲۵۱: ۳]

(۴) سید امیر علی بن معتمد علی حسینی طبع آبادی ۱۲۷۳ھ کو بلخ آباد ہند میں پیدا ہوئے۔ علامہ فاروق چڑیا کوٹی اور مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد کنصو کے مطبع نشی نول کشور میں ملازم

”مترجم کہتا ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ فلسفی تکلفات ہیں خصوصاً فالمد برات
 امرأ“ ارواح کو مدبرات بنانے میں عجیب تکلف کیا ہے اور شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے
 اصحاب ﷺ سے بڑھ کر کسی نفس کو کمال حاصل نہ ہوگا لیکن صحابہ کرام ﷺ نے آپ ﷺ کے بعد
 تدبیرات میں آپ ﷺ سے معاونت نہیں لی ورنہ ضرور ہم ضعیفوں کے لیے یہ طریقہ متواتر منقول
 ہوتا حالانکہ جب ابتدائے خلافت سیدنا صدیق اکبر ﷺ (۱) میں تمام عرب کے اکثر قبائل مرتد
 ہو گئے تھے تو نہایت سخت اضطراب تھا حتیٰ کہ بعض صحابہ نے کہا ہے کہ اگر پہاڑ ہوتا تو بیٹھ جاتا لیکن
 سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ ذرا مضطرب نہ ہوئے اور قطعاً اس بات پر جم گئے کہ مرتدین سے جہاد
 کریں اور باقی صحابہ ہر چند اس رائے سے پھیرنا چاہتے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر ﷺ نے نہ مانا
 اور فرمایا: اگر تم نہیں جاؤ گے تو میں تنہا جاؤں گا۔ آخر صحابہ کرام ﷺ حکم کے تابع ہوئے اور چند ہی
 روز میں جب متواتر فتوحات سے پھر عرب تابع ہوئے تو سب کے سب صحابہ ﷺ سیدنا ابوبکر
 کے نہایت شکر گزار ہوئے اور ان کی خلافت کو اپنے اوپر اور دین اسلام پر اللہ تعالیٰ کی عظیم کرامت
 سمجھے لیکن ارواح سے تدبیرات پر کسی نے عمل نہیں کیا۔ رہا یہ کہ شاگرد نے یا بیٹے نے استاذ یا باپ
 کو خواب میں دیکھا یا جالینوس نے خواب دیکھا تو یہ خواب کی تعبیر کے احکام ہیں حتیٰ کہ یہ ضروری
 نہیں کہ حقیقت میں اُس کی روح سے باتیں ہوں۔ اگر رازی کو اس کی ضرورت تھی تو جالینوس کا

..... ہو گئے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس بھی رہے ہیں۔ ۱۳۳۷ھ کو وفات پائی۔

[تذکرۃ المفسرین: ۳۱۵، ترجمہ: ۲۳]

(۱) ابوبکر صدیق [عبداللہ] بن ابی قحافہ [عثمان] رضی اللہ عنہما بن عاصم، تمیمی، قرشی بالغ مردوں میں سب سے
 اول اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ پہلے خلیفہ راشد ہیں۔ آپ کے والد والدہ بیوی اور اولاد سب صحابہ ہیں یہ
 فضیلت آپ کے علاوہ کسی اور صحابی کو حاصل نہیں ہے۔ ۵۱ قبل ہجری = ۵۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ زمانہ جاہلیت میں
 بھی نہ بت پرستی کی اور نہ شراب کو منہ لگایا۔ ۱۱ھ کو خلیفہ منتخب ہوئے۔ ۱۳ھ = ۶۳۴ء کو مدینہ منورہ میں وفات پا گئے
 ان کی مدت خلافت ۲ سال ۳ ماہ ۱۵ دن ہے۔ آپ ﷺ کی مرویات ۱۴۲ ہیں۔

[صفحة الصفو ۱۵۰: ۲-۱۰۳، ترجمہ: ۲، منہاج النبویہ ۱۱۸: ۳، الاعلام ۱۰۲: ۴]

ذکرِ لغو چھوڑ کر سیدنا ثابت بن قیس بن شماس ؓ (۱) کا حال لکھا ہوتا (۲)۔ ”مواہب الرحمن ۱۰: ۶۳“
مولانا صاحب سے یہ بھی پوچھنا ہے کہ کیا جالینوس کا قول عقیدہ کے باب میں معتبر اور معتمد ہے؟
ہمارے نزدیک اُس کی بات طب کے باب میں تو سنی جاسکتی ہے، لیکن دینی امور اور بالخصوص
عقیدہ کے بارے میں اُس کی بات کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے۔

مولانا صاحب آگے لکھتے ہیں: فقد ظهر من هذه العبارات أنَّ للأولياء بعد الوفاة مددٌ
روحانيٌّ، وهذا ليس إلا الكرامة بعد الموت؛ والمفسر البغدادي معتمدہم أيضاً، ولعلمہم
ما اطلعوا على هذا الموضع وإلا لما أظهروا العقيدة عليه كما هو ديدنُهم فإنہم لا
يتروكون من إساءة الأدب لآلِ عالماء ولا شيخاً ولا مُرشداً ولا مُفسراً إذا خالفوا العقيدتہم،
اللهم إنا نعوذُ بك من إساءة الأدب فإن سبَّي الأدب محرومٌ من فيضانِ الرَّبِّ.
[البصائر المنيرة في التوسل بآلِ المقابر: ۱۲]

”ان عبارات سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد اولیائے کرام کو ایک قسم کی روحانی مدد حاصل ہو جاتی
ہے، جسے کرامت بعد الموت کہا جاتا ہے۔ مفسر بغدادی اُن کے ہاں بھی معتمد ہیں، لیکن شاید انہوں

(۱) ثابت بن قیس بن شماس خزر جی انصاری ؓ، خطیب النبی ؐ اُحد اور بعد کے غزوات میں شریک رہے ہیں
۱۲ھ = ۶۳۳ھ کو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے دورِ خلافت میں لڑی گئی جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔
[اسد الغابۃ: ۱: ۲۹۸ ترجمہ: ۵۶۹: ۱: ۹۸]

(۲) ان کا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے: سیدنا شماس بن قیس غزوہ یمامہ میں ثابت قدم رہ کر شہید ہوئے۔ اُن
کے جسم پر ایک عمدہ زرہ تھی جسے اُن کی شہادت کے بعد کسی نے اٹھایا۔ سیدنا ثابت ؓ رات کو ایک مسلمان کو
خواب میں دکھائے گئے کہ انہیں کہہ رہے ہیں کہ تم سیدنا خالد بن ولید ؓ کے پاس جا کر انہیں کہہ دو کہ فلاں
نے میری شہادت کے بعد میری زرہ چرائی ہے اُسے اُس سے واپس لینا اور سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے پاس جا کر
انہیں بتا دینا کہ میرے ذمہ فلاں اور فلاں کی اتنی قرض ہے اُسے ادا کریں اور میرے فلاں غلام کو آزاد کریں تم
اسے خواب سمجھ کر بھول مت جانا۔ وہ شخص بیدار ہو کر سیدنا خالد بن ولید کے پاس آئے اور انہیں زرہ کے بارے
میں بات بتادی جسے انہوں نے جا کر اُس شخص سے واپس لے لیا اور سیدنا ابوبکر ؓ کے پاس جا کر اُن کی وصیت
سنائی جسے آپ نے نافذ کیا۔ سیدنا ثابت بن قیس ؓ ایسے واحد فرد ہیں جن کی وصیت بعد از وفات نافذ کی گئی۔

نے اس جگہ اُن کی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا ہے ورنہ یہ لوگ اُن سے عقیدت کا اظہار نہ کرتے؛ ویسے یہ لوگ عادتاً ہر اُس عالم، شیخ، مرشد اور مفسر کی گستاخی اور بے ادبی کرتے ہیں جو اُن کے عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کسی کی بے ادبی کرنے سے اپنے حفظ و امان میں رکھے اس لیے کہ: بے ادب محروم گشت از فضل رب۔“

مولانا صاحب کی خدمت میں مودبانہ عرض ہے کہ یہ بے ادبی کرنا نہیں کہ کسی بڑے شخص سے کسی عقیدہ یا عمل کی دلیل کا مطالبہ کیا جائے اور اگر یہ بے ادبی ہے تو سارے علماء، محدثین اور فقہاء کو بے ادب کہنا پڑے گا جو دینی اور شرعی سارے مسائل میں دلیل اور حجت تلاش کرتے ہیں۔ مولانا صاحب! اللہ تعالیٰ ہمیں بے ادبی اور گستاخی کرنے سے بچائے۔ ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ جب آپ نے غیر اللہ سے مافوق الاسباب استعانت کو جائز رکھا تو کیا آپ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی بے ادبی کے مرتکب نہیں ہوئے؟

قرآن کریم میں تو صاف اعلان ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ. [سورة الحجرات ۱:۴۹]

”اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول سے آگے مت بڑھو۔“

مولانا صاحب! آپ جس چیز کو ثابت کرنے کے درپے ہیں، وہ کرامت بعد الموت نہیں؛ بلکہ تصرف بعد الموت ہے؛ جس کو کوئی بھی دانا پنا مسلمان جائز نہیں کہہ سکتا اس لیے کہ کائنات کے اندر مافوق الاسباب تصرف اور تدبیر کرنے والا صرف اکیلا اللہ تعالیٰ ہے نہ تو اس میں اُس کا کوئی شریک و سہیم ہے اور نہ مشیر اور وزیر ہے، وہ ہر لحاظ سے اس میں متفرد ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ وَيُخْرِجُ الْمَمِيتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ. [سورة یونس ۳۱:۱۰]

”ان سے پوچھو کہ کون تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے؟ یا کون ہے جو سب و بصر پر اختیار رکھتا ہے اور کون ہے جو زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون ہے جو [ساری کائنات

کا [انتظام چلاتا ہے؟ تو جواب دیں گے کہ اللہ تو ان سے کہو کہ کیا تم [اس اللہ سے] ڈرتے نہیں؟“ یہ قطعی مضمون اس امر پر شاہد عدل ہے کہ مشرکین کو بھی اس کا اعتراف تھا کہ یہ امور کلیہ اور عظیم الشان کام اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا اس لیے فرمایا کہ جب تم حقیقی اور اصلی خالق مالک متصرف اور تمام عالم کا مدبر اسی کو مانتے ہو تو پھر ڈرتے نہیں کہ اُس کے سوا دوسروں کو معبود و متصرف اور مدبر کائنات بناتے ہو ان صفات کا اہل اور مستحق تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو خالق کل مالک الملک مدبر کائنات رب مطلق اور متصرف علی الاطلاق ہو جو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

ہماری بات تو آپ گستاخی پر محمول کریں گے لیکن ہم آپ کی خدمت میں عرض کریں کہ امام شعرانی^(۱) نے شیخ الصوفیہ ابو بکر بن عربی^(۲) سے اُن کا عقیدہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

إني أقول قولاً جازماً بقلبي: إن الله تعالى إله واحد لا ثاني له، مُنَزَّهٌ عن الصاحبة والولد، مالك لا شريك له، مَلِكٌ لا وزير له، صانع لا مُدَبِّرَ معه. [اليواقيت والجواهر: ۱۸]

”میں تدوّل سے پورے جزم اور یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا الہ ہے اُس کا کوئی ثانی نہیں ہے وہ بیوی اور اولاد سے پاک ہے وہ مالک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں وہ بادشاہ ہے اُس کا کوئی وزیر نہیں وہ صانع ہے اُس کے ساتھ کوئی مدبر نہیں۔“

(۱) ابو محمد عبد الوہاب بن احمد بن علی شعرانی، حنفی، محمد بن حنفیہ کی طرف منسوب ہونے سے حنفی کہلائے۔ ۸۹۸ھ = ۱۴۹۳ء کو مصر کے قلعہ قندہ قصبے میں پیدا ہوئے۔ منوفیہ کے قصبہ ساقیۃ اُبی شعرة میں پلے بڑھنے کی وجہ سے شعرانی کہلاتے ہیں۔ صوفی اور عالم دین ہیں۔ اُن گنت کتابیں لکھیں۔ ۹۷۳ھ = ۱۵۶۵ء کو وفات پائی۔

[الکواکب السائرة: ۳: ۱۵۷-۱۵۸، ترجمہ: ۴: ۱۴۷، الاعلام: ۴: ۱۸۰]

(۲) محمد بن علی بن محمد ابن عربی ابو بکر الحاتمی الطائی الاندلسی، عرف بحی الدین بن عربی لقب: شیخ اکبر صوفی اور فلسفی تھے۔ رمضان ۵۶۰ھ = ۱۱۶۵ء کو مرسیہ [اندلس] میں پیدا ہوئے۔ اشبیلیہ منتقل ہوئے۔ رحلتہ میں قیام پذیر ہوئے۔ شام، روم، عراق اور حجاز مقدس کے سفر کیے۔ کچھ شطیحات کی وجہ سے اہل مصر نے انہیں قید میں ڈال کر پھانسی چڑھانے کا فیصلہ کیا مگر علی بن فتح بجائی کی کوششوں سے رہائی ملی وہاں سے جا کر دمشق میں رہائش اختیار کی جہاں ۶۳۸ھ = ۱۲۴۰ء کو وفات پائی۔ [فوات الوفيات: ۲: ۳۹۷، ترجمہ: ۳۸۴، الاعلام: ۶: ۲۸۱]

محدث ہند شاہ ولی اللہ دہلوی (۱) لکھتے ہیں: لا شریک لہ فی وجوب الوجود ولا فی استحقاق العبادۃ ولا فی الخلق والتدبیر فلا يستحق العبادۃ أي: أقصى غاية التعظیم إلا هو ولا یشفی مریضاً ولا یرزق رزقاً ولا یکشف ضراً إلا هو بمعنی أن یقول لشیء کن فیکون لا بمعنی التسیب العادی الظاہری، كما یقال: شفی الطیب المریض، ورزق الایمیر الجنۃ، فهذا غیرہ وإن اشتبه فی اللفظ. [القیام الالہیہ: ۱۴۵]

”ووجوب وجود استحقاق عبادت اور خلق و تدبیر کی صفات میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہے اور کوئی اعلیٰ درجے کی تعظیم اور عبادت کا مستحق نہیں ہے اور نہ تو اُس کے بغیر کوئی بیمار کو شفاء دے سکتا ہے اور نہ رزق اور نہ کوئی اور تکلیف رفع کر سکتا ہے یہ سب کام صرف اُسی کے ہیں جب وہ کسی چیز کے بارے میں فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ سارے کام عادی اور ظاہری اسباب سے ماوراء ہوتے ہیں ایسے نہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ طبیب نے مریض کو شفاء دی اور امیر لشکر نے فوج کو روزینہ دیا [اس لیے کہ یہ سب کچھ عادی و ظاہری اسباب کے تحت ہے] اور اللہ تعالیٰ کا دینا اس کے سوا اور اس سے الگ ہوتا ہے اگرچہ لفظ میں اشتباہ واقع ہو جاتا ہے۔“

مولانا صاحب! ادراج فاضلہ کو مدبر ثابت کر کے آپ دین اسلام کی کوئی خدمت نہیں فرما رہے بلکہ آپ کی اس تاویل سے کفر و شرک کا دروازہ کھلتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی گستاخی ہے۔ ہماری آپ سے درخواست ہے کہ اب بھی وقت ہے۔ اپنے اس قول سے رجوع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ رحیم و غفور ہے۔ شاید وہ آپ کی یہ غلطی معاف فرمادیں۔

مولانا صاحب آگے لکھتے ہیں: وقد تواتر عن کثیر من الاولیاء انہم ینصرون اولیاء ہم و یدمرون اعداء ہم والظاہر ان النسبۃ فی قول المفسر مجازیۃ.

[البصائر: ۱۲، تسہیل البصائر: ۲۸]

(۱) ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم عمری، حنفی، نقشبندی، محدث دہلوی۔ ۱۱۱۳ھ = ۱۷۰۳ء کو سونی پت میں پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ سولہ سال کے تھے کہ درس و تدریس کی اجازت مل گئی۔ ہند میں تفسیر و حدیث کو مشہور کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ دہلی میں ۱۱۷۶ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

[نزہۃ النواطر: ۶، ۳۱۰ تذکرہ علمائے ہند: ۵۴۲]

”بہت سے اولیاء کرام سے یہ بات تو اتر کے ساتھ منقول ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ نسبت مجازی ہے۔“

یہ بات قاضی محمد ثناء اللہ صاحب پانی پتی ^(۱) [وفات: ۱۲۲۵ھ] نے اپنی تفسیر [۱۵۲:۱] میں سورۃ آل عمران ۱۵۴:۳ کی تفسیر میں لکھی ہے۔

مولانا صاحب! عقیدہ کے اثبات کے لیے قطعی دلیل درکار ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ومن المعلوم عند ارباب العلوم وأصحاب الفہوم: أنَّ مبنی العقائد علی الأدلة القطعیة لا علی الحجج الظنیة المفیدة فی المسائل الفقہیة الفرعیة. [ثم العوارض فی ذم الروافض: ۲۱]

”ارباب علم و فہم کے نزدیک یہ بات معلوم ہے کہ عقائد کی بنیاد قطعی دلائل پر استوار ہوتی ہے۔ اور اُن غلطی دلائل پر اس کی عمارت نہیں کھڑی کی جاسکتی جو فقہی اور فرعی مسائل میں مفید ہوتی ہیں۔“

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحب صفدر ^(۲) لکھتے ہیں:

”کتب عقائد میں یہ مسئلہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ عقیدہ کے اثبات کے لیے خبر واحد صحیح بھی ناکافی ہے، یعنی ایسی حدیث جس کے راوی اگر چہ ثقہ ہوں لیکن اس حدیث کا شمار خبر واحد میں ہوتا ہو تو اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا چنانچہ شرح مواقف: ۷۷۷، شرح فقہ

(۱) قاضی محمد ثناء اللہ خٹنی جمدی از اولاد اہلال الدین چشتی صابری پانی پتی پانی پت [شرقی پنجاب] میں ۱۱۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل میں مشغول رہے۔ اس سلسلے میں دہلی گئے، جہاں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے حدیث سن کر پھر صغریٰ بنی میں حافظ محمد عابد لاہوری شامی احمدی نقشبندی سے علم طریقت [نقشبندیہ] اخذ کیا۔ اُن کی وفات کے بعد [اور ایک روایت کے مطابق حافظ محمد عابد کی ہدایت پر] مرزا مظہر جان جاناں دہلوی [وفات: ۱۱۹۵ھ = ۱۷۸۱ء] کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے علم طریقت [احمدیہ] حاصل کیا۔ یکم رجب ۱۲۲۵ھ = ۲- اگست ۱۸۱۰ء کو وفات پائی۔ [مقامات مظہری: ۳۵۹-۳۶۰، الخواطر ۷: ۱۲۸، ترجمہ: ۱۹۱، حدائق الحنفیہ: ۲۸۳، تذکرہ علمائے ہند: ۱۴۲، ترجمہ: ۱۰۰، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۰۳۳]

(۲) محمد سرفراز خان صفدر بن نور احمد خان بن گل احمد خان سواتی، مندر راوی ۱۹۱۴ء کو ڈھکی چیزاں داخلی، کڑمنگ بالا، تحصیل مانسہرہ، ضلع ہزارہ پاکستان میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں۔ گکھڑ اور گوجرانوالہ کو مرکز بنا کر دین کی خدمت کا آغاز کیا۔ کثیر التصانیف محقق بزرگ ہیں۔ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ = ۵ مئی ۲۰۰۹ء کو وفات پائی۔ [ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، امام اہل سنت نمبر جولائی- اکتوبر ۲۰۰۹ء]

اکبر: ۶۸، مسامرة ۲: ۸۷ اور شرح عقائد: ۱۰۱ میں ہے کہ خبر واحد اگرچہ صحت کی اُن تمام شرائط سے متصف ہو جن کا اصول فقہ اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے لیکن پھر بھی اس سے ظن کا فائدہ ہی ہو سکتا ہے اور عقائد کے باب میں ظنیات کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا اور حافظ ابن حجر (۱) لکھتے ہیں:

الأحادیث إذا كانت في مسائل عملية يكفي في الأخذ بها بعد صحتها أفادتها الظن
أما إذا كانت في العقائد فلا يكفي فيها إلا ما يفيد القطع. [فتح الباری ۸: ۳۳۱]

”یعنی جن مسائل کا تعلق عمل کے ساتھ ہے اُن میں صحیح احادیث سے استدلال کافی ہے کیونکہ اعمال کے [ثبوت کے] لیے ظنی دلائل ہی کافی ہیں لیکن جب عقائد کی باری آئے گی تو اُن میں صرف وہی حدیثیں قابل قبول ہوں گی جو قطع و یقین کا فائدہ دیں [یعنی: صرف متواتر حدیثیں ہوں] عام اس سے کہ تو اثر لفظی ہو یا معنوی تو اثر طبقہ ہو یا تو اثر تواریث ان میں سے ہر ایک کا انکار کفر ہے۔“

شیخ الحدیث صاحب یہ بھی لکھتے ہیں: ”قارئین کرام! آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ عقیدت اور چیز ہے اور عقیدہ اور ہے۔ عقیدہ کے اثبات کے لیے کوئی قطعی نص یا خبر متواتر وغیرہ درکار ہے یہاں خبر واحد صحیح سے بھی گاڑی نہیں چل سکتی اور قرآن کریم کے مقابلہ میں تو خبر واحد کا پیش کرنا ہی ناجائز ہے۔“

[تمرید النواظر فی تحقیق الحاضر والناظر: ۲۳-۲۵]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ”ہمارے اکابر عقیدہ کو قطعی دلائل سے پیش کرتے ہیں اور قطعی دلائل یہ ہیں: قرآن کریم، خبر متواتر [عام اس کے کہ تو اثر لفظی ہو یا تو اثر طبقہ، تو اثر قدر مشترک ہو یا تو اثر تواریث ان میں سے ہر ایک کا انکار ہمارے اکابر کے نزدیک کفر ہے] اور اجماع قطعی ہمارا کوئی عقیدہ ان دلائل کے بغیر کسی اور چیز پر موقوف نہیں۔“ [راہ ہدایت: ۲۰۲]

مولانا صاحب! آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ عقائد کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۱) احمد بن علی بن محمد، کنانی، عسقلانی، ابو الفضل، شہاب الدین، ابن حجر، قاہرہ میں ۷۷۷ھ = ۱۳۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ شعر و ادب کے دلدادہ تھے، پھر حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے حصول میں صعوبتیں برداشت کیں۔ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ حدیث رجال اور تاریخ کے بے نظیر عالم ہیں۔ ۸۵۲ھ = ۱۴۳۹ء کو قاہرہ ہی میں وفات پائی۔ [المبداء الطالع: ۱: ۸۷، الاعلام: ۸: ۱۷۸]

قاضی ثناء اللہ صاحب اور آپ نے اس قول پر کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی۔ عقیدہ کے باب میں ایسی بے بنیاد بات آخر سنتا کون ہے؟ اس قول کے برخلاف یہ قطعی نصوص ملاحظہ ہوں۔

۱- اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ اَنْهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ۔ [سورۃ یس: ۳۶-۳۷]
”کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کیا کہ ہم اُن کے قبل [بہت سی] امتیں ہلاک کر چکے ہیں کہ یہ لوگ ان کی طرف لوٹ کر نہ آئیں گے۔“

4

۲- اور حدیث میں ہے کہ: اِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَيْرٌ يَعْلُقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَرْجِعَهُ اللّٰهُ اِلَى حَسَنِهِ يَوْمَ يَبْعَثُهُ۔ [موطأ امام مالک: ۲۳۰، کتاب الجنائز: ۱۶] باب جامع الجنائز: ۱۶ [حدیث: ۳۹]
”مؤمن کا نسمة پرندہ ہے جو جنت کے درختوں میں معلق ہوتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اُسے اُس کے بدن کی طرف لوٹا دے۔“

مولانا صاحب! اگر گستاخی نہ ہو اور آپ برانہ مانیں تو آپ سے ایک بات پوچھنا ہے۔ آپ نے النکتۃ الثامنة کے تحت یہ بات لکھی ہے کہ:

اعْلَمْ أَنَّ الْمُتَلَدَّ يَكُونُ تَمَسُّكُهُ بِقَوْلٍ مُّجْتَهِدِهِ۔ [البصائر: ۱۳، تسہیل البصائر: ۳۰]

”خوب سمجھ لو کہ مقلد اپنے امام کے قول سے تمسک کرے گا۔“

آپ نے امام رازی، سید آلوسی، جالینوس، مولانا تھانوی اور شاہ ولی اللہ کے نام لے کر ان سے یہ باطل عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مرے ہوئے بزرگ اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور فلاں فلاں بزرگ مر جانے کے بعد اپنے گھروں میں تشریف لایا کرتے تھے تو سوال یہ ہے کہ ان میں سے آپ کے امام کون سے شخص ہیں؟ اور کیا امام ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت، کو فی رحمۃ اللہ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ اگر جواب نفی میں ہے اور آپ یہ باطل عقیدہ کسی بھی مستند حنفی مجتہد منتسب کی کتاب میں ثابت نہیں کر سکتے تو آپ کے اس قاعدے کا فائدہ کیا ہوا؟

ہم تو ٹھہرے آپ کے نزدیک منکرین فقہ، لیکن آپ نے کہیں یہ عبارت پڑھی ہے کہ:

اعْلَمْ أَنَّ النَّذْرَ الَّذِي يَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِ وَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَ

الزَّيْتِ ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرُّباً إليهم كَانَ يَقُول: ياسيدي فلان إن رُدَّ غائبِي أَوْ قُضِيَتْ حَاجَتِي فَلَنَكُ مِنَ الذَّهَبِ كَذَا وَمِنَ الْفِضَّةِ كَذَا وَمِنَ الطَّعَامِ كَذَا أَوْ الشَّمْعِ أَوْ الزَّيْتِ كَذَا بَاطِلٌ وَحَرَامٌ بِوُجُوهِ مُنْهَاهَا: أَنَّهُ نَذْرٌ وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوقِ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ، وَمِنْهَا أَنَّ الْمُنْذُورَ لَهُ مِيتٌ وَالْمِيتُ لَا يَمْلِكُ، وَمِنْهَا أَنَّهُ ظَنٌّ أَنَّ الْمِيتَ يَتَصَرَّفُ فِي الْأُمُورِ دُونَ اللَّهِ تَعَالَى، فَاعْتَقَاذُهُ ذَلِكَ كَفَرٌ. [البحر الرائق ۲: ۲۹۸ شامی ۳: ۱۷۵]

”اچھی طرح جان لو کہ وہ نذر و منت جو اکثر عوام مُردوں کے لیے مانتے ہیں اور جو چیز از قسم دراہم، موم، ہتی، تیل اور اس قسم کی دیگر چیزیں بزرگوں کی قبروں تک اُن کا تقرب حاصل کرنے کے لیے پہنچائی جاتی ہیں مثلاً کوئی کہتا ہے کہ اے میرے آقا فلان! اگر میرا گم شدہ آدمی واپس آ گیا یا میری حاجت پوری کر دی گئی تو تجھے اتنا سونا اور اتنی چاندی یا اتنا تاج یا اتنی موم بتیاں یا اتنا تیل دوں گا تو یہ نذر باطل اور حرام ہے اور اس کے باطل ہونے کی کئی وجوہ ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ کارروائی نذر ہے اور نذر عبادت ہے جو مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کے لیے نذر مانی گئی ہے وہ میت ہے اور نذر کی چیز کو وہ اپنی ملکیت میں نہیں لے سکتی اور تیسری وجہ یہ ہے کہ نذر ماننے والے کا یہ گمان ہوگا کہ میت اللہ تعالیٰ کے ورے معاملات میں تصرف کرتی ہے، سو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔“

غور کیجئے کہ امام ابن نجیم ^(۱) اور امام شامی ^(۲) یہ تصریح فرما رہے ہیں کہ اگر کسی کا یہ ظن و گمان ہو کہ صاحب قبر کوئی نفع اور ضرر کے امور میں متصرف ہے تو یہ کفر کا عقیدہ ہے اور مولانا صاحب یہ لکھنے سے باز نہیں آتے کہ: الأولیاء ینصرون اولیائہم ویدمرون أعدائہم۔

(۱) زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن محمد، مصری، حنفی عالم اور فقیہ ہیں۔ ابن نجیم سے مشہور ہیں۔ مصر سے تعلق تھا۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ اپنے زمانہ میں احناف کے سرخیل تھے۔ ۷۹۷ھ = ۱۵۶۳ء کو وفات پائی۔ [شذرات الذہب ۱۰: ۵۲۳، معجم المؤلفین ۴: ۱۹۲، الاعلام ۳: ۶۲۴]

(۲) محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز بن عابد بن فقیہ دیار شامیہ، اپنے زمانے میں احناف کے امام تھے۔ دمشق میں ۱۱۹۸ھ = ۱۷۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ ابن عابدین سے شہرت پائی۔ دمشق ہی میں ۱۲۵۲ھ = ۱۸۳۶ء کو فوت ہوئے۔ [الاعلام ۶: ۴۲]

شُرک فی الإستعانة

مولانا محمد اللہ صاحب النکتۃ العاشرة کے تحت لکھتے ہیں کہ:

وَأَمَّا الشُّرْكُ فِي الْإِسْتِعَانَةِ بِأَنْ يَطْلُبَ أَحَدُ الْعَوْنِ مِنَ الْغَيْرِ فَإِنْ كَانَ يَعْتَقِدُ أَنَّ ذَلِكَ الْغَيْرَ مُسْتَقِلٌّ وَخَالِقٌ لِلْعَوْنِ فَهُوَ شُرْكٌ، وَالْأَفْهَوُ لَيْسَ بِشُرْكٍ. [البصائر المنيرة: ۱۵]

”شُرک فی الاستعانت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد طلب کرے۔ اب اگر اس کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ شخص مستقل طور پر امداد کرتا ہے یا وہ امداد کا خالق ہے تو ایسا کرنا تو شرک ہے اور اگر اُس کو مستقل بالذات اور امداد کا خالق نہ جانے تو پھر ایسا کرنا شرک نہیں ہے۔“

اپنے اس موقف کے لیے انہوں نے دو چیزیں استدلال میں پیش کی ہیں۔

[۱] مفسر خازن^(۱) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَإِنَّهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرُ رَبِّهِ الْآيَةُ وَالْمَعْنَى أَنَّ الشَّيْطَانَ أَنَسَى يَوْسُفَ عَلَى نَبِينَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ذِكْرُ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ حَتَّى ابْتَغَى الْفَرَجَ مِنْ غَيْرِهِ وَاسْتَعَانَ بِمَخْلُوقٍ مِثْلِهِ فِي دَفْعِ الضَّرَرِ، وَتِلْكَ غَفْلَةٌ عَرَضَتْ لِيَوْسُفَ عَلَى نَبِينَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَإِنَّ الْإِسْتِعَانَةَ بِالْمَخْلُوقِ فِي دَفْعِ الضَّرَرِ جَائِزَةٌ إِلَّا أَنَّهُ لَمَّا كَانَ مَقَامَ يَوْسُفَ عَلَى نَبِينَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَعْلَى الْمَقَامَاتِ وَرُتَبَتِهِ أَشْرَفَ الْمَرَاتِبِ، وَهِيَ مَنْصِبُ الرِّسَالَةِ وَالنَّبُوَّةِ لَا جَرَمَ صَارَ يَوْسُفَ عَلَى نَبِينَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَوَاجِزًا بَعْدَ الْقَدْرِ. [البصائر المنيرة: ۱۵]

”وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَإِنَّهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرُ رَبِّهِ“ [سورۃ یوسف ۱۲: ۲۲] کا معنی یہ ہے کہ شیطان نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے اپنے رب کی یاد بھلا دی یہاں تک کہ

(۱) علی بن محمد بن ابراہیم الشَّیخی علاء الدین المعروف بالخازن تفسیر وحدیث کے بڑے عالم تھے۔ شافعی فقیہ تھے۔ حلب کے ایک علاقے شجر سے منسوب ہو کر شجی کہلائے۔ ۶۷۸ھ = ۱۲۸۰ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔

ایک عرصہ تک دمشق میں مقیم تھے جہاں کے مدرسہ سمیاطیہ میں کتب خانہ کے خازن تھے۔ ۷۷۱ھ = ۱۳۷۱ء کو

حلب میں وفات پائی۔ [الدرر الکبریٰ: ۳: ۹۷۷، الاعلام: ۵: ۵]

آپ نے قید سے رہائی پانے اور ضرر دور کرنے کے لیے مخلوق سے استعانت کی یہ چیز غفلت سے سیدنا یوسف علیہ السلام سے سرزد ہو گئی، گرچہ ضرر دفع کرنے کے لیے مخلوق سے استعانت جائز ہے لیکن سیدنا یوسف علیہ السلام نہایت اعلیٰ مقام اور ارفع درجہ پر فائز تھے جو نبوت و رسالت کا درجہ ہے اس لیے اُن کی عظیم قدر و منزلت سے اُن کا مواخذہ ہوا۔“

اس عبارت کو لکھ کر نتیجہ نکالتے ہیں: وَ عَلِمَ مِنْهُ اَيْضًا اَنَّ الْاِسْتِعَانَةَ بِالْمَخْلُوقِ فِي دَفْعِ الضَّرَرِ اَوْ جَلْبِ النِّفَعِ جَائِزٌ اِلَّا اَنَّ شَأْنَ الْاَنْبِيَاءِ اَعْلَىٰ وَاَجَلَىٰ. [البصائر لمكرى التوسل بابل المقابر: ۱۵]

”اس سے معلوم ہوا کہ ضرر دفع کرنے اور حصول نفع کے لیے مخلوق سے استعانت جائز ہے یہ الگ بات ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی شان اس سے اعلیٰ اور ارفع ہے [کہ وہ غیر اللہ سے استعانت کریں]۔“

لیکن ہم قطعاً یہ تسلیم نہیں کرتے کہ فَاَنَسَهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ میں ضامراً کا تعلق سیدنا یوسف علیہ السلام سے ہو بلکہ ہمارے نزدیک ذِكْرَ رَبِّهِ میں اضافت کی نوعیت بالکل وہی ہے جو مَكْرُ الْكَيْلِ وَالْفَهَارِ وغیرہ میں ہے، یعنی جیل سے چھوٹنے والا غلام اپنے آقا یعنی بادشاہ کے سامنے سیدنا یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھول گیا اس بھول جانے کو شیطان کی طرف منسوب فرمایا ہے اس لیے کہ کسی نیکی کے کام سے غافل کرنا شیطان ہی کا کام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تدابیر و وسائل کو اختیار کرنا تو انسان کے فرائض میں سے ہے لیکن ان تدابیر و وسائل کا بروئے کار آنا اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اُس کی حکمت پر منحصر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ ابھی سیدنا یوسف علیہ السلام کچھ سال اور جیل ہی میں گزاریں۔ چنانچہ یہ بات یوں پوری ہو گئی کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا جیل سے چھوٹنے والا ساتھی جیل سے باہر آ کر بالکل یاد نہ رکھ سکا کہ زندان کے ساتھی نے اُس سے کیا بات کہی تھی۔ اس تفسیر کو اختیار کرنے کے دو وجوہ ہیں:

پہلی وجہ یہ کہ ضمیر کا تعلق نزدیک ترین اسم کے ساتھ ہوتا ہے اور یہاں نزدیک ترین اسم ناکچ ہے اور سیدنا یوسف علیہ السلام کا نام دور دور پڑتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سیاق میں آگے آیت: ۲۵ میں مذکور ہے کہ:

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ.

”اور دو [قیدیوں] میں جس کو رہائی مل گئی تھی وہ بولا اور ایک مدت کے بعد اے یاد آ یا۔“ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ^(۱) لکھتے ہیں: ”آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو اپنے برگزیدہ پیغمبروں کے لیے ہر جائز کوشش بھی پسند نہیں، کہ کسی انسان کو اپنی خلاصی کا ذریعہ بنائیں، ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہونا ہی انبیاء کا اصلی مقام ہے شاید اسی لیے یہ قیدی یوسف علیہ السلام کے اس کہنے کو بھول گیا اور ان کو مزید کی سال جیل میں رہنا پڑا۔ ایک حدیث میں بھی رسول کریم ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔“ [معارف القرآن ۵: ۵۹]

مفتی صاحب نے اس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جس میں مذکور ہے کہ: رحمہ اللہ یوسف ؑ لولا الكلمة التي قالها: اذ كُرِنِي عِنْدَ رَبِّكَ مَا لَبِثُ فِي السِّجْنِ طُولَ مَالَبِثٍ. [تفسیر طبری ۷: ۲۲۱، نص: ۱۹۳۱۹، موارد الظمآن: ۳۳۲، حدیث: ۱۷۴۷، صحیح ابن حبان ۸: ۲۹، حدیث: ۲۱۷۳، متدرک ۲: ۳۲۶]

”یوسف علیہ السلام پر اللہ رحم کرے اگر وہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں پر رہائی کی امید نہ رکھتے تو اتنی لمبی مدت قید میں نہ ٹھہرتے۔“

لیکن جس روایت سے مفتی صاحب نے اس مسئلے کا استنباط فرمایا ہے اس کے بارے میں حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ضَعِيفٌ جَدًّا، یعنی شدید ضعیف ہے۔ [تفسیر ابن کثیر ۲: ۱۲۱]

اور اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: اِنَّهٗ حَدِیْثٌ مُنْكَرٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، و محمد بن عمرو بن علقمة

(۱) محمد شفیع بن مولا تاج محمد یاسین ۱۳۱۴ھ = ۱۸۹۷ء کو دیوبند ضلع سہارنپور [انڈیا] میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور چچا سے حاصل کی۔ ۱۳۳۵ء کو بیس سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں علوم کی تکمیل کی۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے باطنی تعلق تھا۔ بعد ازاں ۱۳۳۷ھ میں مولانا تھانوی سے بیعت ہوئے اور ان کے علمی جانشین اور خلیفہ مجاز ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہوئے۔ دارالعلوم کی خدمت میں مشغول رہے۔ دارالعلوم کورنگی کراچی کی داغ بیل ڈالی۔ ۶۲ علمی کتابیں تصنیف کیں۔ دس شوال ۱۳۹۶ھ = ۱۹۷۶ء کو علم و عمل کا یہ سورج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔

[البلاغ کا مفتی اعظم نمبر: ۹۵، ۳۳۴، شاہ کار اسلامی انسائیکلو پیڈیا: ۲: ۱۲۳۶] لہ اشیاء

ینفرد بها و فیها نکارۃ و هذه اللفظة من أنكرها وأشدّها. [البدایة والنہایہ: ۲۱۶]

”یہ روایت منکر ہے اور محمد بن عمرو بن علقمہ کئی منکر روایات میں منفرد ہے اور اس کی یہ روایت شدید منکر ہے اور اس بارے میں صحیحین میں جو کچھ ہے وہ اس کی تغلیط پر گواہ ہے۔“

امام جوزجانی لکھتے ہیں: محمد بن عمرو بن علقمہ حدیث کے باب میں قوی نہیں۔

[احوال الرجال: ۱۴۱ ترجمہ: ۲۳۴]

امام حاکم کی سند میں خفیف راوی ہے جس کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے: امام احمد اور دیگر محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [تخفیف المسند رک ۲: ۳۴۶]

پھر عکرمہ نے اپنے استاذ کا نام بھی نہیں لیا کہ کون تھے اس لیے یہ منقطع بھی ہوئی۔

عکرمہ کی متصل مرفوع روایت بھی تفسیر طبری [۲: ۲۱۷ فقرہ: ۱۹۳۲۲] میں موجود ہے لیکن اس کا راوی ابراہیم بن یزید الخوزی الہکمی ابواسامعیل متروک الحدیث ہے۔

[تقریب التہذیب: ۱۳۳ ترجمہ: ۲۷۲]

[۲] اور مولانا حمد اللہ صاحب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب انہیں آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو: جاءه جبرئیل علیہ السلام فقال له: ألك حاجة؟ فقال إبراهيم علي نبينا وعليه الصلاة والسلام: أمّا إليك فلا، فقال: أذكره عند ربك، فقال: علمه بخالي يُعني مني سؤالي. [البصائر المنكرى التوسل بابل المقابر: ۱۶]

”سیدنا جبرئیل علیہ السلام اُن کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا آپ کی کوئی حاجت ہے [جسے پورا کیا جائے] انہوں نے فرمایا: میری کوئی حاجت آپ سے متعلق نہیں اس پر انہوں نے فرمایا: مجھے بتا دیجئے کہ آپ کے رب کے سامنے آپ کی حاجت پیش کروں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: انہیں میری حالت اچھی طرح معلوم ہے جو مجھے اُس سے سوال کرنے سے مستغنی کر دیتا ہے۔“

مولانا صاحب کی پیش کردہ روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں:

حَسْبِي مِنْ سُؤَالِي عِلْمُهُ بِخَالِي.

[معالم التنزيل ۳: ۲۱۱ زاد المسیر ۳: ۲۰۰ روح المعانی ۱۷-۱۸: ۹۰ تفسیر سورۃ الانبیاء ۲۱: ۶۸]

”مجھے سوال کی کیا ضرورت ہے میری حالت کا اس کو علم ہے میرے لیے یہی کافی ہے۔“

[تفسیر مظہری اُردو ۷: ۲۸۵، تفسیر مواہب الرحمن ۱: ۴۹]

حافظ ابن تیمیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ باطل کلام ہے۔ [مجموع الفتاویٰ ۸: ۲۶۱]

مطلب یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قطعاً یوں نہیں فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات طلب کرنا افضل عبادت ہے بلکہ دعاء تو عین عبادت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ. [سنن ابی داؤد، حدیث: ۱۳۷۹، سنن ترمذی، احادیث: ۳۳۷۲، ۳۳۷۳]

”دعاء [اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرنا] عبادت ہے۔“

اور حدیث میں ہے کہ: مَنْ لَا يَدْعُو اللَّهَ يَغْضَبُ عَلَيْهِ. [متدرک ۱: ۴۹۱]

”جو کوئی اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔“

خود سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ایک جامع دعاء سورۃ ابراہیم ۱۲: ۳۷-۴۱ میں موجود ہے نیز ارشادِ ربانی ہے: وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دُخْرِينَ. [سورۃ المؤمن ۴۰: ۶۰]

”تمہارے پروردگار نے کہا ہے: مجھے ہی پکارو میں تمہاری درخواست قبول کر دوں گا بے شک جو

لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ بہت جلد جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔“

یہ ممکن ہی نہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی پیش نہ فرمائیں۔

رہی مولانا صاحب کی یہ بات کہ: ”شرک فی الاستعانت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد

طلب کرے۔ اب اگر اس کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ شخص مستقل طور پر امداد کرتا ہے یا وہ امداد کا خالق ہے

تو ایسا کرنا تو شرک ہے اور اگر اُس کو مستقل بالذات اور امداد کا خالق نہ جانے تو پھر ایسا کرنا شرک

نہیں ہے۔“

سویا دیکھنا چاہئے کہ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو مستقل بالذات سمجھ کر نہ تو اُن سے مدد مانگا کرتے

تھے اور نہ اُن کی عبادت اس عقیدہ کی بنیاد پر کرتے تھے وہ کسی کو مستقل بالذات با اختیار نہیں

سمجھتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے: وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ

هُوَ الَّذِي شَفَعْنَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ - [سورۃ یونس: ۱۸۰]

”اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوالیوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ اُن کا کچھ بگاڑ ہی سکتے ہیں اور نہ کچھ بھلا ہی کر سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔“
اس آیت کریمہ کے تناظر میں دیکھا جائے تو مولانا صاحب کی پیش کردہ بات نہایت بھونڈی اور بے وقعت لگتی ہے اس لیے کہ نص قطعی کے صریح خلاف اور متضادم ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک صحیح حدیث میں ہے: كَانَ الْمَشْرِكُونَ يَقُولُونَ: لَيْبِكَ لَا شَرِيكَ لَكَ قَالَ: فَيَقُولُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: وَيَلْغُمُ قَدْفَةً فَيَقُولُونَ: إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ يَقُولُونَ هَذَا وَهُمْ يَطُوفُونَ بِالْبَيْتِ.

[صحیح مسلم، کتاب الحج [۱۵] باب التلبیۃ ووقعها [۳] حدیث ۲۲- [۱۱۸۵]

”مشرکین عرب کعبہ مشرفہ کا طواف کرتے وقت یہ تلبیہ پڑھا کرتے تھے: لَيْبِكَ لَا شَرِيكَ لَكَ ہم حاضر ہیں تیرا ذاتی اور مستقل طور پر کوئی شریک نہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ انہیں فرماتے: بس اتنا ہی کافی ہے بد بختو! مشرکین اس کے بعد یہ جملہ بھی کہا کرتے تھے: مگر وہ شریک [جس کو تو نے اختیارات دے رکھے ہیں] وہ تیرا [ہی مقرر کردہ] ہے تو اُس کا مالک ہے اور وہ [کسی چیز کا] مالک نہیں۔“

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین لَا شَرِيكَ لَكَ کہہ کر ذاتی اور مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کے شریک کی نفی کیا کرتے تھے اور الْأَشْرِيكَا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ سے جو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے تھے تو ساتھ ہی اس کی تصریح کرتے تھے کہ وہ تیرا ہی ہے اور خود وہ کسی چیز کا ذاتی اور مستقل طور پر مالک نہیں بلکہ تو ہی اُس کا مالک ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین جس کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے تھے تو اُس کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں بے بس سمجھتے تھے۔

محدث ہند شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: وَمِنْهُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَسْتَعِينُونَ بِغَيْرِ اللَّهِ فِي حَوَائِجِهِمْ مِنْ شِفَاءِ الْمَرِيضِ وَغِنَاءِ الْفَقِيرِ وَيَنْذِرُونَ لَهُمْ يَتَوَقَّعُونَ إِنْجَاحَ مَقَاصِدِهِمْ بِتِلْكَ النُّذُورِ وَ يَتْلُونَ أَسْمَاءَهُمْ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا فَأَوْجَبَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِمْ أَنْ يَقُولُوا فِي صَلَاتِهِمْ: إِيَّاكَ نَعْبُدُ

وَأَيَّاكَ نَسْتَعِينُ وَقَالَ اللَّهُ: فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا وَلَيْسَ الْمُرَادُ مِنَ الدُّعَاءِ الْعِبَادَةُ، كَمَا قَالَ بَعْضُ الْمَفْسَرِينَ، بَلْ هُوَ الْإِسْتِعَانَةُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ.

[حجۃ اللہ البالغہ: ۶۲:۱، باب أقسام الشکر]

”شُرک کی قسموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگ بیمار کی شفاء اور فقیر کی غناء وغیرہ اپنی حاجتوں میں غیر اللہ سے استعانت کرتے اور اُن کے ناموں کی نذریں دیا کرتے تھے تاکہ اُن کو اپنے مقاصد میں ان نذروں کی وجہ سے کامیابی حاصل ہو اور تحصیل برکت کے لیے ان ناموں کو پڑھتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے اُن [مسلمانوں] پر یہ واجب کر دیا کہ اپنی نماز میں یہ پڑھا کریں کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: سو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔ اور دعاء سے اس جگہ مراد عبادت نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے بلکہ اس دعاء سے استعانت مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”بلکہ تم اُسی کو پکارتے ہو سو وہ تمہاری تکالیف کو دور کرتا ہے۔“

شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ: إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّيِّدُ وَهُوَ الْمَدِيرُ لَكِنَّا قَدْ يَخْلَعُ عَلَى بَعْضِ عَبِيدِهِ لِبَاسَ الشَّرَفِ وَالتَّأَلُّهِ وَيَجْعَلُهُ مُتَصَرِّفًا فِي بَعْضِ الْأُمُورِ الْخَاصَّةِ وَيَقْبَلُ شَفَاعَتَهُ فِي عِبَادِهِ بِمَنْزِلَةِ مَلِكِ الْمُلُوكِ يَبْعَثُ عَلَى كُلِّ قِطْرٍ وَيُقَلِّدُهُ تَدْبِيرَ تِلْكَ الْمَمْلَكَةِ فِيمَا عَدَا الْأُمُورَ الْعِظَامَ فَيَتَلَحَّجُّ لِسَانَهُ أَنْ يُسَمِّيَهُمْ عِبَادَ اللَّهِ فَيُسَوِّيَهُمْ وَغَيْرَهُمْ فَعَدَلَ عَنْ ذَلِكَ إِلَى تَسْمِيَّتِهِمْ أَبْنَاءَ اللَّهِ وَمُحِبِّوِي اللَّهِ وَسَمَى نَفْسَهُ عَبْدَ الْأَوَّلِ كَعَبْدِ الْمَسِيحِ وَعَبْدِ الْعَزَى وَهَذَا مَرَضُ جُمْهُورِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَالْمَشْرُكِينَ وَبَعْضُ الْغَلَاةِ مِنْ مُنَافِقِي دِينِ مُحَمَّدٍ ﷺ يَوْمِنَا هَذَا. [حجۃ اللہ البالغہ: ۶۱:۱، باب فی بیان حقیتۃ الشکر].

”آقا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی مدبر ہے لیکن وہ کبھی اپنے بندوں کو بزرگی اور اُلُوہیت کا لباس پہنا دیتا ہے اور اُن کو بعض خاص کاموں میں تصرف کرنے کا حق دے دیتا ہے اور اُن کی اپنے بندوں کے حق میں شفاعت قبول کر لیتا ہے جیسے شاہانِ بڑے کاموں کے علاوہ خاص خاص صوبوں میں اپنے نائب مقرر کرتا ہے اور اُن خاص صوبوں کے کچھ اختیارات اُن کے سپرد کر دیتا

ہے پھر ان لوگوں کی زبان اس سے لڑکھڑاتی ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے بندے کہیں کہ وہ دوسروں کے برابر شمار ہوں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے بیٹوں اور اُس کے چہیتوں جیسے ناموں سے نوازتے ہیں اور خود کو اُن لوگوں کے بندے قرار دیتے ہیں جیسے عبدالمسح اور عبدالحزی وغیرہ یہ بیش تر یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا مرض ہے اور ہمارے اس دور میں رسول اللہ ﷺ کے دین کا نام لینے والے بعض انتہائی درجہ کے منافقوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔“



اثبات سماع موتی

[مردوں کے سننے کے اثبات میں]

مولانا محمد اللہ صاحب اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

سماع موتی بہت سے دلائل سے ثابت ہے، جن میں سے ہم بقدر ضرورت نقل کرتے ہیں۔

حدیث قلیب بدر

حدیث قلیب بدر جو صحاح میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتولین قریش کو نام بنام پکار کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا وہ تو پورا ہوا تو کیا تم سے کیا گیا وعدہ پورا ہوا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ! أنکلم أجساداً بلا أرواح؟ فقال ﷺ: والذي نفسي بيده ما أنتم بأسمع من هؤلاء ولكن لا يحيون.

[البصائر المنكرى التوسل بابل المقابر: ۱۶ مقصد اول: اثبات سماع موتی]

”یا رسول اللہ ﷺ! آپ بغیر روحوں کے اجساد سے گفتگو کرتے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم ان کے مقابلہ میں زیادہ نہیں سنتے لیکن یہ جواب نہیں دیتے۔“

مولانا صاحب اس حدیث کو پیش کر کے لکھتے ہیں کہ: فهذا الحديث دليل واضح على أن الموتى يسمعون ولكن لا يحيون بل سماعهم أشد من سماع الأحياء.

[البصائر المنكرى التوسل بابل المقابر: ۱۶-۱۷]

”یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مردے سنتے ہیں، لیکن وہ جواب نہیں دیتے، بلکہ اُن کے سننے کی قوت زندوں کی بنسبت زیادہ ہے۔“

مولانا صاحب نے حدیث تو صحیح پیش فرمائی، لیکن اُس سے عام سماع موتی کا جو استدلال کیا وہ محل نظر ہے اس لیے کہ یہ معجزہ اور رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے، یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے

بلکہ امام ابن ہمام حنفی شارح ہدایہ (۱) اور امام ابوالاخلاص حسن بن عمار شربلہالی مصری حنفی (۲) لکھتے ہیں کہ: وعندي أن مبنی ارتکاب هذا المجازها هنا عند أكثر مشائخنا هو أن الميت لا يسمع عندهم وأورد عليه قوله عليه السلام في أهل القلب: ما أنتم بأسمع منهم، وأجابوا بأن تلك خصوصية له عليه السلام معجزة. [فتح القدير ۱۰۴ کتاب الجنائز، امداد الفتاح شرح نور الایضاح: ۶۰۴]

”ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک مردے نہیں سنتے اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے بدر کے مردوں سے ہم کلامی فرمائی؟ اس اعتراض کا جواب فقہائے احناف نے یہ دیا ہے کہ بدر کے مردوں سے کلام کرنا رسول اللہ ﷺ کا معجزہ اور ان کی خصوصیت تھی۔“

شیخ الطائفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (۳) کی املائی کتاب میں ہے کہ:

وما قال المبتوتون: أن خطاب النبي ﷺ لأهل بدرٍ على رأس القلب ينادي على ثبوت السماع أعلى نداء، فأجاب عنه المنكرون بعضهم من أنه من خصوصياته ﷺ بكفار بدرٍ، ردَّ الله سبحانه أرواحهم في أجسامهم ليسمعوا خطاباً..... وقال بعضهم: إنما خاطبهم النبي ﷺ ليغيب بذلك المشركون من قريش، ومعنى قوله ﷺ لعمر ﷺ: ما أنتم

(۱) محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید بن سعود سیواسی اسکندری کمال الدین حنفی فقیہ اور عالم تھے۔ اصول تفسیر، فرائض فقہ، صاب لغت، موسیقی اور منطق کے ماہر عالم تھے۔ ۵۷۹۰ھ = ۱۳۸۸ء کو اسکندریہ میں پیدا ہوئے۔ قاہرہ میں پرورش ہوئی۔ حلب میں کافی عرصہ تک رہے ہیں۔ ۸۶۱ھ = ۱۴۵۷ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔ [الضوء الملمع ۸: ۱۰۸، ترجمہ: ۱۳۳۱ء، اعلام: ۶: ۲۵۵]

(۲) حسن بن عمار بن علی شربلہالی، مصری، منوفیہ [مصر] کے شہری بلوہ میں ۹۹۳ھ = ۱۵۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں اپنے والد کی معیت میں وہاں سے قاہرہ آئے جہاں علم حاصل کیا۔ جامعہ اہر میں درس دیتے رہے ہیں۔ ان گنت مفید کتابیں لکھیں۔ ۱۰۶۹ھ = ۱۶۵۹ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔

[خلاصۃ الاثر ۲: ۳۸، اعلام: ۲: ۲۰۸]

(۳) مولانا رشید احمد گنگوہی ۶ ذوالقعدہ ۱۲۳۳ھ = ۱۸۲۹ء کو گنگوہ [انڈیا] میں پیدا ہوئے۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ ان کے والد وفات پا گئے ان کے دادا نے ان کی تربیت کی۔ شاہ عبدالغنی کے شاگرد رہے ہیں حاجی امداد اللہ مہاجر کی سے بیعت کی اور خلافت سے نوازے گئے۔ ۹ یا ۱۰ جمادی الثانیہ ۱۳۳۳ھ = ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء کو وفات پائی۔ [میں بڑے مسلمان: ۱۳۵-۲۲۵]

بأسمع منهم أي : بأعلم منهم ، فسرته بذلك عائشة رضي الله عنها ، فلا يكون دليلاً للسمع ، فالظاهر أنكار السماع ، وهو الأصح عندنا . [الكوكب الدرر ۱: ۳۱۹]

”سماع موتی کے متبعین کہتے ہیں کہ قلیب بدر والوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا خطاب کرنا مردوں کے سننے پر واضح دلیل ہے۔ مگر میں سماع موتی میں سے بعض نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے خصوصیات میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ارواح اُن کے اجساد کی طرف لوٹا دیے تاکہ آپ ﷺ کی بات سن سکیں..... اور بعض نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو غصہ دلانے کے لیے قلیب بدر والوں سے خطاب فرمایا۔ ربی رسول اللہ ﷺ کی سیدنا عمرؓ سے کہی ہوئی بات کہ میں ان سے جو گفتگو کر رہا ہوں اُس کو یہ تم سے زیادہ سنتے ہیں، سو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس کو تم سے زیادہ سمجھتے ہیں [اس لیے کہ انہوں نے عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا] سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی یہی تفسیر کی ہے [کہ سماع مراد یہاں علم ہے] پس یہ روایت سماع موتی کی دلیل نہیں بن سکتی، بہر حال ظاہر بات سماع موتی کا انکار ہے اور یہ ہمارے [علماء دیوبند اور علماء احناف] نزدیک سب سے زیادہ صحیح ہے۔“

ان فقہاء کا اس کو معجزہ اور خصوصیت نبی اکرم ﷺ کہنا بے دلیل نہیں ہے اس لیے کہ حدیث میں وارد ہے کہ: وقفَ النبي ﷺ على قَلِيبٍ بدرٍ فقال: هل وجدتم ما وعد ربكم حقاً؟ ثم قال: إنهم الآن يسمعون ما أقول. [صحیح بخاری، کتاب المغازی ۶۳] باب قتل ابی جہل [۸] حدیث: ۳۹۸۱

”رسول اللہ ﷺ قلیب بدر پر کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا، تم نے اُس کو سچا پایا؟ پھر [کچھ صحابہ کرام ﷺ کے سوال کے بعد] فرمایا: تھینا یہ [بدر کے مقتول مشرک جو اس کنوئیں میں پھینکے ہوئے پڑے ہیں] خاص اس وقت میں [جب میں اُن سے گفتگو کر رہا ہوں] میری خاص [یہ بات] سن رہے ہیں جو میں ان سے کہہ رہا ہوں۔“

رسول اللہ ﷺ نے اس فصیح و بلیغ اور نہایت مختصر عبارت میں چار طرح کی تخصیصی کلمات ارشاد فرمائے ہیں۔ [۱] اِنَّهُمْ [۲] الْآنَ [۳] يَسْمَعُونَ [۴] مَا اَقُولُ لَهُمْ۔

[۱] اِنَّهُمْ: ہُمْ ضمیر اہل بدر کی طرف راجع ہے، کیونکہ پہلے اُن کا ذکر ہے۔ عام مردوں کا کوئی ذکر

نہیں اور ضمیر غائب اُسی کی طرف راجع ہوتی ہے جس کا پہلے ذکر ہوا اس لیے ہُم ضمیر سے مراد بالخصوص بدر کے مشرک مقتول ہیں اور بس۔

[۲] اَلَاۤن: یہ خصوصیت وقتی کے لیے موضوع ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ خاص اس وقت جو گفتگو میں کر رہا ہوں صرف یہی میری گفتگو یہ قلب بدر کے مشرکین سن رہے ہیں۔

[۳] يَسْمَعُوْنَ: مضارع مثبت کا صیغہ ہے جسے واضح نے زمانہ حال کے لیے وضع کیا ہے جیسے شہادتین میں: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس کے یہ معنی نہیں کہ شہادت دوں گا بلکہ یہ معنی ہے کہ میں شہادت دیتا ہوں اور دے رہا ہوں اور اگر بالفرض مضارع کو زمانہ حال و استقبال کے مابین مشترک مانیں تو چونکہ عموم المشترك ناجائز ہے اس لیے ایک ہی معنی لے سکتے ہیں۔ اگر متکلم ایک معنی کی تعیین کر دے تو یقیناً وہی معنی مراد ہوگا اور دوسرے معنی مراد نہیں لے جاسکتے۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنی معصوم زبان مبارک سے اَلَاۤن کا لفظ بول کر يَسْمَعُوْنَ مضارع کے حال والے معنی کو متعین فرمایا اور استقبال والے معنی کی نفی فرمادی یعنی اب تو سن رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ آئندہ جو بات میں ان سے کروں گا وہ بھی ضرور سنا کریں گے۔ پس اس حدیث کے اس لفظ کے رو سے آئندہ زمانہ کی نسبت سننے کا کچھ ثبوت نہیں ملتا خواہ یہی قلب بدر والے مقتول مشرک ہی کیوں نہ ہوں جن کے بارے میں اس وقت سننا ثابت کیا جا رہا ہے۔ پھر دوسرے قبروں والوں کا سننا تو کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔

نیز يَسْمَعُوْنَ قضیہ شخصہ ہے اور اہل منطق کے نزدیک قضیہ شخصہ انہیں کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے جن پر حکم لگتا ہے۔ دوسرے اس حکم کے تحت نہیں آتے بلکہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتے ہیں یہاں بھی یہی قاعدہ لاگو ہوگا یعنی صرف قلب بدر والے مردہ مشرکین نے وہ باتیں سن لیں اس میں دوسرے مردوں کے متعلق نہ سننے کا اثبات ہے اور نہ نفی اس لیے اس حکم کے حاصل کرنے کے لیے کوئی دوسری دلیل تلاش کرنی ہوگی۔

[۴] يَسْمَعُوْنَ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی معصوم اور فصیح و بلیغ زبان مبارک نے یہ عبارت فرمائی: مَا اَقُوْلُ لَكُمْ اور صرف يَسْمَعُوْنَ فرمانے پر اکتفا نہیں کیا حالانکہ کسی فصیح و بلیغ شخص کے ہر لفظ میں کئی کئی نکتے ہوتے ہیں پھر فصیح العرب اور صاحب جوامع الکلم ﷺ کس طرح بغیر نکتے کے

بات کریں گے؟ اگر یَسْمَعُونَ پر اکتفا کرتے تو چونکہ مفعول کا ترکِ ذکر عموم پر دلالت کرتا ہے اس لیے یہ ثابت ہوتا کہ قلبِ بدر کے مقتول مشرک سب کی بات سنتے ہیں، لیکن مَا أَقُولُ لَهُمْ کا اضافہ فرما کر تخصیص فرمادی، تو حدیث شریف کا مطلب یہ نکلا کہ صرف ان کافروں سے [ان کی زبردستی کے لیے] اس خاص وقت میں جو کچھ صرف میں ان سے کہہ رہا ہوں، صرف یہی میری بات سن رہے ہیں۔

چونکہ اس حدیث میں تعیم کا کوئی ایک لفظ بھی موجود نہیں ہے اس لیے جہان بھر کے مُردوں کے لیے ہر زیارت کرنے والے کی ہر بات سننا، جس وقت بھی زیارت کرنے والا آئے اور میت سے گفتگو کرے اس حدیث سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا، جب سننا ثابت نہیں تو جواب دینا کیسے ثابت ہوگا، جب کہ زیر بحث حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے تصریح فرمادی ہے کہ وَلَٰكِنْ لَا يُحْيَوْنَ کہ یہ سننے والے بھی جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے اور وہ بھی صاحبِ معجزہ نبی ﷺ کو پھر جو سرے سے سنتے ہی نہیں بھلا اُن سے جواب دینے کی کیا توقع رکھی جاسکتی ہے، جب کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر کلام کرنے والے روحانی طاقتِ نبوت بھی نہ رکھتے ہوں؟

یہ صرف ہماری رائے نہیں ہے بلکہ مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی^(۱) نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ:

”اس بارہ میں بندہ نے وہی لکھا ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا جب اُن سے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل قلب کے بارہ میں فرمایا ہے: ما أنتم بأسمع منهم، کہ تم اموات سے زیادہ سننے والے نہیں ہو تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ما أنتم بأعلم منهم یعنی یہ کہ تم اُن سے زیادہ نہیں جانتے، غرض یہ کہ علم و ادراک نہیں ہو سکتا۔

(۱) عزیز الرحمن بن مولانا فضل الرحمن - ۱۲۷۵ھ کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد اپنے زمانہ کے عالم و فاضل اُردو ادب کے ماہر اور ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں علم حاصل کیا۔ ۱۲۹۸ھ کو علوم و فنون کی تحصیل سے فراغت ہوئی۔ ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم دیوبند میں بلا تنخواہ مدرس مقرر ہوئے۔ ۳۶ سال تک دارالعلوم دیوبند کے مفتی رہے۔ ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ کو وفات پا گئے۔ [اکابر علماء دیوبند: ۵۳-۵۹]

بہروں کو علم و ادراک ہوتا ہے اور سماع نہیں ہوتا۔ پس ان قصوں میں نہ پڑیں اور اس کو کسی عالم سے سمجھ لیں اور یہ مسئلہ جان لیں کہ قرآن مجید میں سماع موتی کا انکار کیا گیا ہے لہذا حدیث شریف میں تاویل کرنا مناسب ہے۔“ [فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل و مدلل ۵: ۳۱۳-۳۱۴ سوال: ۳۲۰۰]

شیخ الطائفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ لکھتے ہیں:

”الجواب: مسئلہ سماع موتی قرن اول میں مختلف فیہ ہوا ہے اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں مگر بتقلید اپنے مجتہد مقلد کوئی ترجیح کی جانب اگر میلان کرے تو مضائقہ نہیں، سو مسلک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مثل طریقہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہ ہے کہ آیت قطعی کو اپنی حالت میں رکھ کر اور معنی حقیقی پر حمل کر کے کہ اصل موضوع لہ ہے۔ حدیث میں کہ شرح قرآن ہے۔ تاویل مناسب ہے جب تک قطعی معنی حدیث پر حاصل نہ ہو جائے چنانچہ اصول میں مبرہن ہے پس آیت إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى قطعی خاص اور احادیث و سماع ظنی۔ اخبار آحاد سے تخصیص کس طرح درست ہو سکتی ہے؟ پھر اس آیت میں استعارہ ہے کہ کفار کو اموات سے تشبیہ دیا ہے اور مستعار منہ میں معنی وجہ شبہ کی حقیقتاً ہوتی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ میت اور اصرام میں صلاح ساعت نہیں لہذا معنی عدم اجابت کی جو مجاز ہے مشبہ بہ میں لینا کیسے درست ہوگا البتہ مشبہ میں یہی مراد ہے لہذا حسب قاعدہ مرجح جانب عدم سماع ہے۔..... الخاصل ارجح مذہب عدم سماع کا ہے حسب قواعد پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے۔“ [لطائف رشیدیہ: ۱۱-۱۲ ضمن تالیفات رشیدیہ: ۶۷۶-۶۷۷]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سماع موتی سے انکار

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سماع موتی [مردوں کے سننے] سے انکار کرتی ہیں ان کا انکار صرف قیاس و عقل پر مبنی نہیں بلکہ وہ اس دعویٰ پر اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى [سورۃ النمل ۸۰: ۲۷] اور فَانْكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى [سورۃ الروم ۵۲: ۳۰] سے استدلال کرتی ہیں اور قلب بدر والی روایت مَا أَنْتُمْ بِأَسْمِعَ مِنْهُمْ کی انہوں نے یوں تاویل کی ہے کہ:

إِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّهُمْ لَيَعْلَمُونَ الْآنَ أَنْ مَا كُنْتُ أَقُولُ حَقٌّ وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى. [صحیح بخاری کتاب المغازی ۶۳] باب قتل ابی جہل [۸] احادیث: ۳۹۷۹-۳۹۸۰]

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ اب جان لیں گے کہ جو میں کہتا تھا وہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تو مَر دوں کو نہیں سنا سکتا۔“

اس استدلال کے جواب میں مولانا محمد اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ:

وَأَمَّا إِنْكَارُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَإِنَّمَا هُوَ لِأَجْلِ تَمَسُّكِهَا بِظَاهِرِ قَوْلِهِ تَعَالَى: إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى، وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ. [البصائر: ۵۶، مطبوعہ پشاور ۵۱۶، مطبوعہ ترکی] 5

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اِنَّا لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے سماع موتی [مردوں کے سننے] سے انکار کیا ہے۔“

ایک جگہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لے کر لکھا ہے: هَذَا التَّأْوِيلُ جَدِيرٌ بِأَنْ يَضْحَكَ بِهِ.

[البصائر مطبوعہ پشاور: ۶۸، مطبوعہ ترکی: ۵۷]

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ تاویل [کہ مردے سنتے نہیں بلکہ عذاب کو محسوس کرتے ہیں] اس لائق ہے کہ اس کا مذاق اڑایا جائے۔“

جی جناب! شریف بچے اپنی ماں کا مذاق اڑاتے ہیں اور شریف بچے اپنی ماں کا ارشاد سرائے آنکھوں پر رکھتے ہیں۔

مولانا صاحب یہ بھی لکھتے ہیں: وَبِالْحِمْلَةِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنْكَرَتْ سَمَاعَ الْمَوْتَى مَتَمَسِّكَةً بِهَاتَيْنِ الْآيَتَيْنِ وَلَكِنَّ الْعُلَمَاءَ أَجَابُوا عَنْ قَوْلِهَا.

[البصائر مطبوعہ پشاور: ۲۰، مطبوعہ ترکی: ۱۹]

”بے شک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دو آیتوں سے استدلال کرتے ہوئے سماع موتی کا انکار کیا ہے لیکن علماء نے ان کے قول کے جواب دیے ہیں۔“

سوال یہ ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا کا وہ قول جس کا ماخذ قرآن مجید ہے قابل تردید ہے یا قابل تقلید؟ اس سے بڑی گستاخی کیا ہو سکتی ہے کہ ام المؤمنین کے اس قول کو رد کیا جائے جس میں وہ نص قطعی سے ثبوت پیش کرتی ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی علمی حیثیت معلوم کرنے کے لیے سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ (۱) کی یہ شہادت کافی ہے کہ: ما أشكل علينا أصحاب رسول الله ﷺ حديثاً قط فسألنا عائشة إلا وجدنا عندها منه علماً۔ [سنن ترمذی، کتاب المناقب، [۵۰] باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا، [۶۳] حدیث: ۳۸۸۳]

”ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان سے اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ملی ہوں۔“
ابن شہاب زہری ؒ (۲) کی شہادت ہے کہ: لو جمع علم عائشة إلى علم جميع أمهات المؤمنين وعلم جميع النساء فكان علم عائشة أفضل وأكثر۔

[متدرک ۱۱: ۴، تہذیب الکمال ۳۵: ۳۵، الاصابۃ ۴: ۳۶۰، واللفظ لہ]

”اگر امہات المؤمنین اور دوسری تمام عورتوں کا علم جمع کیا جائے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم سے اس کا موازنہ کیا جائے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم وسیع تر ہوگا۔“

عروۃ بن زبیر کا قول ہے: ما رأيت أحداً من الناس أعلم بالقرآن ولا بفريضة ولا بحلال ولا بحرام ولا بشعر ولا بطب ولا بحديث العرب ولا نسب من عائشة رضي الله عنها۔
[متدرک ۱۱: ۴، الصفوة ۲: ۳۲]

”میں نے لوگوں میں قرآن، فرائض، حلال و حرام، شاعری، طب، تاریخ عرب اور نسب کا سیدہ

(۱) عبداللہ بن قیس بن سلیم بن ہشام، قطان قبیلہ کی شاخ بنو اشعر سے تعلق رکھتے تھے۔ ۲۱۲ھ قبل ہجری کو زبید [یمین] میں پیدا ہوئے۔ ظہور اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ حبشہ ہجرت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں زبید عدن اور ساحل یمین کا عامل مقرر کیا تھا۔ سیدنا عمر ؓ نے انہیں ۱۷ ہجری کو کوفہ و بصرہ کا والی مقرر کیا۔ اصحابان اور اہواز آپ نے فتح کیے ہیں۔ ۴۴ھ = ۶۶۵ء کو مکہ میں وفات پائی۔ آپ سے ۳۵۵ احادیث روایت کی گئی ہیں۔ [الاصابۃ ۲: ۳۵۹، الاعلام ۴: ۱۱۳]

(۲) محمد بن مسلم بن عبداللہ بن شہاب زہری قریش کی شاخ بنو زہرہ بن کلاب سے تعلق تھا۔ ۵۱ھ = ۶۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ مدینہ منورہ میں پلے بڑھے۔ حافظ و فقیہ تابعی ہیں۔ ۱۲۳ھ = ۷۴۲ء کو حجاز اور فلسطین کے بارڈر پر وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۴: ۷۷، غایۃ النہایۃ ۲: ۲۶۲، الاعلام ۷: ۹۷]

عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا۔“

مشہور تابعی امام مسروق^(۱) سے پوچھا گیا: کیا عائشہ رضی اللہ عنہا علم فرائض [میراث] جانتی تھیں؟ انہوں نے فرمایا: ای، والذی نفسی بیدہ لقد رأیت مشیخة أصحاب محمد ﷺ والاکابر یستلونها عن الفرائض۔

[طبقات ابن سعد ۸: ۶۶، متدرک ۴: ۱۱، تہذیب الکمال ۳۵: ۲۳۴، صفحہ الصفوۃ ۳۳: ۲]

”ہاں، اللہ کی قسم! بڑے بڑے صحابہ ان سے میراث کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔“

عقائد کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ: والنصوص من الكتاب والسنة تحمل على ظواهرها ما لم یُصرَفَ عنها دَلِيلٌ قَطْعِيٌّ۔ [النبراس شرح شرح العقائد ۳۳۳]

”قرآن و سنت کے ظاہر پر عمل کیا جائے گا اور نصوص کو ظاہر پر محمول کیا جائے گا جب تک اس کے خلاف نص قطعی موجود نہ ہو۔“

اس کے برخلاف فرقہ باطنیہ - جو اسماعیلیہ فرقے کی ایک شاخ ہے - کا عقیدہ ہے کہ قرآن و حدیث کے ظاہری الفاظ کے باطنی معنی ہی مراد ہیں^(۲) اور مولانا صاحب اہل سنت و جماعت کا مدعی ہونے کے باوجود لکھتے ہیں کہ: لأن الأخذ بظواهر الكتاب والسنة من أصول الكفر۔

[البصائر لمكتري التوسل بالمل القابری: ۶۳، مطبوعہ پشاور ۵۲، مطبوعہ ترکی]

”قرآن و سنت کے ظاہر پر عمل کرنا اصول کفر میں سے ہے۔“

(۱) مسروق بن اجدع بن مالک ہمدانی، وادعی، ابو عائشہ، ثقہ اور جلیل القدر تابعی تھے۔ یمن کے باشندے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ منورہ تشریف لائے اس کے بعد کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ ۶۳ھ = ۶۸۳ء کو وفات پائی۔ [الطبقات الکبریٰ ۶: ۶، الاعلام ۷: ۲۱۵]

(۲) تفصیل کے لیے علامہ عبدالقادر بغدادی کی الفرق بین الفرق ۲۸۱-۳۱۳ دیکھئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنے موقف سے رجوع

مولانا محمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: و ذکر فی المواہب اللدنیۃ أنه ذکر فی مغازی محمد بن إسحاق بإسناد جید و ذکر الإمام أحمد أيضاً بإسناد حسن عن عائشة رضي الله عنها مثل حديث عمر رضی اللہ عنہ فعُلم من هذا رجوع عائشة رضي الله عنها إلى كلامهم لأن الرواية قد ثبتت عن الصحابة الكبار وعائشة رضي الله عنها ما حضرت تلك القضية.

[البصائر المنكري التوسل بابل القابري: ۲۰]

”مواہب اللدنیہ میں مذکور ہے کہ مغازی محمد بن اسحاق میں جید سند سے اور امام احمد نے بھی حسن سند کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرح روایت ذکر فرمایا ہے جس سے سیدہ عائشہ کا اپنے موقف سے رجوع ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ [ساع والی] روایت کبار صحابہ سے ثابت ہے نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس قضیہ میں حاضر بھی نہ تھیں (۱)۔“

(۱) شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں: ”بقول حافظ ابن حجر مؤیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا انکار ساع موقی سے رجوع کر کے جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہم نوا ہو گئیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے رجوع کی وہ صحیح روایت بھی تائید کرتی ہے جو ابی ملیکہ سے یوں مروی ہے کہ: قال: توفي عبد الرحمن بن أبي بكر رضی اللہ عنہ بالحُبَشِيِّ قال: فحمل إلى مكة فدفن فيها فلما قدمت عائشة رضي الله عنها أتت قبر عبد الرحمن بن أبي بكر رضی اللہ عنہ..... ثم قالت: واللّٰه لو حضرتك ما دفنت إلا حيث مت ولو شهدتك ما زرتك.

[ترمذی: ۱۲۵]

”عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما [مکہ مکرمہ کے قرب دس بارہ میل کے فاصلے پر] خُشی کے مقام پر وفات پا گئے اور اُن کو اٹھا کر مکہ مکرمہ لایا گیا اور وہاں اُن کو دفن کیا گیا جب سیدہ عائشہ [حج کے موقع پر] آئیں تو عبد الرحمن بن ابی بکر کی قبر پر بھی آئیں..... پھر فرمایا: اللہ کی قسم! اگر میں تیری وفات کے وقت حاضر ہوتی تو تو وہاں ہی دفن کیا جاتا جہاں تیری وفات ہوئی تھی اور اگر میں اُس وقت موجود ہوتی تو اب تیری قبر کی زیارت کے لیے نہ آتی۔“

ظاہر بات ہے کہ اگر یہ شخص تحسّر اور افسوس کے طور پر خیالی رنگ میں سیدنا عبد الرحمن رضی اللہ عنہ سے خطاب ہوتا تو سیدہ عائشہ کو اُن کی قبر پر حاضر ہو کر یہ کہنے کی حاجت نہ ہوتی وہ مدینہ طیبہ میں یا دور ہی سے ایسا کہہ دیتیں۔ یہ خطاب اُن کے رجوع کا واضح قرینہ ہے۔“ [ساع الموتی، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر: ۲۹۳-۲۹۵]

محترم شیخ الحدیث صاحب کی خدمت اقدس میں عرض ہے کہ اس روایت کی سند اس طرح ہے:.....

اس میں دو جملے ایسے ہیں جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع والا قول کمزور بنا دیتا ہے: و من الغریب اور فإن کان محفوظاً یعنی خود انہیں ان روایات پر اطمینان حاصل نہیں۔
 یہی بات کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ میں حاضر نہ تھی، سو اس کا جواب حافظ ابن حجرؒ نے یہ دیا ہے کہ: إنها لم تحضر صحيح لكن لا يقدح ذلك في روايتها لأنه مرسل صحابي، وهو محمولٌ على أنها سمعت ذلك ممن حضره أو من النبي ﷺ ولو كان ذلك قادحاً في روايتها لقدح في رواية ابن عمرؓ فإنه لم يحضر أيضاً۔

[فتح الباری ۳: ۲۳۴-۲۳۵، کتاب الجنائز ۲۳] باب اجاء فی عذاب القبر [۸۶] بذیل حدیث [۱۳۷۱]
 ”یہ بات صحیح ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ میں حاضر نہیں تھیں لیکن اُن کا موجود نہ ہونا اُن کی روایت کو قابلِ اعتراض نہیں بناتی، اس لیے کہ یہ صحابی کی مرسل روایت ہے [جو صحیح ہوتی ہے] مولانا صاحب نے مواہب اللدنیہ کی پوری عبارت نقل نہیں کی جو اس طرح اور جو اصل میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت ہے: و من الغریب أنَّ فی المغازی لابن إسحاق من رواية یونس بن یحییٰ یاسنادٍ جیدٍ وفیه: بما أنتم بأسمع لما أقول منهم۔ وأخرجه الإمام أحمد یاسنادٍ حسنٍ فإن کان محفوظاً فکأنها رجعت عن الإنکار، لما ثبت عندها من رواية هؤلاء الصحابة لکونها لم تشهد القصة۔ [فتح الباری ۷: ۳۰۳-۳۰۴، کتاب المغازی ۶۴] باب قتل ابی جہل [۸] بذیل حدیث: ۳۹۷۹، مواہب اللدنیہ بشرح الزرقانی ۲: ۳۸۰]

اور یہ اس پر محمول ہے کہ انہوں نے موقع پر موجود کسی حاضر صحابی سے یا رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے اور اگر اُن کا موجود نہ ہونا روایت کو قابلِ اعتراض بنا دیتی ہے تو پھر سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت پر بھی اعتراض وارد ہوگا اس لیے کہ آپ بھی اس موقع پر موجود نہیں تھے۔“

..... حدثنا الحسن بن حُرَيْث. حدثنا عيسى بن يونس عن ابن جريج عن عبد الله بن أبي مليكة.
 [جامع ترمذی، کتاب الجنائز ۸] باب [۶۱] حدیث: ۱۰۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۷: ۳۶۸-۳۶۹، کتاب الجنائز [۶] باب من رخص فی زیارة القبور [۱۲۷] حدیث: [۱۱۹۳۳]

یہ روایت شیخ الحدیث صاحب کو مفید نہیں اس لیے کہ اس کی سند میں عبد اللہ بن ابی ملیکہ کا شاگرد ابن جریج ہے جس کے متعلق محترم جناب مولانا صاحبؒ نے احسن الکلام ۲: ۱۵۲ میں لکھا ہے کہ امام دارقطنیؒ علامہ ذہبیؒ اور مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ وہ مدلس تھے۔ اور یہاں وہ معنعنہ سے روایت کرتے ہیں۔

سماع یا اسماع

مولانا صاحب لکھتے ہیں: اَنَّ فِي الْآيَةِ نَفْيَ الْإِسْمَاعِ، وَلَا يَلْزَمُ مِنْهُ نَفْيُ السَّمَاعِ.

[البصائر: ۱۷]

”اس آیت میں اسماع [سماع] کی نفی ہے جس سے سماع [سننے] کی نفی لازم نہیں۔“

جب کہ مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندؒ نے لکھا ہے: ”إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى“ وغیرہ

نصوص سے عدم سماع موتی ظاہر ہے، فَإِنَّ عَدَمَ الْإِسْمَاعِ يَسْتَلْزِمُ عَدَمَ السَّمَاعِ، وهو قول

محقق الحنفية. [فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل و مدلل ۲۹۶: ۵ سوال: ۳۱۴۳]

”اس لیے کہ عدم اسماع [نہ سنا سکتا] عدم سماع [نہ سننے] کو مستلزم ہے اور یہی محققین احناف کا مذہب

ہے۔“

شیخ الطائفہ مولانا رشید احمد صاحب لنگوہیؒ کی املاتی کتاب میں ہے: إِنَّهُ لِمَا شَبَّهَ الْكَفَّارَ

بِالْأَمْوَاتِ فِي عَدَمِ السَّمَاعِ عِلْمُ أَنَّ الْأَمْوَاتَ لَا يَسْمَعُونَ وَإِلَّا لَمْ يَصِحَّ التَّشْبِيهُ.

[الکوکب الدرر: ۱: ۳۱۹]

”جب کافروں کو مردوں سے عدم سماع میں تشبیہ دی گئی تو معلوم ہو گیا کہ مردے نہیں سنتے ورنہ

تشبیہ صحیح نہیں ہوگی۔“

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب^(۱) لکھتے ہیں: ”اصل تو یہی ہے کہ اموات کا مستقل سننا

ثابت نہیں، إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ یہ آیت قرآنی اس بارے میں نص

ہے اور اسی وجہ سے مشائخ قبور پر جاکر ان کو مخاطب کر کے اُن سے طلب کو ناجائز کہتے ہیں۔“

[کتب فضائل پر اشکالات اور اُن کے جوابات: ۱۹۹]

(۱) محمد زکریا بن مولانا محمد یحییٰ کاندھلہ میں ۱۹۰۴ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے چچا مولانا محمد الیاس سے قریباً تمام علوم

اسلامیہ میں کسب فیض کیا۔ علوم حدیث اپنے والد سے پڑھے۔ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے ہاتھ پر

بیعت ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس مقرر ہوئے۔ ایک درجن سے زیادہ

کتب میں لکھیں۔ ۱۹۷۶ء میں وفات پائی۔ [انسائیکلو پیڈیا مسلم شخصیات: ۵۵۹]

اصل میں سماع [سننا] فرع ہے اسماع [سنانے] کی جب انسان کی طرف سے بالکلیہ اسماع [سنانا نہیں تو سماع [سننا] جو اسماع [سننے] کی فرع ہے وہ بھی نہ ہوگا کیونکہ جب اصل ہی ثابت نہ ہوگی تو فرع کہاں سے ثابت ہوگی جب جڑ ہی نہیں تو ٹہنیاں کہاں پیدا ہوں گی۔ اسماع کی نفی اس آیت میں ہے: وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ۔ [سورۃ فاطر ۲۲: ۳۵]

”اور زندہ اور مردے یکساں نہیں ہیں۔ اللہ ہی جن کو چاہتا ہے سناتا ہے اور تم اُن کو سنانے والے نہیں [بن سکتے] جو قبروں کے اندر ہیں۔“

محدث ابن التین^(۱) کہتے ہیں: لا مَعَارِضَ بَيْنَ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ وَالْآيَةِ لِأَنَّ الْمَوْتَى لَا يَسْمَعُونَ بِلَا شَكٍّ لَكِنْ إِذَا أَرَادَ اللَّهُ إِسْمَاعَ مَا لَيْسَ مِنْ شَأْنِهِ السَّمَاعُ لَمْ يَمْتَنِعْ كَقَوْلِهِ: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ وَقَوْلِهِ: فَقَالَ لِلْأَرْضِ ائْتِيَا كَطَوْعًا۔ [فتح الباری ۳: ۲۳۵، کتاب الجنائز ۲۳] باب ما جاء في عذاب القمر [۸۶] تحت حديث: ۱۳۷۱ عمدة القاری ۸: ۲۰۲

”سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اور آیت کریمہ اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى کے مابین کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ اس بات میں تو واقعی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ مردے نہیں سنتے مگر جب کبھی اللہ تعالیٰ اُس نا قابل شے کو سنانا چاہے جس کی شان میں سننا نہ ہو تو اُس کو سنا سکتا ہے جیسا کہ زمین و آسمان سے اُس نے کلام کیا اور اپنی امانت کا بوجھ آسمان، زمین اور پہاڑوں پر رکھنا چاہا۔ نیز جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین ہر دو سے کہا میرا حکم مانو۔“

معلوم ہوا کہ مٹی، زمین، آسمان، پہاڑ اور پتھر کے اندر سننے کی صلاحیت نہیں ہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو سنایا تو بالکل اسی طرح مردوں میں بھی سننے کی صلاحیت اور قابلیت نہیں ہے لیکن جب کبھی اَحْيَاءُ وہ ذات قادر علی الاطلاق کسی مردے کو کچھ سنانا چاہے تو سنا سکتا ہے جیسے قلیب بدر والے

(۱) عبد الواحد بن التین ابو محمد الصفاقسی المغربی المالکی۔ فقیہ، محدث اور مفسر تھے۔ ۶۱۱ھ کو وفات پائی۔ المخبر الفصیح فی شرح البخاری الصحیح اُن کی کتاب ہے جس پر حافظ ابن حجر نے اعتماد کر کے اُس سے پورا فائدہ اُٹھایا ہے۔ [شجرۃ النور الزکیۃ: ۱۶۸، ہدیۃ العارفین ۱: ۶۳۵]

واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی آواز کو مُردوں کو سنائی اور اپنے پیارے نبی ﷺ کا مجرہ ظاہر کر دیا۔

علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے لکھا ہے: وَأَمَّا قَوْلُهُ: وَمَا نَتَّ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ فَمَثِيلٌ لِّحَالِ الْكَفَرَةِ حَالِ الْمَوْتَى وَلَا نَزَاعَ فِي أَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَسْمَعُ.

[شرح المقاصد ۳: ۳۶۵، المقصد السادس في السمعيات، فصل في المعاد]

”اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”وَمَا نَتَّ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ“ میں کفار کے حال کو مُردوں کے حال سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس میں کوئی نزاع نہیں کہ مُردے نہیں سنتے۔“

حدیث خَفَقُ النِّعَالِ

مولانا حمزہ اللہ صاحب لکھتے ہیں: وَ مِنْهَا قَوْلُهُ ﷺ: إِنَّ الْمَيِّتَ لَيَسْمَعُ خَفَقَ نِعَالِهِمْ، فَهَذَا أَيْضًا دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْمَيِّتَ يَسْمَعُ صَوْتًا خَفِيًّا وَهُوَ صَوْتُ خَفَقِ النِّعَالِ.

[البصائر المنيرة في التوسل بآل المقابر: ۷۱]

”سماع موتی کے دلائل میں سے ایک دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ بے شک مُردہ [زندوں کے] جوتوں کی آواز سنتا ہے پس یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مُردہ باریک آواز بھی سنتا ہے جیسے جوتوں کی آواز۔“

اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَا وَضَعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ قَالَ: يَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيَقْعِدَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ. [صحیح مسلم، کتاب الجنتہ وصفۃ نعيمہا ولبہا] [۵۱] باب عرض مقعد الميت من الجنة والناظر [۱۷] حدیث: ۷۰- [۲۸۷۰] واللفظ له، سنن ابی داود، کتاب

الجنة [۳۳] باب فی المسألة فی القبر وعذاب القبر [۲۷] حدیث: ۷۵۳

”جب مُردہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اُس کے ساتھی اُس سے چلے جاتے ہیں ابھی وہ ان جانے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ ہی سُن رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے پاس دو ملائکہ آکر اُسے بٹھا

دیتے ہیں اور اُس سے کہتے ہیں..... (۱)۔“

اس حدیث کا مطلب شیخ الطائفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ:

کنایۃً عن إتيان سرعة الملائكة. [الکوکب الدرر: ۳۱۹]

”حدیث نفع نعال کا مطلب یہ ہے کہ دفن کے بعد [ملائکہ کے فوراً آجانے سے کنایہ ہے۔“
نیز اگر حدیث کو ظاہر پر حمل کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ مُردہ [زندوں کے] جوتوں کی آواز سنتا ہے
تو پھر بھی مضرب نہیں کیونکہ اس کا تعلق غیب سے ہے اور یہ کوئی قیاسی مسئلہ نہیں کہ اس پر دوسری چیزوں
کو قیاس کیا جائے۔ پس جب حدیث میں وارد ہوا کہ مُردہ [زندوں کے] جوتوں کی آواز سنتا ہے تو
بس وہی چیز سنتا ہے جس کی حدیث میں تصریح کی گئی، کسی دوسری چیز سننے کے لیے دوسری دلیل
پیش کرنی ہوگی۔

(۱) شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ لکھتے ہیں:

”اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ مُردہ دفن کے بعد قبر میں قبر سے واپس ہونے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ
اور آواز سنتا ہے اور جب یہ سنتا ہے تو انسانوں کی آواز بطریق اولیٰ سنتا ہے۔“ [سماح الموتی: ۱۳۷-۱۳۸]
اس بارے میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے مولانا عبد المجید صاحب لدھیانویؒ باب العلوم کمر وچکا، ضلع
لودھراں کا ارشاد سنئے جو فرماتے ہیں:

”اس ضمن میں ضابطے کے تحت وہی باتیں آئیں گی جن کی صراحت حدیث میں آگئی جیسے پاؤں کی آہٹ کا سننا
یا سلام کا سننا۔ اس کے علاوہ باقی باتیں کسی ضابطے کے تحت نہیں ہیں۔“

[خطبات حکیم العصر ۲: ۲۵۲، عنوان: سماح الموتی]

سماع موتی کے لیے مولانا صاحب کے قطعی دلائل

مولانا محمد اللہ صاحب نے اعلان فرمایا ہے کہ: فجمعْتُ دلائلَ قاطعةً وحججاً واضحةً لمن يَدْعِي التوسل إلى الله ببركة الأنبياء و الأولياء المدفونين في المقابر، ويدْعِي سماع الأموات في البرزخ. [البصائر: ۲، مطبوعہ پشاور صفحہ ۳۰، مطبوعہ ترکی، تسہیل البصائر: ۵]

”میں نے اُن لوگوں کے لیے قطعی دلائل اور واضح حجیتیں جمع کی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے انبیائے کرام اور قبروں میں دفن کیے گئے اولیاء کے توسل کے قائل اور برزخ میں مُردوں کے، سنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔“

آئیے دیکھتے ہیں کہ مسئلہ سماع موتی پر انہوں نے کون کون سے قطعی دلائل پیش کیے ہیں؟

[۱] و منها قوله تعالى: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ. قال في التفسير المظهر ۲: ۱۲۱: يعني أن الله تعالى يعطي لأرواحهم قوة الأجساد فيذهبون من الأرض و السماء و الجنة حيث يشاؤون وينصرون أوليائهم و يدمرون أعدائهم إن شاء الله تعالى و من أجل ذلك الحياة لاتأكل الأرض أجسادهم.

[البصائر: ۱۷، پشاور ۲۲، ترکی]

”سماع موتی کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ آیت کریمہ بھی ہے ”وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ“ تفسیر مظہری ۲: ۱۲۱، ۱۵۲، بذیل تفسیر سورۃ البقرہ ۲: ۱۵۴، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ارواح کو اجساد کی طاقت دیتا ہے تو وہ جنت اور زمین و آسمان میں جہاں کہیں بھی چاہیں وہاں جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے دوستوں کی مدد کرتے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اسی حیات کی وجہ سے زمین اُن کو جسموں کو نہیں کھاتی۔“

مولانا صاحب! کیا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نص قطعی ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی آیت کی ایسی تفسیر کیوں نقل کی ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہیں؟

رہی آیت کریمہ میں حیات کا ذکر، سو اس بارے میں عرض ہے کہ حیات [زندگی] کی درج ذیل

قسمیں ہیں:

[۱] غم کا دور ہونا؛ جیسے ان آیات میں: وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ. [سورة البقرة: ۱۵۴]

”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُن کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم [اُن کی زندگی کی کیفیت کو] نہیں جانتے۔“

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ.
[سورة آل عمران: ۱۶۹]

”اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے اُن کو مرے ہوئے نہ سمجھنا بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور اُن کو رزق مل رہا ہے۔“

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

أرواحهم في جوف طير خضر لها قناديل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شاءت، ثم تأوي إلى تلك القناديل، فاطلّع إليهم ربهم إطلاعاً فقال: هل تستهون شيئاً؟ قالوا: أي شيء نستهي ونحن نسرح من الجنة حيث شئنا؟ ففعل ذلك بهم ثلاث مراتٍ، فلما رأوا أنهم لن يتركوا من أن يسألوا قالوا: يا رب! نريد أن نرُدَّ أرواحنا في أجسادنا حتى نُقتل في سبيلك مرةً أخرى، فلما رأى أن ليس لهم حاجة تَرَكُوا. [صحیح مسلم ۱۵۰۲: ۱۵۰۳، کتاب الامارة [۳۳] باب بیان أن أرواح الشهداء في الجنة وأنهم أحياء عند ربهم يرزقون [۳۳] حدیث: ۱۲۱-۱۸۸۷]

”شہداء کی روہیں سبز پرندوں کے جسم میں ہوتی ہیں اور اُن کے لیے عرش کے ساتھ ساتھ کچھ قدیلیں لٹکی ہوئی ہیں۔ یہ روہیں جنت میں جہاں چاہتی ہیں وہاں سیر کرتی پھرتی ہیں پھر ان قدیلوں میں واپس آ جاتی ہیں۔ اُن کے پروردگار نے اُن کی طرف دیکھا اور پوچھا کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ انہوں نے کہا: ہم کس چیز کی خواہش کریں۔ ہم جہاں چاہیں سیر

کرتی پھرتی ہیں۔ اُن کے رب نے اُن سے تین بار یہی سوال کیا، انہوں نے جب دیکھا کہ جواب دیے بغیر کوئی چارہ نہیں تو کہا اے ہمارے پروردگار! ہم یہ چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحمیں ہماری جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم تیری راہ میں پھر جہاد کریں اور پھر شہید ہوں۔ اللہ تعالیٰ جب دیکھے گا کہ اُن کو کوئی اور حاجت نہیں تو انہیں اُن کی حال پر چھوڑ دے گا۔“

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما^(۱) فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ ملے اور پوچھا:

يا جابر! مالي اراك منكسرا؟ قلت: يا رسول الله استشهد أبي قُتِلَ يوم أُحُدٍ وترك عيالا ودينًا قال: أفلا أبشرك بمآلقي الله به أباك؟ قلت: بلى يا رسول الله! قال: ما كَلَّمَ الله أحداً قط إلا من وراء حجاب، وأحيأباك فكلَّمَهُ كَفاحاً فقال: يا عبادي تَمَنَّ عَلَيَّ أُعْطِك. قال: يا ربِّ تُحَيِّنِي فَأُقْتَلَ فَيَكُ ثَانِيَةً. قال الربُّ عز وجل: إنه قد سبق مني أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يَرْجِعُونَ قال: وأنزلت هذه الآية: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا. الآية.

[سنن ترمذی ۲۱۵: ۵، کتاب تفسیر القرآن [۳۸] باب [۳] تفسیر سورة آل عمران حدیث: ۳۰۱۰]

”کیا بات ہے جابر! میں تمہیں شکستہ خاطر دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے والد جنگِ اُحُد میں شہید ہو گئے اور قرض اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں یہ بشارت نہ دوں کہ اُس کی اللہ تعالیٰ سے کیسے ملاقات ہوئی؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ضرور بتلائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی سے کلام نہیں کرتا مگر پردے کے پیچھے سے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو زندہ کیا پھر اُس سے رُودر رُوبات کی اور پوچھا: کچھ آرزو کرو جو میں تمہیں عطاء کروں۔ تیرے باپ نے کہا: میرے پروردگار! مجھے دوبارہ زندگی دے تاکہ میں دوسری مرتبہ تیری راہ میں شہید ہو جاؤں۔ اللہ

(۱) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بن عمرو بن حرام خزرجی انصاری، سلمیٰ ۱۶۱ھ = ۶۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں۔ ۱۹ اغزوات میں حصہ لیا۔ صحیحین میں ان کی ۱۵۴۰ روایتیں ہیں۔ ۷۸ھ = ۶۹۷ء کو وفات

تعالیٰ نے فرمایا: یہ بات پہلے سے طے ہو چکی ہے کہ لوگ دوبارہ دنیا کی طرف نہ لوٹیں گے۔
راوی کہتا ہے: یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی۔“

ان روایات کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور اسی معنی میں شاعر نے کہا ہے:

لَيْسَ مِنْ مَّاتٍ فَاسْتَرَحَ بِمَيِّتٍ

إِنَّمَا الْمَيِّتُ مَيِّتٌ الْأَحْيَاءُ

”جو شخص مر کر راحت کی نیند سو گیا وہ درحقیقت مردہ نہیں ہے۔ حقیقتاً مردے وہ ہیں جو زندہ ہونے کے باوجود مردے بنے ہوئے ہیں۔“

[۲] وہ حیات جس سے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات متصف ہوتی ہے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کی صفت میں حیات کہا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ذات اقدس ہوتی ہے جس کے متعلق موت کا تصور بھی نہیں ہو سکتا: الْحَيُّ الْقَيُّومُ۔ [سورة البقرة: ۲۵۵]

”وہ زندہ ہے۔ سب کا قائم رکھنے والا۔“

[۳] قُوَّةٌ عَالِمَةٌ: اَوْ مِنْ كَانَ مَيِّتًا فَاحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَاهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ۔

[سورة الانعام: ۱۲۲]

”کیا وہ جو مردہ تھا تو ہم نے اُس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اُس کو ایک روشنی بخشی جس کو لے کر وہ لوگوں میں چلتا ہے۔“

اور اس معنی میں شاعر نے کہا ہے کہ:

وَقَدْ نَادَيْتَ لَوْ أَسْمَعْتَ حَيًّا

وَلَكِنْ لَا حَيَاةَ لِمَنْ تُنَادِي

”اگر تو کسی زندہ کو پکارتا تو وہ سن لیتا لیکن جس کو تم پکارتے ہو اُس میں زندگی نہیں ہے۔ [یعنی عقل سے محروم ہے]۔“

[۴] آخرت کی دائمی زندگی جو علم و عقل کے ذریعے حاصل ہوتی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولَ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ. [سورة الانفال ۲۴:۸]
 ”مومنو! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کا حکم قبول کرو جو تمہیں ایسے کام کے لیے بلاتے ہیں جو تم کو زندگئی [جادواں] بخشتا ہے۔“

يَقُولُ يَلِيَّتَنِي قَدْ مَتَّ لِحَيَاتِي. [سورة الفجر ۲۴:۸۹]

”کہے گا: کاش! میں نے اپنی زندگئی [جادوانی] کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔“
 [۵] حیات بمعنی قوتِ احساس اور اسی قوت کی بناء پر حیوان کو حیوان کہا جاتا ہے:
 وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَالْأَمْوَاتُ. [سورة فاطر ۲۲:۳۵]
 ”اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں۔“

[۶] قوت نامیہ جو حیوانات اور نباتات دونوں میں پائی جاتی ہے:

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا. [سورة الحديد ۱۷:۵۷]
 ”جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی زمین کو اُس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔“

[المفردات: ۱۳۸-۱۳۹]

اس سے معلوم ہوا کہ امامِ راغب اصفہائی نے اس آیت کریمہ میں حیات کے معنی تلذذ اور ارتقاعِ غم کے لیے ہیں نہ کہ معنی متعارف اور دلیل میں احادیث کثیرہ کا حوالہ پیش کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامِ راغبؒ کے نزدیک احادیث کثیرہ میں جو حیات کا ذکر ہے اس حیات سے مراد یہی تلذذ اور ارتقاعِ غم ہی ہے اور امامِ راغبؒ کے نزدیک حیات کا یہ معنی نہیں کہ ان شہداء کے اجسادِ عنصریہ میں روح داخل کر دی جاتی ہے یا ان کا باہم تعلق اشراف یا اشراف کا ہوتا ہے۔
 علامہ سید آلوسی بغدادیؒ نے امامِ راغبؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

والإعتمادُ على كلام الراغب أرغبُ في مثل ذلك عند المحققين.

[روح المعانی ۹-۱۰: ۳۷۷ بذیل تفسیر سورة التوبة ۲۵:۹]

”محققین کے نزدیک ایسے مواقع پر راغب کے کلام پر اعتماد کرنا بہت مرغوب ہے۔“

[۲] ایک اور قطعی دلیل مولانا صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ: قال البغوي: قيل: إنَّ أرواحهم تركع وتسجدُ كل ليلةٍ تحت العرش إلى يوم القيامة. قال عليه الصلاة والسلام: إنَّ

الشهداء إذا استشهدوا أنزل الله جسداً كاحسن جسد ثم يقال لروحه أَدْخِلِي فِيهِ
فِيَنْظُرَ إِلَى جِسَدِهِ الْأَوَّلِ..... [البصائر: ۱۷]

”امام بغوی^(۱) نے فرمایا ہے کہ کہا گیا ہے کہ اُن کی رو میں ہر رات قیامت تک عرش کے نیچے
رکوع اور سجدہ کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جب کوئی شہادت پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک
حسین و جمیل جسم کو اُتارتا ہے پھر اُس [شہید] کی روح سے کہا جاتا ہے: اس میں داخل ہو جاؤ تو وہ
اپنی پہلی جسد کی طرف دیکھتا ہے.....“

سوال یہ ہے کہ اس میں سماع موتی کے لیے کون سی قطعی دلیل ہے؟ کیا امام بغوی قطعی دلیل کا نام
ہے؟ یا اُن کی وہ عبارت جسے وہ صیغہ تمریض و تضعیف کے ساتھ نقل کرتے ہیں؟

پھر یہ بھی ہے کہ یہ ساری عبارت امام بغوی کی نہیں ہے اور نہ مذکورہ حدیث انہوں نے پیش فرمائی
ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر بغوی، جلد اول: ۲۹۳، بذیل تفسیر سورۃ آل عمران ۳: ۱۶۹۔

رہی مولانا صاحب کی پیش کردہ روایت جسے حافظ سیوطی نے امام ابن مندہ کے حوالے سے باسند
نقل کیا ہے: أخرج ابن مندة من طريق عبد الرحمن بن زياد بن أنعم عن حيان بن جبلة
قال: بلغني أن رسول الله ﷺ قال: إنَّ الشهيد إذا استشهد. [شرح الصدور: ۱۰۳]

اس کا پہلا راوی عبد الرحمن بن زياد بن أنعم افریقی ہے۔ امام ابن حبان^(۲) لکھتے ہیں: ۱۵۶ھ
کوفت ہوا۔ ثقات کے نام سے موضوعات نقل کرتا ہے۔ [المجرحین: ۲: ۱۵، ترجمہ: ۵۸۱]

(۱) حسین بن مسعود بن محمد، الفراء، ابو محمد، محب النبی، البغوی، محدث فقیہ اور مفسر تھے۔ ہرات و مرو کے مابین واقع
قصبہ ”بغا“ میں ۴۳۶ھ = ۱۰۴۳ء کو پیدا ہوئے۔ شافعی فقیہ تھے۔ ۵۱۰ھ = ۱۱۱۷ء کو مرو والروذ میں وفات پائی۔

[وفیات الاعیان: ۲: ۱۳۶، الاعلام: ۲: ۲۵۹]

(۲) ابو حاتم ابن حبان [بکسر الحاء و تشدید الباء] محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد تمیمی، ابو حاتم،
بستی بجمتانی۔ تاریخ، جغرافیہ، رجال اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ حصول علم کے سلسلہ میں خراسان، شام،
مصر، عراق اور جزیرہ کے سر کیے۔ ۳۵۴ھ = ۹۶۵ء کو وفات پائی۔

[معجم البلدان: ۱: ۱۷۱، تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲۹۰-۲۹۳]

امام بخاریؒ^(۱) فرماتے ہیں: اس کی روایات میں بعض منکر ہوتی ہیں۔ [الضعفاء الصغیر ترجمہ: ۲۰۷]
 اس کا دوسرا راوی حیان [حبان] بن جبلة [یا ابن ابی جبلة] ہے، جس سے زیاد بن النعم روایت کرتا
 ہے۔ [الجرح والتعديل ۲۲۸:۳ ترجمہ: ۳۶۹:۱۰۴ ترجمہ: ۱۲۰۱]

امام بخاریؒ نے بھی صرف اُس کا نام ہی نقل کیا ہے اور یہ کہ اس نے عبید اللہ بن عیزار سے روایت
 کی ہے۔ [التاریخ الکبیر ۵۹:۳ ترجمہ: ۲۱۵]

یہ راوی آگے کا سلسلہ نہیں بتاتا بلکہ بَلَّغْنِي مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کہہ کر
 روایت بیان کرتا ہے۔ اب آگے کا سلسلہ کن افراد پر مشتمل ہے؟ کیا وہ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ یہ تو
 مولانا صاحب کی جرأت ہے کہ ایک بے بنیاد روایت کو قطعی نص کا نام دے کر اس سے سماع موتی
 کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ روایت معضل^(۲) ہے جو ضعیف ہوتی ہے۔

[۳] مولانا احمد اللہ صاحب نے سماع موتی کے ثبوت کے لیے ایک دلیل یہ پیش کی ہے:

(۱) محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بخاری ابو عبد اللہ امیر المؤمنین فی الحدیث ۱۹۴ھ = ۸۱۰ء کو بخارا میں
 پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے۔ طلب حدیث کے سلسلے میں مشقتیں اٹھائیں اور لگ بھگ ایک ہزار اساتذہ
 سے کسب فیض کیا ۲۵۶ھ = ۹۷۰ء کو خرننگ میں وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۵۵۵:۲ اعلام ۳۴:۶]
 (۲) لغت میں أَعْضَلُ سے اسم مفعول ہے جس کے معنی: سخت ہونے، مشکل ہونے اور تنگ ہونے کے ہیں۔
 اصطلاح میں وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان میں سے دو یا دو سے زیادہ راوی مسلسل حذف ہو گئے ہوں:
 مِنْ أَقْسَامِ السَّقَطِ مِنَ الْإِسْنَادِ: إِنْ كَانَ اثْنَتَيْنِ فَضَاعَدًا مَعَ التَّوَالِي فَهُوَ الْمَعْضَلُ.

[مقدمۃ ابن الصلاح: ۸۱: نوع ۱۱]

مثلاً امام مالکؒ اس طرح کہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا اور امام شافعیؒ اس طرح کہیں کہ: ابن عمرؓ نے
 اس طرح فرمایا: كَقَوْلِ مَالِكٍ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَوْلِ الشَّافِعِيِّ: قَالَ ابْنُ عُمَرَؓ.

[تواعد التحدیث: ۱۳۰]

معضل حدیث ضعیف ہوتی ہے اور اس کی حالت مرسل اور منقطع سے بدتر ہوتی ہے کیونکہ اسناد میں کئی راویوں کو
 حذف کیا جاتا ہے جن کے ثقہ ہونے کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں سب علماء اس پر
 متفق ہیں: المعضل لاحجة فيه. [فتح الباری ۵: ۱۹۰]

قال البغوي: قال عبيد بن عمر: مرَّ رسول الله ﷺ حين انصرف من أُحُدٍ على مصعب ابن عمير ؓ وهو مقتولٌ فوقف عليه، ودَعَا له، ثم قرأ: **مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ** ثم قال رسول الله ﷺ: **أَشْهَدُ أَنَّ هَؤُلَاءِ شَهِدَاءُ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ** أَلَا فَاَتَوْهُمْ وَزَوَّرُوهُمْ وَسَلَمُوا عَلَيْهِمْ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَسْلَمُ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ إِلَّا رَدُّوا عَلَيْهِ. فَعَلِمَ مِنْ رَدِّ السَّلَامِ أَنَّهُمْ يَسْمَعُونَ سَلَامَ الْمُسْلِمِ عَلَيْهِمْ، وَهَذَا هُوَ سَمَاعُ الْمَوْتَى، وَالْمُظْهَرِي حَنْفِي، فَعَلِمَ أَنَّ هَذَا مَذْهَبَ الْأَخْتِافِ. [البصائر: ۱۹؛ پشاور: ۲۳؛ ترکی]

”امام بغویؒ نے فرمایا ہے کہ عبيد بن عمرؓ نے کہا ہے کہ اُحد سے واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ سیدنا مصعب بن عمیر ؓ کی لاش کے پاس کھڑے ہو گئے اور **مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ** [سورۃ الاحزاب ۳۳: ۲۳] پڑھی، پھر فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ لوگ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید ہوں گے۔ خبردار! تم ان کے پاس آیا کرو، انہیں سلام دیا کرو، اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قیامت تک کوئی انہیں کوئی سلام نہیں دیتا مگر یہ اُس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ پس سلام کا جواب دینے سے معلوم ہوا کہ وہ سلام دینے والے کا سلام سنتے ہیں اور یہی سماع موتی ہے اور [صاحب تفسیر] مظہری حنفی ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ اُختاف کا مذہب ہے۔“

شاباش مولانا صاحب! آپ ایک موضوع حدیث کو بنیاد بنا کر اسے قطعی دلیل کے طور پر پیش کر کے اس سے سماع موتی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اسے اُختاف کا مذہب ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اس روایت کو امام حاکمؒ نے مستدرک ۲: ۲۳۸ میں، امام بیہقیؒ نے دلائل

(۱) مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف، قرشی ؓ، بنو عبدالدار سے تعلق تھا۔ صحابی ہیں۔ سابقون اولون سے ہیں۔ شجاع و بہادر تھے۔ حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ بدر میں شریک رہے۔ اُحد میں علم اٹھائے ہوئے تھے اور اسی میں ۳ھ ۶۲۵ء کو شہادت پائی۔ [اسد الغالبہ ۴: ۲۸۴؛ الاعلام ۷: ۲۳۸]

(۲) احمد بن حسین بن علی ابو بکر ائمہ حدیث میں سے تھے۔ نیشاپور کے کے شہر بیہق کے مضافاتی گاؤں خسرو جرد میں ۳۸۴ھ ۹۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ بیہق میں پلے پڑھے۔ حصول علم کے سلسلے میں بغداد، کوفہ اور مکہ معظمہ کے سفر کیے۔ ۴۵۸ھ ۱۰۶۶ء کو نیشاپور میں وفات پائی۔ اُن کا جسد خاکی بیہق منتقل کیا گیا، جہاں اُن کی تدفین ہوئی۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۳: ۵۷۹؛ الاعلام ۱۱: ۱۱۶]

النبوة ۳: ۲۸۴ میں اور مفسر قرطبی^(۱) نے الجامع لاحکام القرآن ۱۴: ۱۴۲-۱۴۳ بذیل تفسیر سورۃ الاحزاب ۳۳: ۲۳ نقل کیا ہے۔ امام حاکمؒ اس کو نقل کر کے لکھتے ہیں: یہ روایت شیخین کے شرط کے مطابق ہے اور انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ اس پر استدراک کرتے ہوئے حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے: کذا قال وأنا أحسبه موضوعاً وقطن لم يروله البخاري وعبد الأعلى لم يخبر جالہ۔ [تخصیص المستدرک ۲: ۲۳۸]

”حاکمؒ نے اس طرح کہا ہے مگر میرے حساب سے یہ روایت موضوع ہے۔ قطن بن وہب کی کوئی روایت امام بخاریؒ نے نقل نہیں کی اسی طرح عبدالاعلیٰ بن عبداللہ کی کوئی روایت شیخین نے نقل نہیں کی [تو روایت اُن کی شرط پر کس طرح ہوئی؟]۔“

اس قسم کی ایک روایت امام طبرانیؒ کی معجم اوسط ۳: ۷۰ [حدیث: ۳۷۰۰] میں بھی ہے لیکن اس کی سند بھی شدید ضعیف ہے، اس کا ایک راوی یحییٰ بن العلاء رازی ہے جس کے بارے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں: کذاب تھا اور احادیث وضع کرتا تھا۔ [میزان الاعتدال ۴: ۳۹۷ ترجمہ: ۹۵۹۱]

رہا اہل قبور کو سلام کرنا، صحیح احادیث سے ثابت ہے اس کے بارے میں مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دیوبندیؒ سے پوچھا گیا کہ:

سوال: انسان کے فوت ہو جانے کے بعد روح جنت یا دوزخ میں داخل ہو جاتی ہے پھر قبرستان میں سلام کا جواب کس سے ملتا ہے؟

تو آں جناب مفتی صاحبؒ نے اس کا جواب اس طرح دیا:

”مردے کی روح کا تعلق قبر سے رہتا ہے اس لیے السَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الروح لابن القيم و شرح الصدور للسیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ، علاوہ

(۱) محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح النصارى خزرجی اندلسی ابو عبد اللہ قرطبی تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ بہت بڑے مفسر اور صالح و عابد تھے۔ قرطبہ [اندلس] سے تعلق تھا۔ شرق اوسط کے اسفار کیے۔ مصر شمال میں اسیوط کے مضافات میں مدینہ ابن نصیب میں اقامت پذیر رہے اور وہیں ۶۷۱ھ = ۱۲۷۳ء کو وفات پائی۔ سادہ اور متشفانہ زندگی گزارتے تھے۔ ایک ہی کپڑا زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ [نفع الطیب ۱: ۲۲۸، الاعلام ۵: ۳۲۲]

ازیں مردے کی طرف سے جواب ملنا کتب صحاح سے ثابت نہیں، اگرچہ غیر صحاح کی روایات میں ہے جس کی اسناد میں کلام ہے۔ صحاح کی روایات میں صرف السَّلامُ عَلَیْکُمْ کہنے کا حکم ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مردہ اگرچہ نہ سنتا ہے اور نہ ہی جواب دے سکتا ہے مگر قبر پر یہ الفاظ محض زائر کے لیے عبرت ہونے کی وجہ سے مشروع ہیں چنانچہ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ لَکُمْ خَلْفٌ..... و قول النبی ﷺ: کُنْتُ نَهَيْتُکُمْ عَنْ زِیَارَةِ الْقُبُورِ اَلَا فزوروا فَاِنَّهَا تَذْکَرُ الْآخِرَةَ یہ جملے اسی کے مشعر ہیں کہ مقصد اعتبار الزائر ہے۔ [احسن الفتاویٰ ۴: ۲۰۳-۲۰۴]

[۴] مولانا صاحب سماع موتی کے لیے ایک اور قطعی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنہا: ما ذکر فی شرح الصدور: ۸۳ أخرج ابن عساکر فی تاریخہ بسندہ من طریق الأعمش عن المنہال بن عمرو قال: أنا واللہ رأیت رأس الحسین علیہ السلام حین حُمِلَ وأنا بدمشق و بین یدی الرأس رجل یقرأ سورة الکہف حتی بلغ قوله تعالیٰ: اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْکُھْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوا مِنْ اٰیَاتِنَا عَجَبًا قال: فانطق اللہ الرأس بلسان ذرب أي: فصیح فقال: أعجب من أصحاب الکہف قتلی وحملي.

فعلم من هذا أنَّ رأس الحسین علیہ السلام کان یسمع تلاوة الکہف، ولذا قال کذا، مع أنه رأس فقط بلا جسد. [البصائر: ۲۱، پشاور ۱۹۷۷ء ترکی]

”ان [قطعی دلائل] میں سے ایک وہ ہے جسے شرح الصدور: ۸۳^(۱) میں ذکر کیا گیا ہے: ابن عساکر^(۲) نے اپنی تاریخ^(۳) میں اپنی سند کے ساتھ اعمش^(۴) سے نقل کیا ہے۔ اعمش کہتے

(۱) صفحہ: ۸۸، مطبوعہ دار العربیۃ الکبریٰ مصر

(۲) علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ابو القاسم ثقہ الدین ابن عساکر دمشقی ۳۹۹ھ = ۱۱۰۵ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانہ میں دیار مصر کے محدث تھے۔ مؤرخ اور حافظ حدیث تھے۔ حصول علم کے لیے لمبے لمبے سفر کیے۔ ۵۷۱ھ = ۱۱۷۶ء کو دمشق ہی میں وفات پائی۔ تاریخ دمشق الکبیر کے مصنف اور امام سمعانی صاحب الانساب کے رفیق رہے ہیں۔ [وفیات الاعیان ۳: ۳۰۹، الاعلام ۳: ۲۷۳]

(۳) تاریخ دمشق الکبیر ۶۰: ۳۷۰ بذیل ترجمہ منہال بن عمرو ۸۴۳ھ

(۴) سلیمان بن مہران اسدی ابو محمد اعمش، تابعی ہیں ۶۱۱ھ = ۶۸۱ء کو پیدا ہوئے۔ کوفہ میں سکونت تھی اور وہیں ۱۴۸ھ = ۷۶۵ء کو وفات پائی۔ قرآن وحدیث اور علم فرائض [میراث] کے بہت بڑے عالم تھے۔ صدق.....

ہیں: منہال بن عمرو نے کہا ہے: اللہ کی قسم! جب سیدنا حسین ؑ کا سر دمشق لایا گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص اُن کے سر کے قریب سورۃ الکہف [۹:۱۸] پڑھ رہا تھا وہ اُمّ حَسْبَتْ اَنَّ اَصْحَبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ كَانُوا مِنْ اٰیَاتِنَا عَجَبًا کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے سر کو نہایت فصیح زبان میں یوں گویائی دی کہ اصحاب کہف کے واقعہ کے مقابلہ میں میرا قتل و حمل زیادہ عجیب اور حیران کن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا حسین ؑ کا سر سورۃ الکہف کی تلاوت سن رہا تھا باوجود اس کے کہ اس کے ساتھ جسد نہیں تھا اس لیے تو اس نے یہ بات کہی۔“

ایسا معلوم ہوا کہ مولانا صاحب یا تو نص قطعی نہیں پہچانتے اور یا علم و دانش کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حافظ سیوطیؒ اور مورخ ابن عساکرؒ کی روایت کس طرح دلیل اور نص قطعی بن گئی؟ اعمش کا نام سلیمان بن مہران ہے جس کے بارے میں حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: مدلس تھا اور کبھی کبھار بے خیالی میں ضعفاء سے مدلس کرتا تھا اس لیے اُس کی عن والی روایت میں مدلس کا احتمال زیادہ ہے۔ [میزان الاعتدال ۲: ۲۲۳ ترجمہ: ۳۵۱۷]

اعمش منہال بن عمرو کا نام لے کر عن کہہ کر روایت کرتا ہے اس لیے اس کی یہ روایت مردود ہوئی جسے مولانا صاحب نص قطعی سمجھ بیٹھے ہیں۔

منہال بن عمرو بھی صدوق ہونے کے باوجود وہم کا شکار ہوتا ہے۔

[تقریب العتذریہ: ۵۷۷ ترجمہ: ۶۹۱۸]

علامہ محمد عبدالرؤف مناویؒ نے ابن عساکرؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس روایت کی اسناد مجہول ہے۔ [فیض القدیر: ۲۰۵ بذیل روایت: ۲۸۱]

لیکن تاریخ ابن عساکرؒ میں اس روایت کی ذیل میں یہ بات میری نظر سے نہیں گزری۔

..... و سچائی کی وجہ سے ”صحف“ کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۳۰۰ احادیث کے راوی ہیں۔

[تذکرہ الحفاظ: ۱/ ۵۳، الاعلام: ۳/ ۱۳۵]

(۱) حسین بن علی رضی اللہ عنہما ہاشمی قرشی ابو محمد ۳۴ھ = ۶۲۵ء کو مدینہ منورہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے گٹن سے پیدا ہوئے۔ ۶۱ھ = ۶۸۰ء کو ظلماً شہید کیے گئے۔

[الاصابة فی تمییز الصحابة: ۱/ ۳۳۲، الاعلام: ۲/ ۲۳۳]

[۵] مولانا صاحب ایک اور قطعی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنہا: ما أخرجه أبو نعیم فی الحلیۃ من طریق عمرو بن واقد بن حلیم أنه کان یمر علی المقابر بدمشق ینحریوم الجمعة فسمع قائلاً یقول: هذا یونس بن حلیم قد هاجر^۱ یحجون ویعتمرون کل شهر ویصلون کل یوم خمس صلوات أنتم تعملون ولا تعلمون ونحن نعلم ولا نعمل قال: فالتفت یونس فسلم فلم یردوا علیہ فقال: سبحان الله! أسمع کلامکم وأسلم علیکم ولا تردون علی قالوا: قد سمعنا کلامک ولكنها حسنة وقد حیل بیننا و بین الحسنات والسیئات. [البصائر: ۲۱-۲۲، پشاور ۲۷، ترکی]

”ان دلائل میں سے ایک وہ ہے جسے ابو نعیمؒ نے حلیۃ الاولیاء^(۱) میں عمرو بن واقد سے نقل کیا ہے کہ یونس بن حلیم دمشق کے مقبروں میں جمعہ کے روز قربانی کر کے جا رہے تھے تو ایک کہنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ یونس بن حلیم نے ہجرت کی یہ ہر سال حج اور ہر مہینہ عمرہ کرتے ہیں۔ روزانہ پنج وقتہ نماز پڑھتے ہیں۔ تم عمل کرتے ہو مگر علم نہیں رکھتے اور ہم علم رکھتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ یونس اُس آواز کی طرف ملتفت ہوئے سلام کیا مگر انہوں نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا تو کہنے لگے: سبحان اللہ! میں تمہارا کلام سنتا ہوں، تمہیں سلام کرتا ہوں مگر تم میرے سلام کا جواب نہیں دیتے۔ وہ کہنے لگے: ہم نے تمہارا کلام سنا جو ایک نیکی ہے اور ہمیں نیکیوں اور بدیوں سے روکا گیا ہے۔“

مولانا صاحب! پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ نص قطعی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے نظریہ الاولیاء ینصرون اولیائہم و یدمرون أعدائہم کے صریح معارض ہے۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ اس کا راوی عمرو بن واقد دمشقی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں: متروک الحدیث ہے۔ امام دارقطنی بھی اسے متروک کہتے ہیں۔ امام فسوی نے امام دحیمؒ کے حوالے سے کہا ہے کہ ہمارے اساتذہ اس سے روایت نہیں لیتے تھے انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس راوی

(۱) حلیۃ الاولیاء ۵: ۲۵۱ اور سیوطی نے شرح الصدور: ۸۹

کے جھوٹا ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں۔ مروان بن محمد بھی اسے کذاب کہتے تھے۔

[میزان الاعتدال ۲۹۱:۳ ترجمہ: ۶۳۶۵]

[۶] مولانا صاحب ایک اور قطعی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ومنہا: ما أخرجه أبو نعیم عن عمرو بن دینار قال: ما من ميت إلا وروحه في يد ملك ينظر إلى جسده كيف يُغسل و كيف يُكفن و كيف يُمشى به و يقال له و هو على سريره: إسمع نساء الناس عليك.

[البصائر ۲۲: ۲۷۷ اشارہ ۲۷۷ ترکی]

”اور ان [قطعی دلائل] میں سے ایک وہ ہے جسے ابو نعیم نے عمرو بن دینار سے نقل کیا ہے کہ ہر میت کی روح ایک فرشتہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو اس کے جسد کو دیکھتا ہے کہ اسے کیسے غسل دیا جاتا ہے؟ کفن کیسے پہنایا جاتا ہے؟ اور کس طریقے سے اسے لے جایا جا رہا ہے؟ اور وہ اپنے چار پائی ہوتا ہے کہ اسے کہا جاتا ہے: لوگ تیری جو تعزیتیں کرتے ہیں، اسے سن لیجئے۔“

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے ایک جگہ اسے عمرو بن دینار کا قول کہہ کر نقل کیا ہے۔ [جلد ۱ الاولیاء: ۳۴۹] جس کا راوی عبد اللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریم ہے۔ حافظ ابن عدی لکھتے ہیں:

مصري يُحَدِّثُ عن الفريابي وغيره بالواطيل. [الکامل فی الضعفاء الرجال: ۵: ۴۱۹]

”مصری ہے۔ فربابی وغیرہ سے باطل روایات نقل کرتا ہے۔“

حافظ ذہبیؒ نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے: فإمّا أن يكون مغفلاً أو أنه يتعمد.

[المغنی فی الضعفاء: ۱: ۲۵۳ ترجمہ: ۳۳۲۸]

”وہ ایسا یا تو غفلت کی وجہ سے کرتا ہے یا قصداً۔“

اور ایک جگہ سفیان ثوری کا قول کہہ کر نقل کیا ہے۔ [جلد ۱ الاولیاء: ۷: ۵۴]

اس کا ایک راوی محمد بن علی بن سہل انصاری مروزی ضعیف ہے۔ [الکامل: ۷: ۵۵۸]

اور حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ متساہل ہے۔ [المغنی فی الضعفاء: ۲: ۶۱۷ ترجمہ: ۵۸۴۳]

پھر یہ بھی ہے کہ عمرو بن دینارؒ [وفات: ۱۲۶ھ = ۷۴۳ء] اور سفیان بن سعید ثوریؒ [وفات: ۱۶۱ھ =

۷۷۸ء] نص قطعی بھی نہیں ہیں۔

[۷] مولانا صاحب ایک اور قطعی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنہا: ما أخرجه أبو الشيخ من مرسل عبيد بن مرزوق قال: كانت امرأة تقم المسجد فماتت فلم يعلم بها النبي ﷺ فمرَّ على قبرها فقال: ما هذا القبر؟ قالوا: أم محجن قال: التي كانت تقم المسجد، قالوا: نعم، فصفَّ الناس فصلَّى عليها ثم قال: أيُّ العملِ وجدتَ أفضل؟ قالوا: يا رسولَ الله! أسمع؟ قال: ما أستمع بأسمع منها، فذكر أنها أجابته: قمَّ المسجد. [البصائر: ۲۲، پٹا اور ۲۸، ترکی]

”ان [قطعی دلائل] میں سے ایک وہ ہے جسے ابوالشیخ نے مرسل عبید بن مرزوق کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک خاتون جو مسجد [نبوی] کی صفائی سترائی کرتی تھی وہ مرگئی اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی وفات کی خبر نہ ہوئی۔ آپ ﷺ اُس کی قبر کے پاس سے گزرے تو پوچھا کہ یہ قبر کیسی ہے؟ انہوں نے کہا: اُمِّ مَحْجَن کی قبر ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: وہ جو مسجد کی صفائی سترائی کرتی تھی؟ انہوں نے ہاں میں جواب دیا۔ لوگوں نے صف بنائی تو آپ ﷺ نے نماز [جنازہ] پڑھی پھر اُس [عورت] سے پوچھا: تو نے کس عمل کو افضل پایا؟ انہوں نے سوال کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ سنتی ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس سے اچھے سننے والے نہ ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو جواب دیا کہ مسجد کی صفائی سترائی۔“

یہ روایت صحیحین [صحیح بخاری اور صحیح مسلم] میں بھی ہے جس میں صرف نماز جنازہ تک کا ذکر ہے۔ عبید بن مرزوق کی اس مرسل روایت میں جو اضافہ ہے، مولانا صاحب اُس کو بنیاد بنا کر اسے نص قطعی قرار دیتے ہیں۔ فَيَا ضِيعَةً لِلْعِلْمِ!

مولانا صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ مرسل حدیث کے بارے میں حافظ ابن الصلاحؒ (۱) لکھتے

(۱) عثمان بن عبد الرحمن صلاح الدین بن عثمان بن موسیٰ بن ابی نصر، شہر زوری، کردی، ابو عمرو، تقی الدین ابن الصلاحؒ ۵۷۷ھ = ۱۱۸۱ء کو شہر خان میں پیدا ہوئے، جو شہر زور کے قریب ہے۔ موصِل، خراسان اور بیت المقدس آتے جاتے رہے۔ بیت المقدس کے مدرسہ صلاحیہ میں مدرس تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول حدیث اور اسماء رجال کے بہت بڑے عالم تھے۔ تیرہ سال تک دمشق کے دارالحدیث کے مدرس رہے ہیں۔ دمشق ہی میں ۶۴۳ھ = ۱۲۴۵ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۳: ۲۴۳، الاعلام ۴: ۲۰۷]

ہیں: وماذکرناہ من سقوط الاحتجاج بالمرسل والحکم بضعفه هو المذهب الذي استقرّ عليه آراء جماهير حفاظ الحديث ونقاد الأئمة تداوّلوه في تصانيفهم.

[مقدمۃ ابن الصلاح: ۷۳]

”مرسل حدیث دین میں حجت نہ ہونے اور اس کے ضعیف ہونے کا جو حکم لگایا ہے حدیث نبوی کے جمہور حفاظ و نقاد کی آخری و حتمی رائے یہی ہے اور اسی فیصلہ کو انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔“

امام مسلم^(۱) فرماتے ہیں: المرسل من الروایات في أصل قولنا وقول أهل العلم بالأخبار ليس بحجة. [صحیح مسلم، المقدمة: ۳۰]

”ہمارے اور محدثین کے اصل قول کے مطابق مرسل حجت نہیں۔“

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: المرسل ضعيفٌ لا حجة فيه. [فتح الباری: ۱/۲۵۱: ۵/۱۷۵: ۱۱/۱۹۰: ۲۶۷]

”مرسل ضعیف ہوتی ہے اور حجت نہیں ہوتی۔“

مولانا صاحب نے یہ روایت شرح الصدور [ص: ۳۰] کے حوالے سے لکھا ہے جسے حافظ ابن رجبؒ نے فتح الباری [۲/۵۲۹: ۸] باب کس المسجد [۷۲] میں اور سید آلوسیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی [۲۱-۲۲: ۶] بذیل تفسیر سورة الروم [۳۰: ۵۳] میں ابوالشیخ کی کتاب ثواب الاعمال کے حوالے سے لکھا ہے۔ سید آلوسیؒ نے اس پر اپنا تبصرہ ان الفاظ میں لکھا ہے:

وحديث أبي الشيخ مرسلٌ، وحكم الاستدلال به معروف.

[تفسیر روح المعانی ۲۱-۲۲: ۶، بذیل تفسیر سورة الروم ۳۰: ۵۳]

”ابوالشیخ کی حدیث مرسل ہے اور اس سے استدلال کا حکم جانی پہچانی ہے [کہ نادرست ہے]۔“

[۸] مولانا صاحب ایک اور قطعی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) مسلم بن حجاج بن مسلم، تفسیری، نیشاپوری، ابوالحسن، ۲۰۳ھ = ۸۲۰ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ کبار ائمہ اور

حفاظ حدیث میں سے تھے۔ حجاز، شام اور عراق کے سفر کیے۔ نیشاپور ہی میں ۲۶۱ھ = ۸۷۵ء کو وفات پائی۔

[وفیات الاعیان: ۵/۱۹۳، تذکرۃ الحفاظ: ۲/۵۸۸، الاعلام: ۷/۲۲۱]

وقد قال عليه الصلاة والسلام: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا أُبَلِّغْتُهُ. [البصائر: ۲۳، پشاور: ۲۹، ترکی]

”اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے اوپر میری قبر کے قریب درود بھیجتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔“
[فضائل درود: ۱۸، تسکین الصدور: ۳۳۲]

مولانا صاحب! یہ موضوع روایت ان کتابوں میں موجود ہے۔

[تاریخ بغداد: ۲۹۲، شعب الایمان: ۲۱۸، مشکاة المصابیح، حدیث: ۹۳۳، الجامع الصغیر: ۸۸۱۲]
خطیب بغدادی^(۱) اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں: میں نے محدث ابن نمیر^(۲) سے اس روایت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اس کو چھوڑ دیجئے، اس لیے کہ اس کا راوی محمد بن مروان سدی صغیر لبس بشیء ہے۔ امام یحییٰ بن معین^(۳) فرماتے ہیں: ثقہ نہیں اور محدث صالح بن محمد^(۴) نے فرمایا ہے: موضوع روایات نقل کرتا ہے۔ [تاریخ بغداد: ۲۹۲-۲۹۳]

(۱) احمد بن علی بن ثابت بغدادی، ابوبکر خطیب، حافظ حدیث اور مؤرخ اسلام تھے۔ ۳۹۲ھ = ۱۰۰۲ء کو غزوہ یثرب (بالتصغیر) میں پیدا ہوئے، جو مکہ مکرمہ اور کوفہ کے بالکل درمیان میں مساوی مسافت پر واقع ہے۔ بغداد میں رہائش پذیر تھے اور وہیں ۴۶۳ھ = ۱۰۷۲ء کو وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء: ۱۸، ۲۰، الاعلام: ۱۷۲]
(۲) محمد بن عبد اللہ بن نمیر، حافظ، محدث، شیخ الاسلام، ابوعبد الرحمن ہمدانی، ۱۶۰ ہجری کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ امام احمد اور امام علی بن المدینی کے اقران میں سے تھے۔ علم و عمل کا نمونہ تھے۔ علم، فہم، سنت اور زہد کے جامع تھے۔ ۲۳۳ھ کو وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء: ۱۱، ۳۵۵، ترجمہ: ۱۱۱]

(۳) یحییٰ بن معین [بفتح المیم] بن عون بن زیاد ابو زکریا، سید الحفاظ، ناقد، مؤرخ اور بہت بڑے محدث ہیں۔ جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ اصلاً خرّس سے تعلق تھا۔ انبار کے قریب ۱۵۸ھ = ۷۷۵ء کو قنیانامی گاؤں میں پیدا ہوئے، اُن کے والد حکمہ خراج میں عامل تھے۔ مدینہ منورہ میں ۲۳۳ھ = ۸۴۸ء کو فوت ہوئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: میں نے اپنے ہاتھوں سے لاکھوں احادیث لکھی ہیں۔

[تاریخ بغداد: ۱۴، ۷۷، تذکرۃ الحفاظ: ۲، ۳۹۹، الاعلام: ۸، ۱۷۲]

(۴) صالح بن محمد بن عمرو بن حبیب بن منذر بن ابی الاثرس [عمار] امام، حافظ، کبیر، محدث مشرق، ابوعلی اسدی بغدادی، جزرۃ، نزہۃ، بخاری، ۲۰۵ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ امام مسلم کے استاذ رہے ہیں۔ صدوق اور مثبت تھے۔ مزاح کیا کرتے تھے۔ ۲۹۳ھ کو وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء: ۱۳، ۲۳، ترجمہ: ۱۲]

امام عقیلی^(۱) فرماتے ہیں: یہ روایت بے اصل ہے۔ اعمش سے اس کا کوئی ثبوت نہیں اور یہ

روایت محفوظ نہیں ہے۔ [الضعفاء الکبیر ۴: ۱۳۷]

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: وهذا قد رواه محمد بن مروان السدي عن الأعمش عن أبي

صالح عن أبي هريرة ؓ وهذا هو السدي الصغير، وليس بثقة، وليس هذا من حديث

الأعمش. [مجموع الفتاوى ۱: ۱۹۸]

”اسے محمد بن مروان سدی نے اعمش از ابی صالح از سیدنا ابو ہریرہؓ (۳) کی روایت سے نقل کیا ہے اور یہ سدی صغیر غیر ثقہ تھا۔ نیز یہ روایت اعمش کی مرویات میں سے بھی نہیں ہے۔“

یہ بھی ارشاد فرمایا: وهذا إنما يرويه محمد بن مروان السدي عن الأعمش، وهو كذاب

بالإتفاق، وهذا الحديث موضوع على الأعمش بإجماعهم. [مجموع الفتاوى ۲: ۱۰۹]

”محمد بن مروان سدی صغیر اعمش کا نام لے کر اسے نقل کرتا ہے حالانکہ محدثین کے ہاں بالاتفاق

کذاب تھا اور یہ روایت ان کے اجماع کے مطابق اعمش پر وضع کی گئی ہے۔“

علامہ ابن عبدالبہادیؒ (۲) فرماتے ہیں: قلت: هذا الحديث موضوع على رسول الله ﷺ

ليس له أصل، ولم يحدث به أبو هريرة، ولا أبو صالح، ولا الأعمش، ومحمد بن مروان

السدي متهم بالكذب والوضع. [الصارم المنكى ۲: ۲۱۶]

”یہ روایت موضوع ہے اسے نہ تو سیدنا ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے نہ ابو صالح نے اور

(۱) محمد بن عمرو عقیلی بن ابوجعفر، حافظ حدیث تھے۔ کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ حرثین شریفین میں اقامت

تھی۔ ۳۲۲ھ = ۹۳۳ء کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۳: ۸۳۳، الاعلام ۶: ۳۱۹]

(۲) محمد بن احمد بن عبدالبہادی بن عبدالحمد بن عبدالبہادی شمس الدین ابو عبد اللہ ابن قدامہ مقدسی جماعی دمشقی

صالحی، حافظ حدیث تھے۔ ادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اپنے جد اعلیٰ کی طرف منسوب ہو کر ابن عبدالبہادی

کہلائے۔ ۴۰۵ھ = ۱۳۰۵ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی کے شاگرد رہے ہیں۔ ۷۰۰ھ سے اوپر

کتابیں لکھیں۔ ۴۴۳ھ = ۱۳۴۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔

[الدرر الکبریٰ ۳: ۳۳۱، ترجمہ: ۸۸۸، الاعلام ۵: ۳۲۶]

(۳) ابو ہریرہؓ مشہور صحابی ہیں ان کے نام کے سلسلے میں محدثین و مؤرخین کے مابین اختلاف موجود ہے.....

نہ اعمش نے بلکہ اسے محمد بن مروان نے وضع کیا ہے جو بڑا جھوٹا تھا اور روایات وضع کیا کرتا تھا۔“
حافظ ابن جوزی^(۱) حافظ ذہبی^(۲) اور علامہ مناوی^(۳) اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

[الموضوعات: ۱: ۳۰۳، ۳۳: میزان الاعتدال: ۴، ۳۳: فیض القدير: ۶: ۱۷۰]

حافظ ابن قیم^(۴) اس قسم کی ایک روایت ان الفاظ میں لکھتے ہیں: ابوالشیخ [اصباحی] نے اپنی کتاب الصلاة على النبي ﷺ میں عبد الرحمن بن احمد الاعرج، از الحسن بن الصباح، از ابو معاوية، از اعمش، از ابو صالح، از سيدنا ابو هريرة ﷺ مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ مِنْ بَعِيدٍ أَعْلِمْتُهُ.

[جلاء الافهام: ۹۲، حدیث: ۳۳]

”جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اُسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دُور سے درود پڑھا تو وہ مجھے [بواسطہ فرشتوں کے] بتلایا جاتا ہے۔“ [تسکین الصدور: ۳۱۸-۳۱۹]

حافظ ابن قیم^(۵) اس روایت کو غریبِ جَدَّ اُکھتے ہیں۔ [جلاء الافهام: ۹۲، حدیث: ۳۳]

حافظ ابن قیم^(۶) نے اس روایت کو بروایت معاوية بن الأعمش نقل کیا ہے اس سلسلہ میں علامہ ابن عبد البہادی^(۷) فرماتے ہیں: وقد روى بعضهم هذا الحديث من رواية أبي معاوية عن الأعمش، وهو خطأ فاحش، وإنما هو حديث محمد بن مروان، تفرد به، وهو متروك الحديث، متهم بالكذب. [الصارم المكي: ۲۱۶]

”اس روایت کو بواسطہ ابو معاوية نقل کرنا صریح غلط ہے یہ بواسطہ محمد بن مروان منقول ہے جو اس

..... اس بارے میں ان کے اشارہ احوال ملتے ہیں۔ ایک جم غفیر کے نزدیک ان کا نام عبد الرحمن بن صحر تھا۔ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے اُن کے مرویات کی تعداد ۵۳۷ ہے۔ ۸۰۰ کے لگ بھگ ان کے شاگرد تھے۔ ۵۹ھ

= ۶۷۹ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ [تلفیح فہوم اہل الاثر: ۳۶۳، الاعلام: ۳: ۳۰۸]

(۱) عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی قرشی بغدادی، ابوالفرج، بغداد میں ۵۰۸ھ = ۱۱۱۳ء کو پیدا ہوئے۔ حدیث تفسیر، تاریخ اور مواعظ کے کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ تین سو کے قریب کتابیں لکھیں۔ مقام جوز پر پانی کے ایک گھاٹ کی طرف ان کے آباء و اجداد میں سے کوئی ایک منسوب تھے اسی لیے ابن جوزی کہلائے۔ ۵۹۷ھ =

۱۲۰۱ء کو بغداد ہی میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان: ۳: ۱۴۰، تذکرۃ الحفاظ: ۴: ۳۴۲، الاعلام: ۳: ۳۱۶]

کے نقل کرنے میں منفرد ہے اور وہ متروک الحدیث اور جھوٹ بولنے سے متہم تھا۔“
حافظ ابن قیمؒ اس روایت کو غریب جدًّا فرمانا بالکل درست ہے اس لیے کہ ابوالشیخ اصہبائی کا استاذ عبدالرحمن بن احمد الاعرجؒ اس قدر گم نام [مجهول/مستور] ہے کہ اُن کا تذکرہ اسماء الرجال کی متداول کتابوں میں نہیں ملتا اور اگر ملتا ہے تو صرف حافظ ابو نعیمؒ کی اخبار اصہبان ۱: ۲۹۲، ۲: ۱۱۳ میں جن سے قاضی ابواحمد محمد بن احمد بن ابراہیمؒ نے روایت لی ہے۔ معلوم ہوا کہ اُن کے شاگرد اس کی ساری زندگی میں صرف دو ہوئے: ایک ابوالشیخ اصہبائی اور دوسرا قاضی ابواحمد محمد بن احمد ابن ابراہیمؒ پھر حافظ ابو نعیمؒ نے عبدالرحمن بن احمد الاعرجؒ کی توثیق نہیں کی ہے اس لیے اس مجہول شخص کی روایت دلیل میں پیش نہیں کی جاسکتی، خصوصاً باب عقائد میں اسے پیش کرنا حق و انصاف کا خون کرنا ہے۔

سوال: حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: أخرجه أبو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد.

[فتح الباری ۶: ۲۸۸، کتاب احادیث الانبیاء ۶۰] باب قول اللہ: واذکرفی الکتاب مریم [۲۸] بذیل حدیث: [۳۲۳۱]
”اسے ابوالشیخؒ نے جید سند کے ساتھ کتاب الثواب میں نقل کیا ہے۔“

اور حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں: قلت: وسنده جيد، کما أفاده شيخنا.

[القول البدلی فی الصلاۃ علی الخیب الشفیع: ۳۲۵، تحقیق: استاذ ابوعوامۃ]

”میں [حافظ سخاویؒ] کہتا ہوں اس کی سند جید ہے جیسا کہ ہمارے شیخ [حافظ ابن حجر] نے فرمایا ہے۔“

جواب: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: مجهول الحال [مستور] وہ مُقِل [کم حدیث والا] راوی ہے جس سے نام لے کر ایک سے زائد راویوں نے روایت کی ہو مگر کسی امام نے اُس کی توثیق نہ کی ہو۔

مجهول الحال کو مستور بھی کہتے ہیں: وإن رَوَى عنه اثنان فصاعداً ولم يوثق فهو مجهول

الحال وهو المستور. [شرح نخبہ الفکر: ۱۰۰]

جمہور کے نزدیک مستور کی روایت مقبول نہیں ہے وہ تب روایت کو قبول کرتے ہیں جب راوی کا ثقہ ہونا متحقق ہو جائے اور چونکہ مستور کا حال مخفی ہے اس لیے اُس کی روایت قبول نہیں ہوگی اس

باب میں تحقیقی بات یہ ہے کہ کسی مقبول راوی کی روایت اُس وقت تک مقبول یا مردود نہیں ہوگی جب تک اُس کی حالت واضح نہ ہو جائے۔ وقد قبل روايته جماعة بغير قيد وردها الجمهور والتقصي: أن رواية المستور ونحوه مافية الاحتمال لا يُطلق القول بِرَدِّها ولا يَقْبُولُها بل هي موقوفة إلى إستبانة حاله كما جزم به إمام الحرمين. [شرح نخبه الفكر: ۱۰۰-۱۰۱]

حافظ صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں: الجهالة تستوجب ضعف الحديث ولا حجة في رواية المجهول. [فتح الباری: ۱/۲۳۶: ۳۲۳۸: ۶۳۵: ۹۷۴: ۱۰۱۷: ۲۰: ۱۹۵]

”جہالت، حدیث کے ضعف کا موجب ہے اور مجہول کی روایت میں کوئی حجت نہیں۔“

اور یہ بھی لکھتے ہیں: ليس بمجهول من روى عنه أربعة ثقات. [الهدى السارى: ۳۹۸]

”جس راوی سے چار ثقہ راویوں نے روایت کی ہو وہ مجہول نہیں رہتا۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی کے ان اقوال کے تناظر میں معلوم ہوا کہ اس روایت کو جید کہنا حافظ صاحب موصوف کا تسامح ہے۔ عَافَانَا اللَّهُ وَ إِيَّاهُ (۱)۔

(۱) شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر لکھتے ہیں: ”مشہور محدث امام دارقطنی [وفات: ۳۸۵ھ] لکھتے ہیں کہ: وارتفاع اسم الجهالة أن يروي عنه رجلان فصاعداً فإذا كان هذه صفته ارتفع عنه اسم الجهالة وصار حينئذ معروفاً. [الدارقطنی ۳۶۱: ۴] وفي نسخة دارنشر الكتب الإسلامية ۱۷۴: ۳ [”جب دو یا دو سے زیادہ راوی کسی سے روایت کریں تو وہ جہالت کے دائرہ سے نکل جاتا ہے اور جب یہ صفت اس میں پائی جائے تو وہ مجہول نہیں رہتا بلکہ معروف ہو جاتا ہے۔“]

امام دارقطنی کے اس ضابطہ کے مطابق عبد الرحمن بن احمد الاعرج مجہول نہیں بلکہ معروف ہے اور عن قریب ذکر ہوگا کہ حافظ ابن حجر اور امام سخاوی وغیرہ محدثین اس حدیث کی سند کو جید کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ عبد الرحمن بن احمد الاعرج تو مجہول الحین ہیں اور نہ مجہول العدالت بلکہ ثقہ ہے لہذا ان کو مجہول قرار دے کر ان کی حدیث سے اعراض کرنا علم و انصاف سے کوسوں دور ہے۔ [تسکین الصدور: ۳۱۸، بذیل چھٹی دلیل]

محترم شیخ الحدیث صاحب کی خدمت اقدس میں مؤدبانہ عرض ہے کہ:

۱- حافظ ابن حجر عسقلانی کے قول: وإن روى عنه اثنان فصاعداً ولم يوثق فهو مجهول الحال وهو المستور. [شرح نخبه الفكر: ۱۰۰] کے تناظر میں عبد الرحمن بن احمد الاعرج مجہول ہے۔ امام دارقطنی کا قول پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب کہ اس بارے میں حافظ ابن حجر کا اپنا قول موجود ہے؟

۲- آپ کے اس قول پر کہ ”نافع بن محمود مجہول ہیں۔“ مولانا مبارک پوری صاحب نے فرمایا تھا کہ ”نافع بن محمود سے محمول اور حرام بن حکیم روایت کرتے ہیں لہذا یہ مستور نہ ہوں گے۔“ جس کے جواب میں آپ نے اپنی کتاب احسن الکلام فی ترک القراءة خلف الامام ایک طویل بحث کی ہے جو من وعن سپرد قلم ہے اب یہ آپ پر ہے کہ آپ کے نزدیک آپ کی ان ہر دو تحقیقات میں کون سی تحقیق درست اور کون سی نادرست ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

” (۲) امام ابن حبانؒ اور دارقطنیؒ کا توثیق رجال کے بارے میں مسلک ہی جمہور محدثین سے الگ ہے۔ جمہور تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی راوی سے دوراویوں نے روایت کی ہو اور اُس کی توثیق کسی سے ثابت نہ ہو (حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ مفرد خود یا غیر جب کہ توثیق کا اہل ہو اور اُس کی توثیق کرے تو صحیح قول پر وہ ثقہ ثابت ہو جائے گا۔ شرح نخبة الفكر ص: ۷۰) اور اسی قاعدہ سے مؤلف خیر الکلام نے ص: ۲۳۶ میں سہارا لیا ہے لیکن شرح نخبة الفكر ص: ۷۰ میں اسی قول کے رد میں لکھا ہے: الصحيح الذي عليه أكثر العلماء من أهل الحديث وغيرهم أنه لا يُقبل مطلقاً كما أكثر محدثين وغيرهم کے نزدیک مطلقاً یہ توثیق غیر مقبول ہے (تو وہ مجہول و مستور ہی رہتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:

إن روى عنه اثنان فصاعداً ولم يؤثق فهو مجهول الحال وهو المستور. [شرح نخبة الفكر: ص: ۷۰]

” اگر کسی شخص سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت بیان کریں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو تو وہ مجہول الحال

ہوتا ہے اور وہی مستور کہلاتا ہے۔“

اور امام ابن الصلاحؒ [وفات: ۶۴۳ھ] نے نچلے دوراویوں کے عادل ہونے کی قید بھی لگائی ہے۔ [شرح شرح نخبة الفكر ص: ۱۵۴، طبع مصر] لیکن امام ابن حبانؒ اور امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص سے دوراویوں نے روایت کی ہو تو وہ مجہول نہیں رہتا اور اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے چنانچہ امام دارقطنیؒ لکھتے ہیں:

وارتفاع اسم الجهالة له عنه أن يروي عنه رجلان فصاعداً فإذا كانت هذه صفته ارتفع عنه اسم الجهالة وصار حينئذ معروفاً. [دارقطنی جلد ۲ صفحہ: ۳۶۱، وفي نسخة دار نشر الكتب الإسلامية ۱۷۴۰: ۳]

”راوی سے جہالت کا اسم اس وقت اٹھتا ہے جب کہ اس سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں جب ایسا ہو تو اس سے جہالت کا اسم مرتفع ہو جاتا ہے اور وہ راوی معروف ہو جاتا ہے۔“

اور علامہ سخاویؒ [وفات: ۹۰۲ھ] نے ان کا مسلک یوں نقل کیا ہے کہ: من روى عنه ثقتان فقد ارتفعت جهالته وثبتت عدالته. [فتح المغیث ص: ۱۳۷، وفي نسخة المدينة المنورة: ۲۹۸]

”جس شخص سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو اُس سے جہالت رفع ہو جاتی ہے اور اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔“

مطلب یہ ہوا کہ جمہور کے نزدیک اس صورت میں راوی اگرچہ مجہول الحین نہیں رہا مگر مجہول الوصف اور مجہول

الحال بدستور ہے گا لیکن امام داغستانی وغیرہ کے نزدیک باوجود مجہول الحال اور مستور ہونے کے وہ عادل ہو جاتا ہے اور اس کی حدیث حسن، صحیح اور جید ہو جاتی ہے اور جمہور نہ تو اس کو ثقہ اور عادل تسلیم کرتے ہیں اور نہ اس کی روایت کو قبول کرتے ہیں چنانچہ علامہ خطیب الشافعیؒ [وفات: ۴۶۳ھ] لکھتے ہیں کہ:

قلت: إلا أنه لا يثبت له حكم العدالة بروايتهم عنه، وقد زعم قوم أن عدالته تثبت بذلك ونحن نذكر فساد قولهم بمشبهة الله تعالى وتوفيقه. [الكفاية في علم الرواية ص: ۸۹]

”میں [خطیب بغدادی] کہتا ہوں کہ ایسے مجہول راوی سے دور اویوں کی روایت کر لینے سے اس کی عدالت ثابت نہیں ہو سکتی اور ایک قوم نے (مثلاً ابن حبانؒ اور دارقطنیؒ وغیرہ۔ صفرہ۔) یہ خیال کیا ہے کہ اس طرح اس کی عدالت ثابت ہو جائے گی مگر ہم ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس قول کا فساد اور بطلان ذکر کریں گے۔“ اور جو مسلک امام دارقطنیؒ کا ہے سو وہی نظریہ امام ابن حبانؒ کا ہے چنانچہ اس کی تصریح موجود ہے کہ:

وتبعه ابن حبان إذ العدل عنده من لا يعرف فيه الجرح. [شرح شرح نخبة الفكر ص: ۷۱]

”ابن حبانؒ بھی اسی نظریہ کے حامی ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک بھی ثقہ وہ ہے جس پر کوئی جرح معلوم نہ ہو۔“ علامہ ذہبیؒ، عمار بن حدیدؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: إنه مجهول ولا تفرح بذكر ابن حبان له في الثقات فإن قاعدته معروفة من الإحتجاج لمن لا يعرف.

[ميزان الاعتدال، جلد ۲، صفحہ ۳۲۲؛ طبع دار المعرفۃ ۱۷۵:۳، ترجمہ: ۶۰۲۰]

”وہ مجہول ہے اور اس پر خوش مت ہو کہ ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اس لیے کہ ان کا قاعدہ ہی یہ مشہور ہے کہ مجہول راویوں سے بھی احتجاج کر لیتے ہیں۔“

اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ: ويحیی الكندي غير معروف ذكره البخاري وابن أبي حاتم ولم يذكر فيه جرحاً وذكره ابن حبان في الثقات كعادته فيمن لم يجرح.

[فتح الباری، پ: ۲۱، ص: ۵۴، باب ما يحل من النساء وما يحرم، طبع دار نشر الكتب الاسلامیہ ۱۵۶:۹]

”یحییٰ الکندی مجہول ہے۔ امام بخاریؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس پر انہوں نے جرح ذکر نہیں کی اور ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں لکھا ہے جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ جن راویوں پر جرح نہیں ہوتی وہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔“

ان تمام شخصوں کے حوالوں سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ جس راوی کو امام دارقطنیؒ اور امام ابن حبانؒ ثقہ اور عادل کہتے ہیں وہ جمہور کے نزدیک بدستور مجہول الحال اور مستور رہتا ہے اس لیے ان کے نافع کو ثقہ کہنے میں اور جمہور کے اس کو مستور اور مجہول کہنے میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ:

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا

آخر کو ہم دونوں درجائیاں پہنچا لے

[احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام ۱۰۱:۲-۱۰۳، طبع نیم ۲۰۰۰ء]

[۹] مولانا صاحب ایک اور قطعی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنہ: ما ذکر فی الکبیری: إن المیت لا یزال یسمع الأذان مالہ یطین ولا شک أن لفظ لا یزال یدلّ علی الدوام لأن نفی النفی ثبات. [البصائر: ۲۵، پشاور: ۳۱ ترکی]

”ان دلائل [قطعیہ] میں سے ایک وہ ہے جسے کبیری [شرح منیۃ المصلیٰ] میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب تک قبر کی لپائی نہ کی جائے اُس وقت تک مُردہ قبر کے اندر سے اذان کی آواز سنتا رہتا ہے اور لا یزال کے الفاظ دوام پر دلالت کرتی ہیں اس لیے کہ نفی کی نفی کا مطلب اثبات ہوتا ہے۔“

اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: لا یزال المیت یسمع الأذان مالہ یطین قبرہ۔

[الفردوس حدیث: ۵۸۷، زہر الفردوس ۴: ۲۱۱، کبیری: ۵۹۹]

”جب تک قبر کی لپائی نہ کی جائے اُس وقت تک مُردہ قبر کے اندر سے اذان کی آواز سنتا رہتا ہے۔“ [سماع الموقیٰ، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفحہ: ۲۳۱]

حافظ ابن جوزی فرماتے ہیں: یہ روایت موضوع ہے اور اس کی سند میں کئی کمزوریاں ہیں: - حسن بصریؒ کی سیدنا ابن مسعودؓ سے سماع ثابت نہیں۔

- اس کی سند میں کثیر بن شطیر ہے جس کے بارے میں امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں:

لیس بشیء تھا۔ [التاریخ: ۲: ۳۹۳، ۴: ۲۱۲]

- اس کی سند میں ابو مقاتل سمرقندی [حفص بن مسلم] کے بارے میں امام عبدالرحمن بن مہدیؒ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اس سے روایت لینا جائز نہیں۔ [الضعفاء واللمز وکین ابن جوزی: ۲۲۱]

- اس کی سند میں محمد بن قاسم طایکانی بھی ہے جس کے بارے میں امام حاکمؒ فرماتے ہیں:

اس نے کئی موضوع روایات نقل کی ہیں۔ [المدخل الی الصحیح: ۲۱۰، ترجمہ: ۱۹۵]

یہ راوی کذابین و دواعین کے رؤساء میں سے تھا۔ [الموضوعات: ۳: ۲۳۸]

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: اس کی سند باطل ہے اور اس کا راوی محمد بن قاسم طایکانی کذاب تھا۔ [تلخیص الجبر: ۲: ۱۳۳]

امام ابن عراقؒ اور امام محمد طاہر ہندیؒ بھی اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

[تذریۃ الشریعۃ المرفوعہ: ۲: ۲۶۳، تذکرۃ الموضوعات: ۲۱۹]

مسئلہ توسل

وسیلہ کا لغوی معنی

علامہ جوہری (۱) لکھتے ہیں: الوسیلة: مَا يَتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى الْغَيْرِ وَالْجَمْعُ: الْوَسِيلُ وَالْوَسَائِلُ. وَالتَّوَسَّلَ وَالتَّوَسَّلَ وَاحِدًا. يُقَالُ: يَتَوَسَّلُ فُلَانٌ إِلَى رَبِّهِ وَوَسِيلَةٌ تُتَوَسَّلُ إِلَيْهِ بِوَسِيلَةٍ أَيْ: تَقَرَّبَ إِلَيْهِ بِعَمَلٍ. [الصالح ۵: ۱۸۴]

”وسیلہ وہ عمل ہے جس کے ذریعہ کسی کا قرب حاصل کیا جاتا ہے اس کی جمع وسیل اور وسائل ہے۔ توسل اور توسل ایک ہی ہیں۔ وَتَوَسَّلَ فُلَانٌ إِلَى رَبِّهِ وَوَسِيلَةٌ أَوْ تَوَسَّلَ إِلَيْهِ بِوَسِيلَةٍ کا معنی ہے: تَقَرَّبَ إِلَيْهِ بِعَمَلٍ، یعنی: عمل کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کیا۔“

امام راغب اصفہانی [الوقایم حسین بن محمد] وفات: ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

الوسيلة: التوصل إلى الشيء برغبة وهي أخص من الوسيلة لتضمنها لمعنى الرغبة. [المفردات في غريب القرآن: ۵۲۳-۵۲۴]

”وَسِيلَةٌ کے معنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں، لہذا [مفہوم کے اعتبار سے] یہ لفظ وَصِيلَةٌ سے زیادہ خاص ہے [کیونکہ وَصِيلَةٌ کے معنی کسی چیز تک پہنچنے کے ہیں] اور اس [وَسِيلَةٌ] کے معنی رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں۔“

امام بغوی لکھتے ہیں: الوسیلة: الْقُرْبَةُ فَعِيلَةٌ مَنْ تَوَسَّلَ إِلَى فُلَانٍ بِكَذَا أَيْ: تَقَرَّبَ إِلَيْهِ وَجَمَعُهَا وَسَائِلٌ. [معالم التنزيل ۲: ۲۷-۲۸، بذیل تفسیر سورة المائدة ۵: ۳۵]

(۱) اسماعیل بن حماد جوہری البصر، جس نے سب سے پہلے پرندوں کی طرح اڑنا چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکے اور اسی کوشش میں ۳۹۳ھ = ۱۰۰۳ء کو وفات پائی۔ اُن کا تعلق فاراب سے تھا۔ بچپن میں عراق چلے آئے وہاں سے حجاز مقدس اور وہاں سے واپس خراسان آئے اور نیشاپور میں رہائش اختیار کی۔

[معجم الادباء ۲: ۲۶۹، الاعلام ۱: ۳۱۳]

”وَسِيلَةٌ، فَعِيلَةٌ کے وزن پر قُرب کے معنی میں ہے۔ نَوَسَّلَ إِلَى فَلَانٍ بكذا کے معنی ہیں:
تَقَرَّبَ إِلَيْهِ، یعنی اُس کا قرب حاصل کیا اس کی جمع وسائل ہے۔“

وسیلہ کا شرعی معنی

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: وَحَقِيقَةُ الْوَسِيلَةِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مُرَاعَاةُ سَبِيلِهِ بِالْعِلْمِ وَ
الْعِبَادَةِ وَتَحَرِّيِ مَكَارِمِ الشَّرِيعَةِ وَهِيَ كَالْقُرْبَةِ وَالْوَاسِلُ: الرَّائِغُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى.

[المفردات فی غریب القرآن: ۵۲۴]

”توسل الی اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ علم و عبادت اور مکارم شریعت کی بجا آوری سے طریق الہی کی
محافظت کا خیال رکھا جائے۔ یہی معنی تقرب الی اللہ کا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے
والے کو واسِلٌ کہا جاتا ہے۔“

قرآن مجید میں وارد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. [سورة المائدة: ۵: ۳۵]

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اُسی کے تقرب کے طالب بنو اور اُس کی راہ میں برابر
سرگرم کار رہو تاکہ فلاح پاؤ۔“

وسیلہ کے معنی قربت کے ہیں اور اِلَیْہِ کی تقدیم سے حصر کا مضمون پیدا ہو گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا
قرب اور اُسی کا تقرب ڈھونڈو جس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام و حدود کی پوری پوری
پابندی کرو اور اُن کی خلاف ورزی کے نتائج سے ڈرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے بندوں کے درمیان واسطہ اور وسیلہ کتاب اللہ اور شریعت ہی ہے جیسا کہ
قرآن مجید میں ہے: وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا. [سورة آل عمران: ۱۰۳]
”اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑو اور پراگندہ نہ ہو۔“

حَبْلُ کے معنی رسی کے ہیں۔ اپنے اسی معنی سے ترقی کر کے یہ لفظ تعلق اور ربط کے مفہوم میں
استعمال ہوا ہے اس لیے کہ رسی دو چیزوں میں ربط و تعلق کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ایک حماسی شاعر کا
شعر ہے:

وَلَكِنِّي وَصَلْتُ الْحَبْلَ مِنْهُ مُوَاصَلَةً بِحَبْلِ أَبِي بَيَانَ

”لیکن میں نے اس سے اپنا تعلق جوڑے رکھا، ابو بیان کے تعلق سے وابستگی کی بنا پر۔“

پھر مزید ترقی کر کے یہ لفظ معاہدہ کے مفہوم میں بھی استعمال ہونے لگا اس لیے کہ رسی جس طرح دو چیزوں کو ایک ساتھ باندھ دیتی ہے اسی طرح معاہدہ بھی دو قوموں کو ایک دوسرے سے باندھ دیتا ہے۔ معاہدہ کے مفہوم میں یہ لفظ خود قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا تَفَقَّوْا لَا يَبْحِلُ مِنَ اللَّهِ وَحِبْلٌ مِنَ النَّاسِ وَبَاءٌ وَابِغْضِبِ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمُسْكَنَةُ. [سورة آل عمران ۱۱۳]

”وہ جہاں کہیں بھی ہیں اُن پر ذلت تھوپ دی گئی ہے۔ بس کچھ سہارا ہے تو اللہ اور لوگوں کے کسی عہد کے تحت۔ وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں اور اُن پر پست ہمتی تھوپ دی گئی ہے (۱)۔“

(۱) ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ یعنی جس طرح دیوار پر گیلی مٹی تھوپ دی جاتی ہے اسی طرح ان پر ذلت تھوپ دی گئی ہے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ انہوں نے عزت کی جگہ ذلت کی راہ اختیار کی تو ان پر پوری طرح ذلت مسلط کر دی گئی۔

أَيْنَ مَا تَفَقَّوْا: سے ذلت کے احاطہ اور اس کی ہمہ گیری کی طرف اشارہ ہے کہ جہاں کہیں بھی یہ ہیں، ذلت ان پر مسلط ہے یہاں تک کہ اپنے مرکز میں بھی یہ ذلیل و خوار ہیں۔ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں ان کو عزت حاصل ہو اور یہ اپنی کمر کے بل بوتے پر کھڑے ہوں۔

لَا يَبْحِلُ مِنَ اللَّهِ وَحِبْلٌ مِنَ النَّاسِ: میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر یہ کہیں قائم ہیں تو اپنی سطوت و عزت کے اعتماد پر نہیں بلکہ یا تو اللہ والوں کے کسی معاہدے نے ان کو امان دے رکھی ہے یا اپنے پاس پڑوس کے قبائل سے انہوں نے اس قسم کا کوئی سہارا حاصل کر رکھا ہے۔ یہ سہارے وقتی اور عارضی ہیں۔

اس زمانے میں یہودی کا نام نہاد سلطنت ”اسرائیل“ بھی اسی حکم میں داخل ہے وہ بھی درحقیقت اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ بِحَبْلِ مِنَ النَّاسِ امریکہ اور انگلستان کے سہارے پر کھڑی ہے اور جو چیز دوسرے کے سہارے پر کھڑی ہو اس کا کھڑا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمُسْكَنَةُ: مسکن سے مراد بے حوصلگی اور پست ہمتی ہے۔ قرآن مجید نے اہل کتاب کی پست ہمتی کو نہایت حقیقت افروز تمثیلوں سے جگہ جگہ واضح فرمایا ہے۔ ان تمثیلوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہود پر دنیا پرستی کا اتنا غلبہ تھا کہ آخرت کی طلب اور اس کے لیے ایثار و قربانی کا کوئی حوصلہ ان کے اندر باقی رہ ہی نہیں گیا تھا۔ وہ آخرت کے بڑے سے بڑے نسبہ [قرض ثواب] کے لیے اپنی دنیا کے چھوٹے سے چھوٹے نقد کو قربان کرنے کی بھی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے تھے۔ [تذکرہ قرآن ۱۶۱:۲-۱۶۲]

اس آیت میں جبل سے مراد قرآن مجید ہے اس لیے کہ یہی ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان ایک عہد و میثاق ہے اس کو مضبوطی سے پکڑنے کی یہی شکل ہو سکتی ہے کہ ہم اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑیں جو ہمارے اور اُس کے درمیان واسطہ ہے۔

سورۃ آل عمران کی اس آیت کے تناظر میں کتاب اللہ اور شریعت کو مضبوطی سے تھامنا ہی اللہ تعالیٰ سے قربت کا واسطہ ہے۔ گویا آیت میں تنبیہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ اور اُس کی شریعت سے بر پروا ہو کر دوسروں کا تقرب ڈھونڈا اور ان کو اپنی نجات و فلاح کا ضامن سمجھے بیٹھے ہیں وہ بڑی غلط امیدوں اور بڑے ہی غلط سہاروں پر جی رہے ہیں۔ فوز و فلاح کی راہ یہی ہے کہ اللہ ہی سے ڈرو اور اسی کا قرب ڈھونڈو۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ اس بات کی بھی تصریح ہے کہ ملائکہ۔ جن کو نادانوں نے اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ سمجھ کر معبود بنایا۔ وہ خود ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے لیے ساعی و سرگرم اور اس کے عذاب ڈرتے رہتے ہیں: **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَ اللَّهِ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا**۔ [سورۃ بنی اسرائیل: ۵۷]

”وہ لوگ جن کو یہ [مشرکین] پکارتے ہیں خود اپنے رب کے حصول کے لیے ساعی رہتے ہیں کہ کون زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرتا ہے اس کی رحمت کی امید کرتے ہیں اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے۔“

وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَفْظ ”جہاد“ یہاں وسیع معنوں میں ہے اس سے مراد ہر وہ سعی و سرگرمی اور ہر وہ محنت و کوشش ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اُس کے دین کے قیام اور اُس کی رضا طلبی کی راہ میں کی جائے عام اس سے کہ وہ تلوار کے ذریعے سے ہو یا اپنی دوسری قوتوں، صلاحیتوں اور اسباب و وسائل سے۔ یہ گویا وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ کا عملی ثبوت ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے قربت کا طالب اُس کی راہ میں ہر لمحہ سرگرم عمل رہے۔

نظم کلام کے پہلو سے یہ اس سے پہلے مذکور تعزیری احکام اور آگے چوری کی سزا کے حکم کے بیچ میں مسلمانوں کو تنبیہ و تذکیر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام و حدود کی پابندی کے معاملے میں دوسری

امتوں کی طرح تم ڈھیلے نہ پڑنا۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق اس کی شریعت ہی کے واسطے سے قائم ہوتا ہے اس کے سوا فلاح کی کوئی اور راہ نہیں ہے۔ اگر اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر تم یہود و نصاریٰ کی طرح دوسرے سہاروں پر اعتماد کر بیٹھے تو یہ سہارے نافع ہونے کے بجائے صرف موجب وبال ہوں گے۔ [تدبر قرآن ۲: ۵۱۰-۵۱۱]

وسیلہ کی قسمیں

بنیادی طور پر وسیلہ کی دو قسمیں ہیں: مشروع اور غیر مشروع
مشروع وسیلہ کی قسمیں

[۱] اسماءِ حسنیٰ اور صفاتِ عالیہ کے وسیلہ سے دعاء

مشروع وسائل میں یہ سب سے اعلیٰ اور افضل وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا. [سورة الاعراف: ۷: ۱۸۰]

”اور اللہ کے نہایت اچھے نام ہیں پس اُس سے ان [ناموں کے وسیلہ] سے دعاء مانگو۔“

علامہ حصکفی^(۱) اور علامہ شامی^(۲) لکھتے ہیں: فی التاثر خانۃ معزياً للمنتقی عن أبي يوسف عن

أبي حنيفة: لا ينبغي لأحد أن يدعو الله إلا به، والدعاء المأذون فيه المأمور به ما استفيد

من قوله تعالى: وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا. [رد المحتار مع الدر المختار: ۵: ۲۸۰-۲۸۱]

”فتاویٰ تاثر خانہ میں بحوالہ مُنتَقِی امام ابو یوسف^(۲) کے سند کے ساتھ امام ابو حنیفہ^(۱) سے اُن کا یہ

(۱) محمد بن علی بن محمد الحصنی، عرف علاء الدین الحصکفی، منسوب بہ حصن کیفاد [کیفا و قلعہ] جو

جزیرہ ابن عمرو یا قرقین کے مابین واقع ہے۔ قیاس تو یہ ہے کہ انہیں الحصنی کہا جاتا لیکن خلاف قیاس

الحصکفی کہلائے۔ ۱۰۲۵ھ = ۱۶۱۶ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ عالی ہمت، فاضل اور احتاف کے مفتی

تھے۔ دمشق ہی میں ۱۰۸۸ھ = ۱۶۷۷ء کو فوت ہوئے۔ [طرب الامثل، ترجمہ: ۳۸۳، الاعلام ۶: ۲۹۳]

(۲) یعقوب بن ابراہیم بن حبیب الانصاری الکوفی البغدادی ابو یوسف امام ابو حنیفہ کے سب سے قریبی ساتھی ہیں۔

کوفہ میں ۱۱۳ھ = ۷۳۱ء کو پیدا ہوئے۔ فقیہ، علامہ اور حافظ حدیث تھے۔ مہدی ہادی اور ہارون الرشید کے عہد میں

قاضی اور چیف جسٹس رہے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق سب سے پہلے اصول فقہ کی تدوین کی۔ تفسیر

مغازی اور ایامِ عرب کے بلاء اُفَعَت امام ہیں۔ ۱۸۲ھ = ۷۹۸ء کو وفات پائی۔

[تاریخ بغداد ۱۳: ۲۳۲، الاعلام ۸: ۱۹۳]

ارشاد منقول ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کی ذات کے سوا کسی اور ذریعہ سے پکارے اور جس دعاء کا حکم اور اجازت دی گئی ہے وہ آیت کریمہ: وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوهُ بِهَا کے مطابق ہے۔“

شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يَتْرِكْ لِعَبْدِهِ حِجَّةً عَلَيْهِ بَلْ لِلَّهِ الْحِجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَا يَتَوَسَّلُ إِلَيْهِ بغيره، إنما هو طَلَبُ الْقَرَبِ وَقَدْ أَخْبَرَنَا أَنَّهُ قَرِيبٌ وَخَيْرُهُ صَدُقَ.

[فتوحات مکیہ ۴: ۲۲۶]

”اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت اپنے بندوں پر قائم کر دی ہے اور ان کو اللہ پر حجت قائم کرنے کا موقع نہیں دیا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے پاس اُس کی ذات کے سوا کسی اور چیز کا وسیلہ جائز نہیں اُس لیے کہ وسیلہ ”قرب حاصل کرنے کو“ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ ہم سے قریب ہے اور اُس کی خبر سچی ہے۔“

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کسی نام کو مفید جملہ کے ضمن میں پڑھنا چاہیے۔ اکثر لوگ یا اللہ یا رحمان یا رحیم کہہ کر خیال کرتے ہیں کہ ہم نے اسمائے حسنیٰ کے وسیلہ سے دعاء کی حالانکہ بات ایسی نہیں ہے چنانچہ سید آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

وَمَا يَنْبَغِي أَنْ يُعْلَمَ أَنَّهُ قَدْ صَرَّحَ بَعْضُ الْأَجَلَّةِ كَالنَّوَوِيِّ: أَنَّ ذِكْرَ اللَّهِ تَعَالَى الْمَعْتَبَرُ شَرْعاً أَنْ يَكُونَ فِي ضَمْنِ جُمْلَةٍ مُفِيدَةٍ كَسُبْحَنِ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ وَنَحْوُ ذَلِكَ وَمَا لَا يَكُونُ بِمُفْرَدٍ لَا يُعَدُّ شَرْعاً ذِكْرًا نَحْوُ: اللَّهُ أَوْ قَادِرٌ أَوْ سَمِيعٌ أَوْ بَصِيرٌ إِذَا لَمْ يَقْدِرْ هُنَاكَ مَا يَصِيرُ بِهِ اللَّفْظُ كَلَاماً وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُونَ.

[روح المعانی جلد: ۲۱-۲۲: ۲۲۲-۲۲۵، بذیل تفسیر سورۃ احزاب ۳۳: ۲۱]

”امام نوویؒ اور اُن جیسے کئی جلیل القدر علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ شرعاً ذکر الہی وہی معتبر ہے جو کسی مفید کلام کے ضمن میں ہو مثلاً: سُبْحَنَ اللَّهُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ اور ذکر مفرد مثلاً: اللہ قادر، سمیع اور بصیر شرعی طور پر اُس وقت تک ذکر نہیں ہے جب تک اس میں کسی ایسے کلام کو مقدر نہ مانا جائے جس سے یہ مفید کلام بن سکے، مگر لوگ اس بات سے غافل ہیں۔“

[۲] اپنے اعمالِ صالحہ کے وسیلہ سے دعاء

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلی امتوں میں سے کسی امت کے تین آدمیوں کا ذکر فرمایا، جس کا انتہائی اجمالی خلاصہ یہ ہے کہ:

اُن میں سے ایک شخص والدین کا بہت زیادہ فرمان بردار تھا حتیٰ کہ اپنی صلیبی معصوم اولاد پر بھی والدین کو ترجیح دیتا تھا۔ دوسرا اپنی چچا زاد بہن پر عاشق ہی نہیں بلکہ فریفتہ تھا چنانچہ اُس نے اُس لڑکی کے اشارہ سے کہیں سے سواشر قیاں مہیا کیں اور دل کے ارمان نکالنے کے لیے اُس عورت سے بغل گیر ہونے لگا کہ اُس عورت نے کہا: اللہ تعالیٰ کا خوف کر اور میری عصمت دری مت کر، اُس شخص پر خوف طاری ہوا تو وہ اپنے اس فعلِ بد سے بالکل باز آ گیا تیسرے نے ایک آدمی کو اپنا مزدور اور اجیر بنایا۔ اجرت میں چند سیر مونجی طے کی [یا بعض روایات کے پیش نظر باجرہ] مگر کسی نامعلوم وجہ سے مزدور ناراض ہو گیا اور اُس نے اپنی اجرت نہ لی۔ مستاجر نے اُس کو زمین میں بودیا۔

پیداوار بڑھی۔ پھر دوسری فصل پر اُس نے بودیا حتیٰ کہ اس سے بڑی آمدنی ہوئی اور جب کسی وقت مزدور آیا تو مستاجر نے وہ اصل اور اس سے حاصل شدہ سب مزدوری اجیر کے حوالہ کر دی۔ پھر کسی موقع پر یہ تینوں سفر کر رہے تھے کہ زور کی بارش آ گئی وہ تینوں مجبور ہو کر کسی پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے اللہ کی شان اس غار کے منہ پر ایک وزنی چٹان پھسل کر آدھکی اور اُن کے نکلنے کا راستہ بالکل مسدود ہو گیا، ان تینوں میں سے ہر ایک نے اپنی سابقہ نیکیوں کو بطور توسل بالاعمال کئے پیش کر کے ان الفاظ سے دعاء کی:

اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ قَدْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ اِبْتِغَاءً وَجْهَكَ فَافْرُجْ لَنَا مِنْهَا فَفَرَجَ لَهُمْ فَرَجًا.
”یا اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام صرف تیری رضا کے لیے کیا ہے تو اس چٹان کو اپنی جگہ سے کچھ ہٹا دے [تا کہ بیرونی دنیا اور ایک روایت میں ہے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے اس پتھر کو اپنی جگہ سے کچھ ہٹا دیا۔“

اسی طرح دوسرے اور تیسرے نے دعاء کی تو اللہ تعالیٰ نے وہ چٹان اُس غار کے دہانہ سے بالکل ہی ہٹا دی اور وہ نکل کر اپنے اپنے گھروں کو پہنچے۔ [صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ [۳۷] باب من استاجر

اجیر انترک اجزہ [۱۲] حدیث: ۲۲۷۲، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء [۲۸] باب: ۲۷، حدیث: ۱۰۰- [۲۷۳۳]

[۳] کسی زندہ مؤمن کی دعاء کا وسیلہ

کسی نیک اور زندہ ہستی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور وسیلہ پیش کیا جائے یاں طور کہ اُس سے دعاء کی التجا کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دست بدعا ہو اور حاضرین مجلس بھی اس کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھا کر خالق کائنات کے ہاں عاجزی اور زاری کریں۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک دفعہ خشک سالی ہوئی اور کافی عرصہ تک بارش نہ ہوئی جس کی وجہ سے لوگ خاصے پریشان ہوئے اسی اثناء میں:

أتی رجلٌ أعرابیٌّ من أهل البدو إلى رسول الله ﷺ يوم الجمعة فقال: يا رسول الله! هلكت الماشية، هلك العيال، هلك الناس، فرفع رسول الله ﷺ يديه ورفع الناس أيديهم معه يدعون. [صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء [۱۵] باب رفع الناس أيديهم مع الامام في الاستسقاء [۲۱] حدیث:

[۱۰۲۹]

”ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمعہ کے دن حاضر ہوا تو اُس نے کہا: یا رسول اللہ! مواشی ہلاک ہو گئے۔ اہل و عیال تباہ ہو گئے۔ لوگ خستہ حال ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعاء کی اور لوگوں نے بھی رسول اللہ کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعاء کی۔“

اس آنے والے دیہاتی کا مقصد بھی یہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر اور مقبول الدعاء ہیں دعاء فرمائیں تاکہ بارش ہو اسی روایت میں آتا ہے کہ دعاء کا نتیجہ فوراً ظاہر ہوا اور خوب بارش ہوئی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۱) کے دور خلافت میں جب بھی ایسی ہی خشک سالی کی تکلیف پیش آئی تو

(۱) عمر فاروق رضی اللہ عنہ بن خطاب قرظی عدوی، کنیت ابو حفص تھے اور لقب فاروق۔ مکہ معظمہ میں ۴۰ قبل ہجری = ۵۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ خلفائے راشدین میں سے دوسرے نمبر پر ہیں۔ سب سے پہلے ان کو امیر المؤمنین کہہ کر پکارا گیا۔ جلیل القدر صحابی تھے۔ نہایت شجاع، جری اور بہادر تھے۔ نو جوانانِ قریش میں سے تھے۔ ۱۳ھ کو خلیفہ بنے گئے ان کی عدالت ضرب المثل ہے ان کے دور خلافت میں شام، عراق، بیت المقدس، مدائن، مصر اور جزیرہ فتح ہوئے۔ بارہ ہزار مسجدیں بنوائیں۔ سن ہجری کی ابتدا آپ کے عہد زرین میں ہوئی۔ آپ سے ۵۳.....

رسول اللہ ﷺ کے چچا سیدنا عباس ؓ (۱) سے بارش کی دعاء کرواتے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے:
 اَنَّ عمر بن الخطاب ؓ كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبدالمطلب فقال:
 اللهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا فتسقينا وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا قال: فيسقون.
 [صحیح بخاری کتاب الاستسقاء [۱۵] باب سوال الناس الامام اذا قحطوا [۳] حدیث: ۱۰۱۰ کتاب فضائل اصحاب
 النبی ﷺ [۶۲] باب ذکر العباس بن عبدالمطلب ؓ [۱۱] حدیث: ۳۷۱۰]

”سیدنا عمر بن خطاب ؓ کے زمانے جب لوگوں کو قحط سالی کا سامنا کرنا پڑتا تو آپ سیدنا عباس
 ابن عبدالمطلب ؓ کے ذریعے [اللہ تعالیٰ سے] بارش کی درخواست کرتے اور یوں دعاء کرتے کہ
 اے اللہ! بے شک ہم تیرے سامنے اپنے نبی کو بطور توسل پیش کیا کرتے تھے سو تو ہم پر بارش
 نازل کیا کرتا تھا اور اب ہم تیرے سامنے اپنے نبی ﷺ کے چچا کو بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں سو تو ہم
 پر بارش نازل فرما تو ان پر بارش برسائی جاتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: يُستفاد من قصّة العباس
 ؓ إستحباب الإستشفاع بأهل الخير والصلاح وأهل بيت النبوة. [فتح الباری ۲: ۳۹۷]
 ”سیدنا عباس ؓ کے اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل خیر وصلاح اور خاندان نبوت
 سے تعلق رکھنے والے افراد کو بطور توسل پیش کرنا مستحب ہے۔“

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں: ازیں جا ثابت شد کہ توسل
 بگذشتگان و عاتباں جائز و ناشدہ اند و گرنہ عباس ؓ از سرور عالم ﷺ بہتر نبود چرا انکفت کہ توسل
 میکردیم بہ پیغمبر تو و الحال توسل می کنیم بر دوح پیغمبر تو؟ [البلاغ المبین ۳۶: ۳۷-۳۷]

..... احادیث روایت کی گئی ہیں۔ ۲۳ھ = ۶۴۳ء کو رحلت کر گئے۔ نماز جنازہ سیدنا مصیب بن سنان ؓ مروی
 نے پڑھایا۔ [صفۃ الصفو ۱۵: ۲-۱۱۸ ترجمہ: ۳ تہذیب الکمال ۲۱: ۳۱۷-۳۱۸ اعلام ۵: ۳۵]

(۱) عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف ؓ ابو الفضل قرشی جاہلیت اور اسلام دونوں میں قریش
 کے سردار سمجھے جاتے تھے۔ عباسی خلفاء کے جد امجد ہیں۔ ۵۱ قبل ہجری = ۵۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ ہجرت سے
 پہلے اسلام قبول کیا اور اسے چھپائے رکھا۔ مدینہ منورہ ہجرت کی۔ غزوہ حنین میں شرکت کی۔ ۶۳ھ = ۶۵۳ء
 کو مدینہ منورہ میں وفات پا گئے۔ [اسد الغابہ ۲: ۵۲۹ ترجمہ: ۲۸۰۰] [۱۱ اعلام ۳: ۲۶۲]

”اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ غائب اور مردوں کا وسیلہ بنانا جائز نہیں ورنہ سیدنا عباس ؓ رسول اللہ ﷺ سے بہتر نہیں تھے پھر سیدنا عمر ؓ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ پہلے تیرے پیغمبر کو وسیلہ بناتے تھے اور اب تیرے پیغمبر کی روح کو وسیلہ بناتے ہیں؟“

اس مطلب کو مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری ^(۱) نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ليس فيه التوسل المعهود الذي يكون بالغائب حتى قد لا يكون به شعور أصلاً بل فيه توسل السلف وهو أن يُقدم رجلاً ذا جاهة عند الله تعالى ويأمره أن يدعو لهم ثم يحيل عليه في دعائه كما فعل بالعباس ؓ عم النبي ﷺ ولو كان فيه توسل المتأخرين لما احتاجوا إلى إذهاب العباس ؓ معهم ولكفى لهم التوسل بنبيهم ﷺ بعد وفاته أيضاً أو بالعباس ؓ مع عدم شهوده معهم وهذا النحو جائز عند المتأخرين ومنع منه الحافظ ابن تيمية رحمه الله تعالى وإني متردد فيه. [فيض الباري ۲: ۳۹۶ بزيل حديث ۱۰۱۰]

”اس میں وہ معبود تو سلف نہیں جو غائب سے کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اسے بالکل شعور و خبر تک ہی نہ ہو بلکہ اس حدیث میں سلف کے توسل کا ذکر ہے وہ یہ کہ کسی ایسے شخص کو آگے کیا جائے جس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ ہو اور اس سے التجا کی جائے کہ وہ اُن کے لیے دعاء کرے پھر دعاء اس کے حوالے سے دعاء کی جائے جیسا کہ سیدنا عباس ؓ۔ جو رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے۔ سے کروایا گیا اور اگر اس میں متاخرین کا توسل مراد ہوتا تو سیدنا عباس ؓ کو ساتھ لے جانے کی اُن کو ضرورت و حاجت ہی نہ پڑتی اور اُن کے لیے کافی تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا توسل

(۱) محمد انور شاہ بن محمد اعظم شاہ بن شاہ عبدالکبیر۔ اُن کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد تھا وہاں سے ملتان آئے۔ لاہور منتقل ہوئے پھر کشمیر میں سکونت اختیار کی۔ آپ ۲۷ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ = ۱۸۷۵ء کو اپنے ننھیال دودھواں [علاقہ لولاب] کشمیر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اسباق اپنے والد محترم سے لیے پھر تین سال تک ہزارہ [سرحد] کے متعدد علماء و صلحاء کی خدمت میں رہے۔ ۱۳۰۷ یا ۱۳۰۸ھ کو سولہ سترہ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند آگئے جہاں چار سال تک علوم و فنون حاصل کرتے رہے۔ بیس اکیس سال کی عمر میں ۱۳۱۲ھ کو سند فضیلت حاصل کیا۔ بہت بڑے محدث تھے۔ قادیانیوں کے خلاف قیغ بڑاں تھے۔ ۱۳۵۲ھ = ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو دیوبند میں وفات

کرتے یا سیدنا عباس ؓ سے اُن کی غیر حاضری میں توسل کر لیتے، جب کہ متاخرین کے نزدیک ایسا وسیلہ جائز ہے۔ حافظ ابن تیمیہ نے اس سے روکا ہے اور میں خود اس مسئلے میں متردد ہوں۔“
مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے یہ بھی لکھا ہے: قلت: وهذا توسلٌ فعلي، لأنه كان يقول له بعد ذلك: قم يا عباس فاستسقِ، فكان يستسقي لهم، فلم يثبت منه التوسل القولي، أي: الاستسقاء بأسماء الصالحين فقط، بدون شركهم.

[فيض الباری ۴: ۲۸۴، بذیل حدیث: ۳۷۱۰]

”میں کہتا ہوں کہ یہ توسل فعلی ہے کیونکہ سیدنا عمر ؓ نے اس کے بعد سیدنا عباس ؓ سے فرماتے کھڑے ہوں اور بارش طلب کریں تو وہ لوگوں کے لیے بارش طلب کرتے تو اس سے توسل تو بی ثابت نہیں ہوتا یعنی نیک لوگوں کی شرکت کے بغیر محض اُن کے ناموں کی برکت سے بارش طلب کرنا۔“

اس طرح کا توسل سیدنا معاویہ ؓ (۱) کے دور خلافت میں بھی ہوا، چنانچہ معتبر کتابوں میں ہے:
أَنَّ السَّمَاءَ قَحِطَتْ فَخَرَجَ مَعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سَفْيَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَأَهْلُ دِمَشْقَ يَسْتَسْقُونَ، فَلَمَّا قَعَدَ مَعَاوِيَةُ ؓ عَلَى الْمَنْبَرِ قَالَ: أَيُّنَ يَزِيدُ بْنُ الْأَسْوَدِ الْجَرَشِيِّ؟ فَنَادَاهُ النَّاسُ فَأَقْبَلَ يَتَخَطَّى فَأَمَرَهُ مَعَاوِيَةُ فَصَعِدَ الْمَنْبَرَ فَقَعَدَ عِنْدَ رِجْلَيْهِ فَقَالَ مَعَاوِيَةُ ؓ: أَللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَشْفِعُ إِلَيْكَ الْيَوْمَ بِخَيْرِنَا وَأَفْضَلِنَا أَللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَشْفِعُ إِلَيْكَ بِيَزِيدِ بْنِ الْأَسْوَدِ الْجَرَشِيِّ ؓ يَا يَزِيدُ ارْفَعْ يَدَيْكَ إِلَى اللَّهِ، فَرَفَعَ يَزِيدُ يَدَيْهِ وَرَفَعَ النَّاسُ أَيْدِيَهُمْ، فَمَا كَانَ أَوْ شَكَ أَنْ ثَارَتْ سَحَابَةٌ فِي الْمَغْرِبِ وَهَبَّتْ لَهَا رِيحٌ فَسُقِيْنَا حَتَّى كَادَ النَّاسُ لَا يَصِلُونَ إِلَى مَنَازِلِهِمْ [طبقات ابن سعد ۷: ۳۳۳، المعرفة والتاريخ ۲: ۲۲۱، سير أعلام النبلاء ۴: ۱۳۷]

(۱) معاویہ بن ابی سفیان [صحیح] رضی اللہ عنہما بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، قرشی اموی، ۲۰ ق ھ = ۶۰۳ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ فصیح و حلیم اور باوقار تھے۔ عمرۃ القنواء کے سال اسلام قبول کیا۔ شام میں دولت اموی کے بانی بنے انہیں پہلا بحری اسلامی جنگ لڑنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ کاتب وحی تھے۔ ۶۰ ھ = ۶۸۰ء کو دمشق میں وفات پائی۔ [اسد الغابۃ ۴: ۳۰۵، ترجمہ ۲۹۸۶، الاعلام ۷: ۲۶۱]

”سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں قحط سالی شروع ہوئی۔ سیدنا معاویہؓ اور اہل دمشق استقواء کے لیے باہر نکلے جب سیدنا معاویہؓ منبر پر تشریف لا کر بیٹھ گئے تو لوگوں سے پوچھا: [سیدنا] یزید بن اسود جرحشیؓ (۱) کہاں ہیں؟ لوگوں نے انہیں آواز دی وہ لوگوں کے کاندھوں کو پھلانگتے ہوئے اُن کے پاس پہنچے۔ سیدنا معاویہؓ نے انہیں منبر پر آنے کے لیے کہا۔ آپ منبر پر چڑھ کر اُن کے پاؤں میں بیٹھ گئے۔ سیدنا معاویہؓ نے فرمایا: اے میرے اللہ! ہم اپنے میں سے بہتر شخص کو تیرے سامنے سفارشی پیش کرتے ہیں۔ [پھر فرمایا] اے یزید! اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے اٹھاؤ تو انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعاء کی اور لوگوں نے بھی دعاء کی پس بہت جلد مغرب کی طرف سے بادل اٹھا اُس سے پہلے ہوا میں چلیں اور اتنی بارش ہوئی کہ لوگوں کا اپنے گھروں کو واپس لوٹنا دشوار ہوا۔“

غیر مشروع وسیلہ کی قسمیں

[۱] کسی شخص کی ذات کا وسیلہ

کسی ذات اور شخص کو وسیلہ بنانا مثلاً کسی مخصوص آدمی کا نام لے کر کہے کہ: اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں فلاں شخص کو وسیلہ بنا کر پیش کرتا ہوں کہ تو اس کے وسیلہ سے میری حاجت پوری فرما دے اس میں ”فلاں شخص“ سے مراد اُس شخص کی ذات مراد ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کی ذات اور شخصیت کا وسیلہ بنانا ایک غیر شرعی عمل ہے جس کا نہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے اس کی تبلیغ فرمائی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے عمل و اتباع سے خالی اس وسیلہ کی مذمت بھی فرمائی ہے جیسا کہ اس مذموم وسیلہ کے مرتکب مشرکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِیَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقْرِبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ فِیْ مَا هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ

(۱) یزید بن اسود جرحشیؓ رسول اکرم کی حیات میں اسلام قبول کیا اور شام چلے گئے اور وہاں ”زبدین“ نامی

گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ [تاریخ الاسلام ۲: ۵۸۵، ترجمہ ۷: ۷۱۲]

لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَذِبٌ كَفَّارٌ. [سورة الزمر ۳: ۳۹]

”دیکھو! خالص عبادت تو اللہ ہی کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اُس کے سوا اور کار ساز بنا رکھے ہیں وہ کہتے ہیں: ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ تعالیٰ سے قریب تر کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو با مرد نہیں کرے گا جو جھوٹے اور ناشکرے ہیں۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کی ذات کو وسیلہ بنانے کو رد کر دیا ہے اور اسے قبول نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو باتوں پر مذمت فرمائی ہے:

— اول: اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی بندگی پر

— دوم: اشخاص اور مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب کا ذریعہ بنانے پر اس لیے کہ یہ دونوں باتیں سبب، گناہ، باطل، جھوٹ اور گمراہی ہے۔

یہ بھی ارشاد ہے: وَمَا مَوْلَاكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرَّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلُوْنٰكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُوْنَ. [سورة سبأ ۳۴: ۳۷]

”اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ چیز نہیں ہے جو تم کو ہمارا مقرب بنا دینے والی ہو۔ البتہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے وہ لوگ ہیں کہ اُن کے لیے اُن کے اعمال کا مضاعف صلہ ہوگا اور وہ بالا خانوں میں چین سے براجمان ہوں گے۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کے مقرب ہوتے ہیں اور بڑے بڑے رُتبے پاتے ہیں اور جن کی نیکیوں کا اجر بڑھایا جاتا ہے تو یہ سب اُن کے اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ہوتا ہے اُن کے مرتبہ اور واسطے سے کچھ نہیں ملتا، بلکہ ان مقرب بندوں کے بارے میں یہ بھی ارشاد ہے کہ:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَسْتَعِثُّوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَتَيْهُمْ اَقْرَبُ وَبَرَّجُوْنَ رَحْمَةً وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا. [سورة بنی اسرائیل ۱۷: ۵۷]

”جن کو یہ پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے رب کے قرب کی طلب میں سرگرم ہیں کہ ان میں سے کون سب سے زیادہ قرب حاصل کرتا ہے اور وہ اپنے رب کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے

عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تمہارے رب کا عذاب چیز ہی ڈرنے کی ہے۔“

[۲] کسی کی حرمت [رتبہ و درجہ] کا وسیلہ

اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کے رتبہ و درجہ یا کسی کی حرمت و عزت کا وسیلہ لینا غیر شرعی عمل ہے۔ اسے نہ تو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا نہ اس کی تاکید کی اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا اس پر عمل ثابت ہے۔

قابل قدر حنفی عالم و مصنف علامہ علی بن علی بن محمد بن ابی العزیز دمشقی (۱) لکھتے ہیں:

إِنَّ فُلَانًا وَإِنْ كَانَ لَهُ حَقٌّ عَلَى اللَّهِ بوعده الصادق فلا مُنَاسَبَةَ بَيْنَ ذَلِكَ وَبَيْنَ إِجَابَةِ دَعَاءِ هَذَا السَّائِلِ، فَكَأَنَّهُ يَقُولُ: لَكُنْ فُلَانٌ مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ أَجِبْ دُعَائِي أَوْ أَيْ مُنَاسَبَةَ فِي هَذَا وَأَيْ مَلَازِمَةً؟ وَإِنَّمَا هَذَا مِنَ الْإِعْتِدَاءِ فِي الدَّعَاءِ وَقَدْ قَالَ تَعَالَى: أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ [سورة الاعراف: ۵۵] وهذا ونحوه من الأدعية المبتدعة، ولم يُنْقَلْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَلَا عَنِ الصَّحَابَةِ، وَلَا عَنِ التَّابِعِينَ، وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ، وَإِنَّمَا يَوْجَدُ مِثْلُ هَذَا فِي الْحُرُوزِ وَالْهَيْكَلِ الَّتِي يَكْتُبُهَا الْجُهَالُ وَالطَّرْفِيَّةُ. وَالدَّعَاءُ مِنْ أَفْضَلِ الْعِبَادَاتِ وَالْعِبَادَاتُ مِنْهَا عَلَى السَّنَةِ وَالِاتِّبَاعِ، لَا عَلَى الْهَوَىٰ وَالِإِبْتِدَاعِ. [شرح العقيدة الطحاوية: ۲۹۶: ۱-۲۹۷: ۱]

”بالفرض اگر اللہ تعالیٰ کے سچے وعدہ کے مطابق اُس نے اپنے اوپر کسی کا حق تسلیم کیا ہے پھر بھی سوال قبول کرنے اور اس چیز کے مابین کیا مناسبت و تعلق ہے؟ گویا کہ یہ شخص کہتا ہے کہ اے اللہ! فلاں شخص تیرا نیک بندہ ہے لہذا میری دعاء قبول کیجیے۔ دعاء کی قبولیت اور صاحبِ وسیلہ کی نیکی کے درمیان کیا تعلق؟ یہ تو دعاء میں اعتماد اور ہٹ دھرمی ہوئی حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) ابوالحسن علی بن علاء الدین علی بن شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن شرف الدین ابوالبرکات محمد بن عز الدین ابوالعز صراح بن ابی العز بن دُعیب بن عطاء بن جبیر بن جابر بن وہب اذرمی دمشقی صالحی حنفی عرف: ابن ابی العز۔ ۷۳۱ھ = ۱۳۳۱ء کو پیدا ہوئے۔ دمشق اور پھر دیارِ مصریہ کے قاضی رہے ہیں۔ اونچے پائے کے عالم ہیں۔ کئی مفید کتابیں لکھیں۔ ۷۹۲ھ = ۱۳۹۰ء کو وفات پائی۔

[انباء الغر: ۳: ۵۰، الدرر الکامیہ: ۳: ۸۷، ترجمہ: ۱۸۸، الاعلام: ۴: ۳۱۳]

”اپنے رب سے چپکے چپکے اور عاجزی سے دعائیں مانگا کر وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“ یہ اور اس قسم کی دعائیں اہل بدعت ہی کا وظیفہ ہیں اور نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ تابعین عظام اور ائمہ مجتہدینؒ غرض کسی سے بھی اس قسم کی دعائیں منقول نہیں ہیں بلکہ ان کا رواج تعویذ گنڈے والے اصحاب طریقت ہی کے یہاں ہے۔ دعاء تو افضل ترین عبادت ہے اور عبادت کی بنیاد سنت اور اتباع پر ہے خواہشات و بدعات پر نہیں۔“

[۳] اللہ تعالیٰ پر صاحب وسیلہ کی قسم کھانا

قسم و حلف کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے لی جائے، کیونکہ قسم عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيُصِمْتْ.

[صحیح بخاری، کتاب الشہادات [۵۲] باب کیف یستحلف [۲۶] حدیث: ۲۶۷۹، واللفظہ صحیح مسلم، کتاب

الایمان [۷۷] باب النبی عن الحلف بغیر اللہ [۱] حدیث: ۳۰- [۱۶۴۶]

”جس کو قسم کھانی ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائے ورنہ پُچ رہے۔“

اور ایک دوسری روایت میں ہے: مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ.

[سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذر [۱۶] باب فی کراہیۃ الحلف بالآباء [۵] حدیث: ۳۲۵۱، واللفظہ سنن

ترمذی، کتاب النذر والایمان [۲۱] باب ما جاء فی کراہیۃ الحلف بغیر اللہ [۸] حدیث: ۱۵۳۵]

”جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اُس نے شرک کیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جب مخلوق کی قسم مخلوق پر حرام ہے تو پھر کسی مخلوق کے نام کی قسم خالق پر کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ مثلاً کوئی کہے: اے اللہ! تجھے فلاں بزرگ کی قسم یا فلاں کے حق کے وسیلے سے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری حاجت پوری کر ایسا کرنا سر اسر حرام ہے۔

علامہ ابن ابی العزّ لکھتے ہیں: لِأَنَّ الإِقْسَامَ بِالْمَخْلُوقِ عَلَى الْمَخْلُوقِ لَا يَجُوزُ فَكَيْفَ عَلَى الْخَالِقِ؟ وَقَدْ قَالَ ﷺ: مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ، وَلِهَذَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَصَاحِبَاهُ: يُكْرَهُ أَنْ يَقُولَ الدَّاعِي: أَسْأَلُكَ بِحَقِّ فُلَانٍ، أَوْ بِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ وَرَسَلِكَ، وَبِحَقِّ الْبَيْتِ

الحرام، والمشرع الحرام، ونحو ذلك، حتى كره أبو حنيفة ومحمد رضي الله عنهما أن يقول الرجل: أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ، وَلَمْ يَكْرِهْهُ أَبُو يُونُسَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَمَّا بَلَغَهُ الْأَثَرِيَّةُ. [شرح العقيدة الطحاوية: ۲۹۷]

”کسی کے حق کی اللہ تعالیٰ پر قسم کھانی حرام ہے کیونکہ مخلوق کی قسم مخلوق پر تو جائز نہیں پھر بھلا خالق پر کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اُس نے شرک کیا۔“ امام ابو حنیفہ اور اُن کے صاحبین رحمہم کا قول ہے کہ دعاء کرنے والے کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ یوں دعاء کرے: اے اللہ! میں تجھ سے فلاں کے حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں، تیرے نبیوں اور رسولوں کے حق کے واسطے سے اور یا بیت اللہ اور مشعر حرام کے حق کے واسطے سے وغیرہ ذلک یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد (۱) نے اسے بھی حرام قرار دیا ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ مَعْقِدُ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ (۲) کے حق سے سوال کرتا ہوں لیکن امام ابو یوسف نے اسے حرام نہیں جانا اس لیے کہ انہیں اس سے متعلق روایت پہنچی ہے (۳)۔“

(۱) محمد بن حسن بن فرقد۔ فرقد بنوشیان کے موالی میں سے تھے۔ ابو عبد اللہ فقہ اور اصول کے امام تھے۔ امام ابو حنیفہ کے علم کو آپ نے پھیلا یا اُن کی اصل غوطہ دمشق کے گاؤں حرستہ سے تھا۔ ۱۳۱ھ = ۷۴۸ء کو واسط میں پیدا ہوئے۔ کوفہ میں پلے بڑھے۔ امام ابو حنیفہ کے قریبی ساتھی رہے ہیں اُن سے حصول علم کے بعد بغداد تشریف لے گئے وہاں ہارون الرشید نے انہیں قضا کی ذمہ داری سونپ دی پھر انہیں معزول کیا اور جب خراسان جانے کے لیے نکل پڑے تو انہیں اپنے ساتھ لے لیا اور اسی سفر کے دوران ۱۸۹ھ = ۸۰۴ء کو آپ نے ”رے“ میں وفات پائی۔ [الفوائد البیہیہ: ۲۶۸، ترجمہ: ۳۳۳، الاعلام: ۶: ۸۰]

(۲) امام ابن اثیر جزری لکھتے ہیں: أَسْأَلُكَ بِمَعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ أَيُّ: بِالْخِصَالِ الَّتِي اسْتَحَقَّ بِهَا الْعَرْشُ الْعِزُّ أَوْ بِمَوَاضِعِ انْعِقَادِهَا مِنْهُ، وَحَقِيقَةُ مَعْنَاهُ: بِعِزِّ عَرْشِكَ. وَأَصْحَابُ أَبِي حَنِيفَةَ يَكْرَهُونَ هَذَا اللَّفْظَ مِنَ الدُّعَاءِ. [التهامية: ۳: ۲۳۵]

”معاقد العزم من عرشك کے معنی ہیں: وہ خصالتیں و خصوصیات جس کی وجہ عرش قابل عزت ٹھہرا اور اس معنی کی حقیقت ہے: تیرے عرش کی عزت کے وسیلے سے اور امام ابو حنیفہ کے ساتھی دعاء میں یہ لفظ حرام سمجھتے ہیں۔“

(۳) ان کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے جس میں مذکور ہے: اثنتا عشرة ركعة تصليهن من ليل أو نهار، وتشهد بين كل ركعتين، فإذا تشهدت في آخر صلاتك فأثن على الله عز وجل، وصل على النبي.....

..... ﴿وَاقْرَأْ وَأَنْتَ سَاجِدٌ﴾ فاتحة الكتاب سبع مرات، وآية الكرسي سبع مرات، قل: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، عشر مرات، ثم قل: اللهم إني أسألك بمعاهد العزم من عرشك، ومنتهى الرحمة من كتابك، واسمك الأعظم، وكلماتك التامة، ثم سل حاجتك، ثم ارفع رأسك، ثم سلم يميناً وشمالاً، ولا تعلموها السفهاء فإنهم يدعون بها فيستجاب. [الدعوات الكبير، ج ۲، ۱۸: ۲، حدیث: ۴۴۳]

لیکن یہ روایت بھی قابل استدلال نہیں اس لیے کہ اس کے بارے میں حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں: یہ روایت بغیر کسی شک و شبہ کے باطل و موضوع ہے۔ اس کی سند میں عمر بن ہارون راوی ہے جس کے بارے میں امام بخاری بن معین کہتے ہیں: کذاب تھا۔ امام ابن حبان کہتے ہیں: ثقافت سے معضلات نقل کرتا ہے اور ایسے راویوں سے احادیث روایت کرتا ہے جن سے اس کی ملاقات ثابت نہیں۔ [الموضوعات ۲: ۲۶۴، حدیث: ۱۰۲۹]

علامہ زیلعی حنفی نے حافظ ابن جوزی کی رائے بغیر کسی تنقید کے ذکر کیا ہے۔

[نصب الراية ۳: ۲۷۳، حدیث: ۷۴۶۹]

مسئلہ توسل اور البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر

مولانا احمد اللہ صاحب نے البصائر کے اَلْمَقْصَدُ الثَّانِي کے تحت صفحہ ۲۶ سے صفحہ ۶۴ تک [۳۳-۸۷ طبع ترکی ۱۹۹۱ء] مسئلہ توسل کے عنوان پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ہم مولانا صاحب سے یہ توقع رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ اس مسئلہ پر واضح قطعی دلیل پیش فرمائیں گے اس لیے کہ انہوں نے کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے: فجمعت دلائل قاطعة وحججاً واضحة لمن يَدْعِي التوسل إلى الله ببركة الأنبياء والأولياء المدفونين في المقابر ويدّعي سماع الأموات في البرزخ. [البصائر: ۲؛ پشاور: ۴؛ ترکی: تسہیل البصائر: ۵]

”میں نے اُن لوگوں کے لیے قطعی دلائل اور واضح حجتیں جمع کی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے انبیائے کرام اور قبروں میں دفن کیے گئے اولیاء کے توسل کے قائل اور برزخ میں مردوں کے سننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔“

مولانا صاحب نے اس سلسلے میں سب سے پہلے وسیلہ کے معنی لکھے ہیں جس میں کوئی اختلاف نہیں انہوں نے پھر انواع توسل کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک تَوَسَّلُ بِالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ ہے جس میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف تو توسل بالذوات کے بارے میں ہے جس کی مولوی صاحب نے دو قسمیں لکھی ہیں: قبل از وفات اور بعد از وفات۔ [البصائر: ۳۸]

مولوی صاحب نے جواز التوسل بالأحياء کے لیے درج ذیل دلیل پیش کی ہے:

❁ سیدنا ابو جریؓ (۱) فرماتے ہیں: میں مدینہ منورہ آیا وہاں ایک شخص دیکھا کہ لوگ اس کے فرمان بردار ہیں اور اس کی رائے کے مطابق اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کون [صاحب] ہیں؟ انہوں نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ میں نے اُن کے قریب جا کر دوبار عَلَیْكَ السَّلَامُ کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عَلَیْكَ السَّلَامُ مت کہو یہ میت کا سلام ہے بلکہ السَّلَامُ

(۱) جابر بن سلیم ابو جری تمیمیؓ بلہ جیم بن عمرو بن تمیم سے تعلق تھا۔ بصرہ میں رہائش تھی۔

عَلَيْكَ کہا کرو (۱)۔ میں نے اُن سے پوچھا: آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا:

أَنَا رَسُولُ اللَّهِ الَّذِي إِنْ أَصَابَكَ ضَرْفُ دَعْوَتِهِ كَشَفَهُ عَنْكَ وَإِنْ أَصَابَكَ عَامٌ سَنَةٍ فِدَعْوَتِهِ انْتَبَهْتَ لَكَ وَإِنْ كُنْتَ بَارِضٍ فَقِرِّ أَوْ فَلَاقِ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فِدَعْوَتِهِ رَدَّهَا عَلَيْكَ (۲)۔

[البصائر: ۲۹، پشاور ۲۷، ترکی]

”میں اُس اللہ کا رسول ہوں کہ جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچے اور تو اُس [اللہ] کو پکارے تو وہی تم سے تکلیف ہٹا دے گا اگر تمہیں قحط سال کا سامنا کرنا ہو اور تو اُس [اللہ] کو پکارے تو وہی تمہارے لیے غلہ اُگائے گا اور اگر تو جنگل میں ہو اور تمہاری سواری کا جانور گم ہو جائے اور تو اُس [اللہ] کو پکارے تو وہی تم کو اُسے واپس لوٹا دے گا۔“

مولوی صاحب اس روایت کو لکھ کر اس سے ان الفاظ میں استدلال کرتے ہیں:

فَعَلِمَ مِنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَسِيلَةٌ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فِي قَضَاءِ الْحَاجَاتِ مِنْ دَفْعِ الضَّرَرِ وَإِنْبَاتِ النَّبَاتِ وَإِنْزَالِ الْمَطَرِ وَرَدِ الضَّالَّةِ. [البصائر: ۳۰، طبع پشاور]

”اس [حدیث] سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ حاجات پورا کرنے کی تکلیف اور نقصان کو ہٹانے، بارش برسانے اور گم شدہ اشیاء کو واپس دلانے میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ ہیں۔“

مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی بھی مسلمان اس سے منکر نہیں کہ کسی زندہ شخص کے پاس جا کر اُس سے اپنے حق میں دعاء کروائی جائے، لیکن اس پیش کردہ روایت کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

❁ مولوی صاحب نے جواز التوسل بالأموات کے لیے درج ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

[۱] ارشادِ باری ہے: وَكَانُوا مِنْ قَبْلِ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا. [سورة البقرة: ۸۹]

(۱) اس سے یہ سمجھا جائے کہ عَلَيْكَ السَّلَام سے مُردوں کو سلام کیا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عربوں کے ہاں ایسا کرنے کا رواج تھا جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اور مقبروں میں جا کر السَّلَام عَلَيْكُمْ دَارِ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ کہہ کر واضح فرمایا کہ سلام کرنے کے معاملے میں زندے اور مردے دونوں ایک جیسے ہیں۔

[معالم السنن: ۴: ۳۴۳]

(۲) سنن ابی داؤد کتاب اللباس [۲۶] باب ما جاء في إسماعيل الأزار [۲۸] حدیث: ۴۰۸۴

”اور وہ اس سے پہلے کافروں کے مقابلے میں فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے۔“

یہ آیت لکھ کر مولوی صاحب لکھتے ہیں: سید آلوسیؒ نے [تفسیر روح المعانی ۱-۲: ۴۳۵] سدی کی سند سے روایت نقل کی ہے کہ جب اوس و خزرج اور مشرکین کے درمیان لڑائی چھڑ جاتی تو وہ تو ربات کو نکال کر اُس میں رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک نکال لیتے اور اُس کے اوپر اپنے ہاتھ رکھ کر دعاء کرتے کہ: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ بِحَقِّ نَبِيِّكَ الَّذِي وَعَدْتَنَا اَنْ تَبْعَثَهُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ اَنْ تَنْصُرَنَا عَلٰی عَدُوِّنَا الْيَوْمَ ”تو اُن کی مدد کی جاتی۔ [البصائر: ۳۰، پشاور ۲۸ ترکی]

مولانا شوکت علی صاحب لکھتے ہیں: ”روایت میں آیا ہے کہ یہود و میدان جنگ میں دشمن کے مقابلے میں آپ ﷺ پر [قبل بعثت] توسل کیا کرتے تھے اور اس دعاء بالتوسل کے سبب اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اُن کی مدد ہو جاتی تھی۔ پس قرآن کا، اُن کے اس فعل کو بغیر نکیر کے ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عند اللہ مباح اور مشروع ہے اور یہی ہماری شریعت کا حکم ہے۔ اگر یہ فعل صرف اُن کے لیے جائز اور ہمارے حق میں ناجائز ہوتا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نکیر وارد ہوتی۔“ [تسکین الخواطر فی اثبات التوسل بالذوات الفاضل: ۱۷۵]

یہ روایت مسئلہ توسل بالذوات الفاضلہ پر مولانا محمد اللہ صاحب کی قطعی دلیل ہے جس کا راوی سدی ہے (۱) اور مولانا شوکت علی صاحب کے نزدیک بھی یہ برہان قاطع ہے، لیکن اس کو

(۱) شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر نے بھی تفسیر روح المعانی کی یہ عبارت درج کی ہے۔

[تسکین الصدور: ۳۰۶]

مولانا شوکت علی صاحب لکھتے ہیں: ”منکرین کہتے ہیں کہ یہ دعاء جس حدیث میں نقل کی گئی ہے وہ حدیث ضعیف ہے لہذا اس کو نقل کرنے سے توسل ثابت نہیں ہو سکتا۔ الجواب: قارئین پر یہ بات مخفی نہیں کہ یہ حدیث جمہور محدثین نے نقل کر کے اس سے آیت کا مفہوم واضح کر دیا ہے لہذا تعامل امت کی وجہ سے حدیث کا ضعف مضر نہیں رہا۔“ [تسکین الخواطر فی اثبات التوسل بالذوات الفاضل: ۱۹۹-۲۰۰]

مولانا شوکت علی صاحب نے اس زیر بحث شان نزول کے لیے مفسر بغوی، خازن، قرطبی، قاضی ثناء اللہ ابن جزری، کلبی، ابو محمد عبد الحق حقانی، مولانا محمد ادریس کاندلوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، حافظ سیوطی اور سید آلوسی کی عبارتیں پیش کی ہیں۔ یہ اُن کے ہاں جمہور محدثین ہیں؟

مولانا صاحب محدثین اور مفسرین کے مابین فرق نہ کر سکے۔ ہم کہتے ہیں: کسی بھی معتبر محدث نے اس.....

کیا کہیں گے کہ اس تفسیر کو جس شخصیت نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اس کا نام نامی اور اسم گرامی محمد بن مروان سدی ہے جس کے بارے میں:

— امام بخاریؒ فرماتے ہیں: اُس کی روایت نہ لکھی جائے۔ [تہذیب الکمال ۲۶: ۳۹۳]

— حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: متروک اور جھوٹ بولنے سے بدنام ہے۔ [میزان الاعتدال ۴: ۳۲]

— امام ابن نصیرؒ فرماتے ہیں: محمد بن مروان کذاب ہے۔ [الشفعاء الکبیر ۴: ۱۳۶]

کسی متروک جھوٹ بولنے سے بدنام اور کذاب راوی کی روایت تو موضوع ہوتی ہے جس سے کسی مسئلہ کے جواز عدم جواز یا استحباب و اباحت کے لیے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

[۲] مولانا صاحب نے سورۃ المائدہ [۳۵: ۵] کی آیت کریمہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اُسی کے تقرب کے طالب بنو اور اُس کی راہ میں برابر سرگرم کار رہو تاکہ فلاح پاؤ۔“ بھی استدلال میں پیش کی ہے۔ [البصائر ۳۵: ۳۵ پشاور ۲۳: ۴۳ ترکی]

حالانکہ اس آیت کریمہ کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ ہم کسی بڑی ہستی کی وساطت سے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجات پیش کریں، اس آیت کی تفسیر میں امام بیضاویؒ^(۱) لکھتے ہیں:

أي: ماتتو سئلون به إلى ثوابه والزلفى منه من فعل الطاعات وترك المعاصي؛ من: وسئل إلى كذا: إذا تقرب إليه. [انوار التنزيل ۲: ۱۲۳]

”وہ چیز تلاش کرو جس سے تم اللہ تعالیٰ کا قرب اور اُس کا اجر حاصل کر سکو جو اللہ تعالیٰ کی فرمان برداری کرنا اور اُس کی نافرمانی سے بچنا ہے۔“

..... روایت کو اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا ہے۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ ضعیف نہیں ہے کہ تعامل امت سے اس کو صحیح کہا جائے۔

(۱) عبد اللہ بن عمر بن محمد بن علی شیرازی ابو سعید بیضاوی قاضی [Judge] مفسر تھے۔ فارس کے شہر شیراز کے قریبی گاؤں ”بیضاء“ میں پیدا ہوئے۔ عرصہ تک شیراز کے قاضی رہے ہیں۔ تیریز میں ۶۸۵ھ = ۱۲۸۶ء کو وفات پائی۔ [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۵: ۵۹۰، اعلام ۴: ۱۱۰]

اور اخوندرویزہ بابا^(۱) اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”طالبان عزیز! اس آیت کے معنی کو اچھی طرح گوش ہوش سنو اور اسے سیکھو۔ وہ کون سی چیز ہے جو وسیلہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کی جاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کو ہمارے ذمہ فرض کیا ہے، انہیں بجالایا جائے اور جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا اُن سے اجتناب کیا جائے۔ تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے یہی معنی لکھے ہیں، مگر بہت سے گمراہ کہتے ہیں کہ پیر جی اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہیں، اس لیے لوگ پیروں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ یہ گمراہ ہلاک ہو جائیں کہ آیت کریمہ کے معنی میں تغیر کے مرتکب ہوتے ہیں اور جب [صحیح] تفسیر سے بے خبر ہیں، تو غلط تفسیر کیوں پیش کرتے ہیں؟“ [مخزن اسلام: ۲۹]

در اصل اردو میں ”وسیلہ“ کے معنی ہیں: ذریعہ اور عربی میں ”وسیلہ“ کے معنی قُرب [نزدیکی] کے ہیں اس لفظی تشابہ سے بعض لوگ اس غلطی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ اللہ کے قرب کا ذریعہ ذوات فاضلہ ہیں، چنانچہ مولانا عبدالماجد دریابادی^(۲) لکھتے ہیں:

”جن لوگوں نے ”وسیلہ“ کے تحت بزرگانِ دین کی استغانت اور انبیاء و اولیاء سے استغاثہ جائز رکھا ہے، انہوں نے عربی کے وسیلہ بمعنی قُرب کو اردو کے وسیلہ بمعنی ذریعہ کا مرادف سمجھ لیا ہے اور ایسی شدید و فاحش غلطیاں نادر نہیں، کثیر الوقوع ہیں۔“ [تفسیر عبدالماجد دریابادی: ۲۵۱]

[۳] مولوی صاحب مشکاة المصابیح کے حوالے سے ایک اور قطعی دلیل یوں پیش کرتے ہیں:

(۱) اخوندرویزہ ننگرہاری، ثم بشاوری، شمالی پشاور کے گاؤں تنگ زئی میں ۹۴۰ھ کے نواح میں پیدا ہوئے، اس علاقے میں تحصیل علم کی اور سید علی ترمذی عرف پیر بابا سے روحانی فیض حاصل کیا، انہوں نے اپنی عمر کا معتد بہ حصہ سوات سے لے کر تیرہ تک افغانوں کے علاقے میں بسر کیا اور بہت رسوخ حاصل کر لیا۔ سو سال سے زیادہ عمر پا کر ۱۰۳۸ھ میں وفات پائی اور ہزار خوانی میں دفن ہوئے۔ [اردو اثرہ معارف اسلامیہ: ۲۱۲]

(۲) عبدالماجد ۱۸۹۲ء کو قصبہ دریا آباد [ہند] میں عبدالقادر کے گھر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ کیننگ کالج لکھنؤ سے گریجویشن کیا۔ ۱۹۱۳ء میں فلسفہ پڑھنے کی خاطر علی گڑھ کالج کا رخ کیا لیکن ایم اے کے امتحان میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ۱۹۲۸ء میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سے استفادہ شروع کیا۔ ۱۹۶۷ء میں فوت ہوئے۔ [مسلم شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا: ۳۱۵]

روی أبو الجوزاء: فحط أهل المدينة فحطاً شديداً فشكوا إلى عائشة رضي الله عنها فقالت: أنظروا قبر النبي ﷺ فاجعلوا فيه كُوى إلى السماء حتى لا يكون بينه وبين السماء سقْفُ ففعلوا فمطروا مطراً حتى نبت العُشبُ وُسُمِنَتِ الإبل حتى تفتت من الشَّحْمِ فُسِمِيَ عام الفَتْحِ. [البصائر: ۳۰-۳۱ پشاور ۳۸ ترکی]

”أبو الجوزاء سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ کے لوگ بڑے شدید قحط میں مبتلا ہو گئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت لے کر گئے۔ آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی قبر کی طرف دیکھو اور قبر سے آسمان تک ایک جھروکہ کھولنا کہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت حائل نہ ہو۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا تو بارش ہوئی اتنی کہ خوب سبزے اُگے۔ اونٹ سبزے چر کر اتنے موٹے ہو گئے کہ چربی بہنے لگے۔ یہ سال عام الفتح کہنے لگا۔“

یہ روایت مشکاۃ المصابیح [۳: ۳۱۶-۳۱۷] کتاب الفضائل باب انکرامات [۸] حدیث: [۵۹۵۰] میں سنن دارمی [۱: ۵۶۱] مقدمہ باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ ﷺ بعد موتہ [۱۵] حدیث: [۹۲] کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔ امام دارمی ^(۱) نے اس کی سند اس طرح نقل کی ہے: حدثنا أبو النعمان ثنا سعيد بن زيد ثنا عمرو بن مالك التكري، حدثنا أبو الجوزاء أوس بن عبد الله. [سنن دارمی: ۵۶۱]

یہ روایت معلول ہے اس لیے کہ:

- اس کا پہلا راوی [امام دارمی کے استاذ] ابو النعمان [محمد بن الفضل المعروف بعارم] ہے جس کے بارے میں امام ابن ابی حاتم ^(۲) لکھتے ہیں: اختلط عارم في آخر عمره و زال عقله فممن

(۱) عبد الله بن عبد الرحمن بن فضل بن بهرام تيمي دارمی، سمرقندی ابو محمد ۱۸۱ھ = ۷۹۷ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث تھے۔ حجاز، مصر، عراق اور خراسان تک حصول علم کے سلسلے میں تشریف لے گئے۔ سمرقند کے قاضی بنادیے گئے۔ صرف ایک فیصلہ دیا اور مستعفی ہوئے۔ عالم و فاضل، محدث و مفسر اور فقیہ تھے۔ سمرقند میں علوم حدیث کی نشر و اشاعت کا سہرا اُن کے سر ہے۔ ۲۵۵ھ = ۸۶۹ء کو وفات پائی۔

[تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۵۳۳، تهذيب التهذيب: ۲۶۱: ۵، الاعلام: ۴: ۹۵]

(۲) عبد الرحمن بن محمد ابو حاتم بن ادريس بن منذر تميمي، حنظلي، رازي ابو محمد۔ ”رے“ میں ۲۴۰ھ = ۸۵۴ء کو پیدا ہوئے۔ کبار حفاظ حدیث میں سے تھے۔ رجال حدیث کے ماہر عالم تھے۔ ۳۲۷ھ = ۹۳۸ء کو وفات پائی۔

[تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۸۲۹، الاعلام: ۳: ۳۲۴]

سمع عنه قبل الإختلاط فسماعه صحيح. [المجرح والتعديل ۵۹: ۸ ترجمہ: ۲۶۷]

”عامر آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہوا، اُس کی عقل زائل ہو گئی پس جس نے قبل از اختلاط اُس سے کوئی روایت سنی ہے تو وہ صحیح ہے (۱)۔“

اور یہ بات نہیں معلوم کہ امام دارمی نے اُن سے قبل از اختلاط روایتوں کا سماع کیا ہے یا بعد از اختلاط؟ اس لیے یہ روایت معلول اور نامقبول ہوئی۔

— اس کا دوسرا راوی سعید بن زید بن درہم الازدی ہے جس کی بعض محدثین توثیق کرتے ہیں لیکن امام سعدی فرماتے ہیں: حجت نہیں۔ محدثین اس کی روایت کو ضعیف جانتے ہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں: قوی نہیں۔ [میزان الاعتدال ۲: ۱۳۸ ترجمہ: ۳۱۸۵]

— اس کا تیسرا راوی عمرو بن مالک مکری بصری ہے جس کے بارے میں حافظ ابن عدی لکھتے ہیں:

(۱) مولانا شوکت علی صاحب تہذیب التہذیب ج ۹، صفحہ: ۳۵۷ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ”بہر حال اس کو أحد الثقات قبل أن یختلط بھی مان لیں تب بھی بالکل یہ مجروح نہیں ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ روایت اُس نے بعد از اختلاط نقل کیا ہے۔“ [تسکین الخواطر فی اثبات التوصل بالذوات الافاضل ۳۶۲]

سوال یہ ہے کہ کیا مولانا شوکت علی صاحب کو یہ معلوم ہوا ہے کہ امام دارمی نے اُن سے قبل از اختلاط روایت سنی ہے؟ اگر ایسا ہے تو کسی ایک محدث کا نام بتائیے جنہوں نے لکھا ہو کہ امام دارمی نے ابوالعمان سے قبل از اختلاط حدیث کی سماع کی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب ۳۴۹: ۹ بذیل ترجمہ: ۶۵۱۶ لکھا ہے کہ: وقع فی حدیثہ المناکیر الکثیرۃ فیجب التنبک عن حدیثہ فیما رواہ فإن لم یعلم هذا من هذا ترک الكل ولا یحتج بشيء منها.

”اُس کی روایات میں بکثرت منکر روایتیں داخل ہوئیں اُس لیے جن لوگوں نے ان سے بعد از اختلاط روایتیں لی ہیں اُن سے دور رہنا واجب ہے اور اگر کچھ معلوم نہ ہو کہ کون سی روایتیں قبل از اختلاط ہیں اور کون سی بعد از اختلاط تو ساری روایتیں متروک ہوں گی اور ان میں سے ایک بھی قابل احتجاج نہ ہوگی۔“

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: والحقم فیہ أن ما حدث قبل اختلاط إذا تُمیز قیل وإذا لم یُمیز تَوَقَّف فیہ وکذا من اشتبه الأمر فیہ. [شرح نخبة الفکر: ۱۰۴-۱۰۵]

”ایسے راوی نے اختلاط سے پہلے جو روایتیں بیان کی ہیں وہ تو مقبول ہیں اور جو اختلاط کے بعد بیان کی ہیں وہ غیر مقبول ہیں اور جن کی قبلیت و بعدیت کا علم نہ ہو سکے وہ حصول علم پر موقوف رہیں گی۔“

جب کہ مولانا صاحب بغیر کسی دلیل و برہان کے اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

ثقہ راویوں کی سند سے منکر روایتیں نقل کرتا اور احادیث کی چوری کرتا ہے^(۱)۔

[الکامل فی ضعفاء الرجال ۶: ۲۵۸، ترجمہ: ۳۲۷-۱۳۱۵]

یہ تو رہی اس روایت کی اسنادی حالت اس کے متن پر بھی کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں:

— پہلا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ منسوب کرنا کہ انہوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کے اوپر مکان کی چھت کھول دی جائے تاکہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت کا پردہ حائل نہ ہو۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کیونکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر میں دفن کیے گئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہی گھر کو منہدم کر دینے اور دیرانہ بنادینے کا حکم دیں گی اور گھر میں بلا چھت کے سکونت پذیر ہیں گی؟

— دوسرا: اگر یہ بات صحیح ہے کہ سیدہ عائشہ کے مشورہ کے مطابق چھت ہٹا دی گئی اور قبر سے آسمان تک ایک جھروکہ نکال دیا گیا تو کیا جسم مبارک کو ظاہر کرنے کے لیے قبر بھی کھول دی گئی؟ اور اس حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ ایسا کیا گیا تو بتایا جائے کہ ایسا کب کیا گیا اور کس طرح کیا گیا؟ اور اتنی اہم خبر تاریخ کے صفحات سے اب تک کیسے غائب اور مخفی رہ گئی؟

— تیسرا: اگر جسم اطہر کو کھولتے ہی آسمان سے بارش شروع ہو جایا کرتی تھی تو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں جب قط پڑا تھا اور لوگوں کے مال و اسباب تباہ ہو رہے تھے اُس وقت رسول اللہ ﷺ کا جسم اطہر آسمان کے سامنے کھلی فضا میں موجود تھا لیکن اس کے سبب بارش نہیں ہوئی بلکہ رسول اللہ ﷺ کو شہر سے نکل کر میدان میں جانا پڑا تھا اور استسقاء کے لیے نماز پڑھانی پڑی اور تضرع و عاجزی کے ساتھ دعاء مانگنی پڑی پھر کہیں آپ کی نماز و دعاء کی برکت سے بارش ہوئی۔

(۱) حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: جو راوی کسی ایک سند کے ساتھ ایسی متن لگائے جو اُس نے شیخ سے نہیں سنی یا کسی نام کو بدل ڈالا مثلاً مرۃ بن کعب کے بجائے کعب بن مرۃ یا سعد بن سنان کے بجائے سنان بن سعد کہے۔ اب اگر غلطی سے ایسا کرتا ہے تو اسے قریب الحدیث کہا جائے گا اور اگر عمدہ ایسا کرتا ہے تو اسے سارق الحدیث کہتے ہیں۔

[الموقظة فی علم مصطلح الحديث: ۶۰، بذیل مقلوب: ۲۲]

چوتھا: جب رسول اللہ ﷺ کی قبر سے آسمان تک روشن دان کھول دیا گیا تو بارش کے بعد پانی قبر میں بھی آیا ہوگا اور حجرے میں بھی اُس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہاں رہی ہوں گی؟

پانچواں: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب بارش کا یہ نسخہ معلوم تھا تو قحط پڑنے پر فوراً کیوں نہ سیدنا عمرؓ سے کہلوادیا اور سیدنا عمرؓ نے بھی قحط کی اس سختی و شدت میں عوام کو خواہ مخواہ بتلا رکھا۔ قحط پڑتے ہی کیوں نہ قبر سے جسم اطہر کو جھروکے کے ذریعہ کھلی فضا کے سامنے کر دیا؟ آخر کیا وجہ تھی کہ انہوں نے اس نسخہ کو استعمال نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرح خود بھی لوگوں کو لے کر میدان میں پہنچے اور سیدنا عباسؓ سے دعاء کرائی تب کہیں جا کر بارش ہوئی۔

چھٹا: صحیح روایات کے مطابق جب دیہاتی صحابیؓ مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اور دیہاتی نے شدید قحط سالی اور اس کے سبب مال و اسباب کی بربادی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فوراً دعاء کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی جو ہفتہ بر جاری رہی یہاں تک کہ دوسرے جمعہ کو پھر وہی دیہاتی صحابی ٹھیک اُسی وقت جب کہ آپ ﷺ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے مسجد میں آئے اور بارش کی کثرت کا رونار و کفریادی کی سیلاب سے راستے بند ہو گئے ہیں۔ آپ بارش بند ہونے کی دعاء فرمائیں۔ آپ نے دعاء کے لیے ہاتھ اٹھائے بارش تھم گئی اور سورج چمکنے لگا۔

یہ سب کچھ اس حالت میں ہوا جب آپ ﷺ کا جسم اطہر مسجد کی چھت کے نیچے پھنسا ہوا تھا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے محض آپ کی دعاء کی برکت سے بارش نازل بھی فرمائی اور روک بھی دی۔ اگر جسم اطہر کے فضا میں کھلتے ہی بارش ہونے لگتی تو آپ منبر پر کھڑے ہو کر دعاء نہ فرماتے بلکہ صحن مسجد میں آ کر کھڑے ہو جاتے اور بارش ہو گئی ہوتی لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ کیا خود ساقی کوثرؓ ہی کو یہ نسخہ معلوم نہ تھا؟

ساتواں: پھر جب ایسا ہی تھا تو قبر شریف کو ہمیشہ کے لیے کھلی رکھنا چاہیے تھا۔ اُس کو گند خضراء سے ڈھانکنے اور چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟ تاکہ جب کبھی ضرورت پڑتی خود بخود بارش شروع ہو جاتی اور حجاز مقدس کے لیے تو اور بھی اس کی ضرورت تھی کیونکہ اس کے موسم پر خشکی غالب ہے اور وہ علاقہ دوسروں کی بہ نسبت پانی کا زیادہ محتاج ہے۔

- آٹھواں: اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ بارش کی کثرت سے خوب سبزہ اُگا اور اونٹ چر کر اتنے فربہ ہو گئے کہ اُن کی چربی بہہ پڑی اور اسی لیے اس سال کو عَامُ الْفَتْق کا نام دے دیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سال مکمل بربادی اور تباہی کا تھا اور اس بارش نے تمام جانوروں کو خراب اور ناکارہ بنا ڈالا اور رحمت کے بجائے عذاب ہی کا باعث بنی (۱)۔

[۴] مولانا محمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: ”حصن حصین میں لکھا ہے کہ آدابِ دعاء میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انبیاء اور صلحاء کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی جائے اور اس کے حاشیہ الحرز الہشتمین میں لکھا ہے کہ ایسا کرنا مندوبات [مستحبات] میں سے ہے۔“ [البصائر: ۳۱، پشاور]

مولوی صاحب سے پوچھنا یہ ہے کہ آپ نے تو قطعی دلائل پیش کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ حصن حصین من کلام سید المرسلین علامہ ابن الجوزی (۲) کی تصنیف ہے۔ ان کا زمانہ قرون مشہور دہا بالخیبر سے کتنا دور ہے مگر پھر بھی محترم مولانا صاحب اُن کی بلا دلیل بات کو نص قطعی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ کسی بڑے سے بڑے عالم کے کہنے سے کوئی عمل مندوب یا مستحب نہیں ٹھہرتا اس کے لیے شرعی دلیل کی ضرورت ہے جو یہاں مفقود ہے۔ دعاء کے آداب سکھانا نبی اکرم ﷺ کے فرائض منصبی میں داخل ہے کسی اور کو کسی عبادت کے آداب سکھانے کی اجازت کس نے کب دی ہے؟

(۱) متن پر واریہ سارے اعتراضات کتاب الرد علی البکری الاستغاثہ فی الرد علی البکری تلخیص الاستغاثہ قاعدۃ حلیۃ فی التوسل والوسیلۃ الصارم المنکی فی الرد علی السبکی صیانۃ الإنسان عن وسوسۃ شیخ دحلان اور التوسل أنواعه وأحكامه سے مأخوذ ہیں۔

(۲) محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف الجوزی کی تالیف ہے۔ جوش القراء اور حافظ حدیث تھے۔ ۵۱ھ = ۱۳۵۰ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ وہاں پلے بڑے۔ دمشق میں دارالقرآن کے نام سے مدرسہ بنایا۔ روم کا سفر کیا۔ تیمور لنگ کی معیت میں ماوراء النہر کا سفر کیا وہاں سے شیراز چلے گئے اور وہاں کے چیف جسٹس کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ جزیرۃ ابن عمر کی نسبت سے جزری کہلائے۔ ۸۳۳ھ = ۱۴۲۹ء کو شیراز میں وفات پائی۔

[الضوء اللامع: ۹، ۲۲۵ ترجمہ: ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲]

[۵] مولانا صاحب نے سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ (۱) کی نابینا والی روایت بھی مسئلہ توسل کے سلسلے میں پیش کی ہے [البصار: ۳۱-۳۲، پشاور ۳۹ ترکی جو یہ ہے:

عن عثمان بن حنیف: أنَّ رجلاً ضریر البصر أتى النبي ﷺ فقال: ادْعُ اللَّهُ أن يعافيني قال: إن شئت دعوت لك وإن شئت أخرت ذلك فهو خير (وفي رواية: وإن شئت صبرت فهو خير لك) فقال: ادعُ. فأمره أن يتوضأ، فيحسن وضوءه، فيصلي ركعتين، ويدعو بهذا الدعاء: اللهم إني أسألك، و أتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، يا محمد! إني توجّهت بك إلى ربي في حاجتي هذه فتقضي لي اللهم شفاعة في [و شفعني فيه] قال: ففعل الرجل فبرأ. [سنن ترمذی کتاب الدعوات [۴۹] باب [۱۱۹] حدیث: ۳۵۷۸ سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ [۲] باب ماجاء فی صلاة الحاجۃ [۱۸۹] حدیث: ۳۸۵۰ مسند احمد: ۴/۱۳۸ المسند رک: ۱/۳۱۳: ۵۱۹

[۵۲۶]

”سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک نابینا شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اللہ تعالیٰ سے میری عافیت کی دعاء کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم چاہو تو دعاء کروں لیکن صبر کرو تو بہتر ہے اُس نے کہا دعاء ہی فرمائیے تو آپ نے اُس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضوء کر کے یہ دعاء پڑھو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبی رحمت محمد ﷺ کے ذریعہ متوجہ ہوتا ہوں اے محمد ﷺ! میں آپ کو اپنے رب کی طرف اپنی حاجت کے لیے متوجہ کرتا ہوں کہ آپ پوری کرائیں۔ اے اللہ! میرے بارے میں اُن کی شفاعت قبول فرما اور اُن کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ ابن حنیف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اُس نے ایسا ہی کیا اور وہ فی الفور ٹھیک ہو گیا (۲)۔“

(۱) عثمان بن حنیف بن وہب الانصاری الاوصی ابو عمرو رضی اللہ عنہ۔ صحابی ہیں۔ اُمید اور مابعد کے غزوات میں شریک رہے ہیں۔ سواد اور بصره کے امیر رہے ہیں۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ سیدنا معاویہ کے دور خلافت میں ۳۱ھ ۶۶۱ء کے لگ بھگ وفات پائی۔ [اسد الغابہ: ۳/۳۱۱ ترجمہ: ۳۵۷۸، الاعلام: ۴/۲۰۵]

(۲) شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر نے بھی اس روایت کو تسکین الصدور: ۱۹ پر نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ: سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی روایت بالکل صحیح ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور اسی طرح بعد از وفات توسل ہوا۔ [تسکین الصدور: ۴۱۶]

میں نہیں جانتا کہ اس سے بعد از وفات کا توسل بالذوات النفاضل کیسے ثابت ہوا؟

حافظ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: رواہ أهل السنن وصححه الترمذي..... وهو توجه وتوسل بدعائه وشفاعتهﷺ. [مجموع الفتاوى ۶۲:۲۷]

”اہل سنن نے یہ حدیث روایت کی ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔..... اور یہ رسول اللہ ﷺ کی دعاء اور شفاعت کا توسل اور توجہ تھا۔“

یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے لیکن اس سے مخلوق کی ذات کا وسیلہ کیسے ثابت ہوتا ہے؟ اس سے تو اناس کی تردید ہوتی ہے اور اس سے مؤمن کی دعاء کے مشروع وسیلہ کا جواز ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ وہ ناپیدا شخص رسول اللہ ﷺ کی ذات کو وسیلہ نہیں بنا رہا تھا بلکہ آپ ﷺ کی مقبول دعاء کو وسیلہ بنا رہا تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی دعاء صحت ہی کی امید لے کر آیا تھا:

[۱] اس لیے اُس نے آتے ہی کہا: اَدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُعَافِيَنِي.

”آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائیے کہ مجھے عافیت دے۔“

[۲] آپ نے جواب میں فرمایا: ”تم چاہو تو دعاء کر دوں، لیکن صبر کرو تو بہتر ہے۔“

[۳] اندھا دعاء پر اصرار کرتا رہا اور کہتا رہا: فَاَدْعُهُ. ”آپ اللہ سے دعاء فرمائیے۔“

[۴] رسول اللہ ﷺ نے صرف دعاء کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے وضوء جیسی عبادت کی تلقین کی۔

[۵] رسول اللہ ﷺ نے اُسے جو دعاء سکھائی تھی اُس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْنِيْ وَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ. [المصدر ۱: ۳۱۳، ۵۱۹، ۵۲۶]

”اے اللہ! میرے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرما اور اُن کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔“

اس دعاء میں وَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ کے الفاظ ثابت ہیں لیکن اس سے وسیلہ بالذوات الفاضلہ پر اعتراض وارد ہو سکتا ہے اس لیے اس کو نقل نہیں کیا جاتا۔ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! رسول اللہ ﷺ میرے بارے میں جو دعاء پیش کرتے ہیں تو اسے قبول فرما۔

[۶] مولانا صاحب نے [البصائر: ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴،

سیدنا ابوسعید خدری ؓ (۱) سے مروی روایت ہے کہ جو شخص گھر سے نماز کے لیے نکلے اور یہ دعاء پڑھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْكَ وَ بِحَقِّ مَمَشَايَ فَاِنِّیْ لَمْ اُخْرَجْ اَشْرًا وَلَا بَطْرًا وَلَا رِبَاءً وَلَا سَمْعَةً اُخْرِجْتُ اِتْقَاءَ سَخَطِكَ وَ اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ..... تو اللہ تعالیٰ اُس پر ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کر دے گا جو اُس کے لیے استغفار کریں گے اور اللہ تعالیٰ اُس کی طرف متوجہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ شخص نماز سے فارغ ہو جائے۔“

[مسند احمد ۲۱: ۳، عمل الیوم واللیلۃ ابن سنی: ۳۲-۳۳ احادیث: ۸۵۸۴، سنن ابن ماجہ: حدیث: ۷۷۸]

اس روایت کا سارا دار و مدار عطیہ عوفی پر ہے جس کے بارے میں امام ابن حبان ؒ لکھتے ہیں:

”یہ کچھ روز سیدنا ابوسعید خدری ؓ کی مجلس میں بیٹھا رہا، اُن کی وفات کے بعد مشہور قصہ گو کلبی کی مجالس میں شریک ہوتا رہا، اور اُس کی روایات سناتا رہا اور جب کلبی کہتا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے تو یہ اس کو یاد کر لیتا اور جب اپنے شاگردوں کے سامنے اُس کی روایت پیش کرتا تو کلبی کے نام کے بجائے اُس کی کنیت ابوسعید کہہ کر روایت کرتا رہا جس سے شاگرد سیدنا ابوسعید خدری ؓ مراد لیتے رہے حالانکہ اس سے مراد کذاب کلبی ہی ہوتا اور جب اُس سے کہا جاتا کہ تو نے یہ حدیث کس سے سنی ہے تو کہتا: ”ابوسعید“ اس لیے اس کی روایت کو لکھنا بھی جائز نہیں ہے (۲)۔“

[المحرر و صین ۲: ۱۶۷ ترجمہ: ۸۰۴]

حافظ ابن حجر ؒ ہی اسی عطیہ کے بارے میں لکھتے ہیں: قبیح تدلیس سے مشہور تھا۔

[تعریف اہل التدلیس: ۱۳۰ ترجمہ: ۱۲۲] [۶]

(۱) سعد بن مالک بن سنان، ابوسعید خدری، انصاری، خزرجی، جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۱۰۰ھ = ۶۱۳ء کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی مجالس میں اکثر و بیشتر حاضر رہتے۔ بارہ غزوات میں حصہ لیا۔ ۷۷ھ = ۶۹۳ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ [تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ۶: ۱۱۰، الاعلام ۳: ۸۷]

(۲) اس ”جرم“ کا اصطلاحی نام تدلیس الشیوخ ہے جو قطعاً حرام ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں:

هُوَ خِيَانَةٌ يَمْنُ تَعَمُّدَةً. [تعریف اہل التدلیس: ۲۶]

”جو قصداً عمد اُس کا ارتکاب کرتا ہے وہ دراصل خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔“

ابن سنی^(۱) کی سند میں وازع بن نافع عقیلی ہے جو امام ابن ابی حاتم کی تصریح کے مطابق شدید ضعیف اور ذاہب الحدیث تھا۔ امام ابو زرہؒ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا تھا کہ اس کی روایات کو پرے پھینک دو اس لیے کہ منکر ہوتی ہیں۔ [الجرح والتحدیل ۹: ۳۹-۴۰] امام حاکمؒ فرماتے ہیں: اس نے ابوسلمہ بن عبد الرحمن اور سالم کے نام سے موضوع احادیث نقل کی ہیں۔ [المدخل إلى الصحيح ۱: ۲۳۳ ترجمہ ۲۱۸] جب کہ یہ روایت بھی ابوسلمہ بن عبد الرحمن ہی کے سند سے ہے۔

[۷] مولوی صاحب [شامی ۱: ۳۹ کے حوالے سے] تو سل بالذوات کی ایک اور دلیل اس طرح پیش کرتے ہیں: ألا تری إلى مقال الإمام الشافعی: إني لأتبرك بأبي حنيفة رحمه الله و أجيئ إلى قبره فإذا عرضت لي حاجة صليت ركعتين و سألت الله عند قبره فتقضني سريعاً. [البصائر ۲۴: ۲۳۹ اور ۵۴: ۵۴ ترکی]

مولانا محمد تقی عثمانی صاحبؒ کے الفاظ میں: ”امام شافعیؒ فرماتے ہیں: میں امام ابو حنیفہؒ سے برکت حاصل کرنے کے لیے روزانہ ان کی قبر پر جاتا ہوں اور جب کبھی مجھے کوئی ضرورت لاحق ہوتی ہے میں دو رکعتیں پڑھ کر ان کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری حاجت پوری فرمادیتے ہیں۔“ [جہان دیدہ مولانا محمد تقی صاحب عثمانیؒ ۲۴: ۲۳۹] خطیب بغدادیؒ نے [تاریخ بغداد ۱: ۱۲۳] میں [مناقب الامام الاعظم الملقب بالجواہر المفیہ ۲: ۵۱۹] میں اس کہانی کو نقل کیا ہے جس کے بارے میں علامہ کوثریؒ لکھتے ہیں:

و تو سل الإمام الشافعی بأبي حنيفة مذکور فی أوائل تاریخ الخطیب بسند صحیح. [مقالات الکوثری: ۳۸۱]

”امام شافعیؒ کا امام ابو حنیفہؒ سے تو سل تاریخ خطیب میں صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے۔“

(۱) ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق ابن السنی الدینوری الشافعی مشہور عالم حدیث ہیں انہوں نے اسی سال سے زیادہ عمر پائی اور ۳۶۴ھ = ۹۷۷ء کو وفات پائی۔ علم حدیث کی تحصیل کے لیے اکثر سفر میں رہتے تھے۔ انہوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ امام نسائی کے شاگرد رہے ہیں۔ [طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۳: ۳۹]

یہ کہانی موضوع ہے اس کی سند کا ایک راوی عمر بن اسحاق بن ابراہیم ہے جس کا اسماء و جلال کی کتابوں میں کوئی اتنا پتا نہیں اس لیے حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

وهذا كذلك معلوم كذبہ بالإضرار عند من له معرفة بالنقل، فإن الشافعي لما قدم بغداد لم يكن ببغداد قبر ينتاب للدعاء عنده البتة بل ولم يكن هذا على عهد الشافعي معروفاً وقد رأى الشافعي بالحجاز واليمن والشام والعراق ومصر من قبور الأنبياء والصحابة والتابعين، من كان أصحابها عنده وعند المسلمين أفضل من أبي حنيفة وأمثاله من العلماء، فما باله لم يتوخ الدعاء إلا عنده؟ ثم أصحاب أبي حنيفة الذين أدر كوه، مثل أبي يوسف ومحمد وزفر والحسن بن زياد وطبقته لم يكونوا يتحرون الدعاء لا عند قبر أبي حنيفة ولا غيره ثم قد تقدم عند الشافعي ما هو ثابت في كتابه من كراهة تعظيم قبور المخلوقين خشية الفتنة بها، وإنما يضع مثل هذه الحكايات من يقل علمه ودينه. [إقتضاء الصراط المستقيم ۲۰۶: ۲۰۷]

”یہ قول امام شافعی پر سراسر جھوٹ، بہتان اور تہمت ہے اور ہر صاحب علم پر اس کا دروغ ہونا آشکارا ہے کیونکہ امام شافعی جب بغداد میں وارد ہوئے تھے تو وہاں کوئی ایسی قبر موجود نہ تھی جس پر دعاء کے لیے لوگ آیا کرتے ہوں، بلکہ امام شافعی کے زمانے میں سرے سے یہ فعل ہی موجود نہ تھا پھر امام شافعی نے حجاز مقدس، یمن، شام، عراق اور مصر میں انبیاء، صحابہ اور تابعین کی بکثرت قبریں دیکھیں جن میں سے ہر ایک خود ان کے نزدیک اور تمام مسلمانوں کے نزدیک امام ابو حنیفہ اور ان کے ہم پایہ علماء سے کہیں بڑھ کر افضل تھے مگر امام شافعی نے ان میں سے کبھی کسی کی قبر سے رجوع نہیں کیا اور رجوع کیا بھی تو امام ابو حنیفہ کی قبر سے، پھر خود امام ابو حنیفہ کے اصحاب مثلاً امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، اور امام حسن بن زیاد وغیرہم نے جو امام ابو حنیفہ کو دیکھ چکے تھے اور ان کے رتبے اور درجے سے واقف تھے، کبھی ان کی قبر یا کسی اور کی قبر سے رجوع نہیں کیا۔ پھر خود امام شافعی نے جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے اپنی کتاب میں قبروں کی حد سے زیادہ تعظیم کو مکروہ قرار دیا ہے تاکہ جہلاء فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ دراصل اس قسم کی روایتیں وہ لوگ تراشتے ہیں جو بے دینی کے ساتھ جہل کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔“

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: والحکایۃ المنقولۃ عن الشافعی: أنه کان یقصد الدعاء عند

قبر أبی حنیفہؒ من الکذب الظاهر. [إعانة اللمعان من مصابيد الشيطان ۱: ۲۱۸]

”امام شافعیؒ سے جو حکایت منقول ہے کہ آپ امام ابوحنیفہؒ کے قبر کے پاس دعاء کرنے جایا کرتے تھے سو یہ ظاہر باہر جھوٹ ہے۔“

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ نے ایک مفتی صاحب کے جواب میں۔ جنہوں نے علامہ شامیؒ کی کتاب سے اس روایت کو نقل کر کے استدلال کیا تھا۔ لکھا ہے:

”مفتی صاحب پر لازم ہے کہ وہ اصول حدیث کے رُوسے اس کے ایک راوی عمر بن اسحاق بن ابراہیم کا معتبر کتب اسماء الرجال سے اتہ پتہ بتائیں کہ یہ کون اور کیسا تھا؟ ثقہ تھا یا ضعیف؟

بلاشبک امام محمد بن عابدین شامیؒ کا مقام فقہ میں بہت اونچا ہے لیکن فن حدیث اور روایت میں محدثین کی بات قابل قبول ہوتی ہے جو جرح و تعدیل کے مسلم امام ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے حافظ ابن تیمیہؒ کی پوری عبارت نقل کی ہے اور آگے لکھا ہے۔ کہ: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ سرے سے یہ واقعہ ہی جھوٹا اور گھڑا ہوا ہے۔“ [باب جنت بجواب راہ جنت: ۶۳-۶۶]

[۸] مولوی صاحب لکھتے ہیں: ومن الدلائل علی جواز التوسل ما ذکر علامۃ الشامی

قوله: ومعروف الکرخي بن فيروز من المشائخ الکبار مجاب الدعوات يستسقی بقبیره. رد المحتار ج ۱ ص ۴۲۔ [البصائر: ۴۳، پشاور ۵۵، ترکی]

”توسل کے جواز کے دلائل میں سے ایک وہ دلیل بھی ہے جسے علامہ [ابن عابدین] شامیؒ نے ذکر کیا ہے کہ معروف کرخی بن فیروز۔ جو مشائخ کبار میں سے تھے اور مجاب الدعوات تھے۔ اُن کے قبر کے وسیلہ سے بارش برستی تھی۔“

سوال یہ ہے کہ:

۔ مولوی صاحب نے دلیل قطعی پیش کرنے کا وعدہ کیا ہے، کیا لوگوں کا ایسا عمل جس پر قرآن و سنت سے کوئی صحیح دلیل نہ ہو، دلیل قطعی ہے؟

۔ علامہ شامیؒ نے فقہی کتابوں سے مسائل اخذ کرنے کے بارے میں لکھا ہے:

إن ههنا قاعدة مقررۃ وهي أن المسائل الفقهيۃ إن کان مأخذها معلوماً مشهوراً من

الكتاب والسنة والإجماع فلانزاع فيها لأحد؛ وإلا بأن كانت اجتهادية يُنظرُ إن نقلها مجتهدٌ لزم أتباعه بلامطالبة بالدليل؛ وإلا فإن نقلها عن مجتهدٍ وثبت نقله فكذلك؛ وإلا فإن كان ينقلُ من قبلي نفسه أو من مقلدٍ آخر؛ أو أطلق؛ فإن بين دليلًا شرعيًّا فلا كلام؛ وإلا يُنظرُ فإن وافق الأصول والكتب المعتمدة يجوز العمل به؛ وينبغي للعالم أن يطلب الدليل عليه؛ وإن خالف ما ذكر فلا يلتفت إليه؛ فقد صرَّحوا أنَّ المقلد إن افترى بلا نقلٍ عن المعتمدين فلا يُنظرُ إلى فتواه.

[مجموع رسائل ابن عابدین شامی جلد اول، صفحہ: ۷۹، اساتواں رسالہ: شفاء العلیل وبلّ الغلیل فی حکم

الوصية بالتختمات والتهاليل]

”فقہی مسائل کے بارے میں یہ مشہور قاعدہ ہے کہ اگر قرآن مجید سنت نبی کریم ﷺ اور اجماع امت جیسے دلائل سے اُس کا ماخذ و مرجع معلوم ہو تو ایسے مسئلہ کو قبول کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہاں اگر کوئی اجتہادی مسئلہ ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ اُس کا ناقل اگر کوئی مجتہد ہے تو دلیل کا مطالبہ کیے بغیر اُس کی پیروی کی جائے گی اور اگر اُس کا ناقل کوئی ثقہ مقلد ہے اور اُس نے اُس پر امام اور مجتہد کا قول پیش کیا ہے تو اس حالت میں بھی اُس کی پیروی کرنی چاہئے اور اگر کوئی مقلد خود اپنی رائے سے کوئی مسئلہ پیش کرے یا کسی دوسرے مقلد کا قول پیش کرے تو اب دیکھا جائے گا کہ کیا اُس نے اس پر کوئی شرعی دلیل پیش کی ہے دلیل شرعی موجود ہو تو کوئی مخالفت نہیں کی جائے گی۔ اگر دلیل شرعی پیش نہیں کی ہے تو دیکھا جائے گا اگر شرعی اصول اور کتب معتبرہ کے موافق ہوا تو اُس پر عمل کرنا جائز ہے اور عالم کو چاہئے کہ اُس سے دلیل کا مطالبہ کرنے اور اگر مذکورہ جمیع اشیاء کے مخالف ہو تو نا قابلِ التفات ہے اس لیے کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اگر کوئی مقلد معتبر کتابوں سے نقل کیے بغیر کوئی فتویٰ دے تو اُس کا وہ فتویٰ نا قابلِ التفات ہے۔“

اس اصل کے تناظر میں ہم علامہ شامیؒ سے اس بات کے جواز کا دلیل پوچھنے کا حق رکھتے ہیں۔ اس بات کو بنیادی طور پر خطیب بغدادیؒ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: أعرف قبر معروف

الکرخي منذ سبعين سنة، ما قصدته مهموم إلا فرج الله همه. [تاریخ بغداد ۱: ۱۳۳]

اس کا ترجمہ جسٹس مولانا محمد تقی صاحب عثمانیؒ بن مفتی اعظم پاکستانؒ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

”ابو عبد اللہ بن محاملی فرماتے ہیں: میں معروف کرخی کی قبر کے بارے میں ستر سال سے جانتا ہوں جو کوئی غم زدہ وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعاء قبول فرماتے ہیں۔“

[جہان دیدہ: ۱۲۷]

خطیب بغدادیؒ اور جناب محمد تقی صاحبؒ عثمانی کی اس عبارت کو دیکھ کر علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے یہ اشعار بے اختیار یاد آتے ہیں:

می شود ہر مو درازے خرقة پوش آہ ازیں سوداگرانِ دیں فروش
با مریداں روز و شب اندر سفر از ضرورت ہائے ملت بے خبر
واعظاں ہم صوفیاں منصب پرست اعتبارِ ملت بیضا شکست
واعظ ما چشم با بت خانہ دوخت مفتی دین میں فتویٰ فروخت
[کلیات اقبال فارسی: ۷۰]

”افسوس! ہر لمبے بالوں والا شخص خرقة پہن کر دین فروشی کا کاروبار کرتا ہے۔ شب و روز مریدوں کے ساتھ پا برکاب رہتا ہے اور قوم و ملت کی ضروریات سے بے خبر رہتا ہے۔ صوفیاء اور واعظین دین سب منصب پرست ہیں اور ملت بیضاء کے اعتبار کو پارہ پارہ کئے ہوئے ہیں۔ واعظ نے اپنی نظربت خانہ پر جمائی ہے اور دین میں مفتی کا مفتی فتویٰ فروش ہے۔“

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: قبروں کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا بدعت ہے کہ ان کے قریب مانگی ہوئی دعاء افضل اور گھروں اور مساجد کے مقابلہ میں زیادہ مقبول ہے۔ [التوسل والوسیلۃ: ۷۲]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: أن يتحرى الدعاء عندها بحيث يستشعر أن الدعاء هناك أجوب منه في غيره فهذا النوع منهي عنه، إما نهى تحريم أو تنزيه وهو إلى تحريم أقرب.

[اتقواء الصراط المستقیم: ۱۹۵:۲]

”اگر کوئی اس کاوش میں لگا رہے کہ قبروں کے پاس دعاء کرے گا، اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ دوسرے مقامات کے نسبت قبروں کے قریب دعاء زیادہ قبول ہوتی ہے، اُس کا یہ فعل شریعت میں ممنوع ہے یہ ممنوع تحریمی یا کم از کم ممنوع تنزیہی ہے، اور یہ ممنوع تحریمی کے زیادہ قریب ہے۔“

[۹] مولوی صاحب ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں:

وقال في الحصن الحصين: وإن أراد عوناً فليقل يا عباد الله أعينوني يا عباد الله أعينوني، قال في الحرز الثمين: رواه الطبراني عن زيد بن علي عن عتبة بن غزوان عن النبي ﷺ أنه قال: إذا ضلَّ أحدكم شيئاً وأراد عوناً وهو بأرض ليس بها أنيس فليقل يا عباد الله أعينوني يا عباد الله أعينوني، فإنَّ لله عباداً لا تراهم، قال المؤلف: وقد جرب ذلك، قال علي القاري: وهذا حديث يحتاج إليه المسافرون، وإنه محرَّب. [البصائر: ٩١، پشاور: ٤٣، ترکی]

”حصن حصین میں کہا ہے: اگر امداد چاہتا ہو تو کہے: اللہ کے بندو! میری مدد کیجئے اللہ کے بندو! میری مدد کیجئے۔ حرزِ ثمین [شرح حصن حصین] میں ہے: اسے طبرانی نے زید بن علی کی سند سے عقبہ ابن غزوان [اصل نام سیدنا عقبہ بن غزوان ﷺ ہے] سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم سے کسی سے کوئی چیز گم ہو جائے یا اگر مدد چاہتا ہو اور وہ ایسی جگہ پر ہو جہاں کوئی [انسان] آس پاس نہ ہو تو کہے: اللہ کے بندو! میری مدد کیجئے اللہ کے بندو! میری مدد کیجئے اس لیے کہ اللہ کی ایسی مخلوق بھی ہے جنہیں تم نہیں دیکھتے۔ مؤلف کہتا ہے: یہ عمل مجرب ہے۔ ملا علی قاری نے کہا ہے: مسافر اس حدیث کے محتاج ہیں اور یہ مجرب ہے۔“

اس سلسلے میں دو باتیں عرض کرنی ہیں:

— پہلی یہ کہ اسے امام طبرانی نے مجتم کبیر: ۱۷۱-۱۱۸ میں ۲۹۰ نمبر پر نقل کیا ہے اس کا آخری راوی سیدنا عقبہ بن غزوان ﷺ (۱) ہیں جن کی وفات ۱۷ھ میں ہوئی۔

[تقریب التہذیب: ۲۱۲، ترجمہ: ۳۳۳۸]

اُن سے اس کو نقل کرنے والا زید بن علی ہیں جن کی ولادت ۷۹ھ کو ہوئی۔ [الاعلام: ۳: ۵۹] ان کے مابین ۶۲ سال کا طویل عرصہ ہے جن میں کم از کم دو راوی درکار ہیں۔ کیا مولوی صاحب بتا سکتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے یا ضعیف؟ یہ روایت معضل ہے جس سے کسی مسئلے کا استدلال علم حدیث سے بے خبری کی دلیل ہے۔

(۱) عقبہ بن غزوان بن جابر بن وہب الحارثی المازنی ابو عبد اللہ ﷺ جلیل القدر صحابی اور بصرہ کے بانی مہابی ہیں۔ ۴۰ قبل ہجری = ۵۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ قدیم الاسلام ہیں۔ حبشہ ہجرت کی۔ بدری ہیں۔ ۱۷ھ = ۶۳۸ء کو وفات پائی۔ [تقریب التہذیب: ۲۱۲، ترجمہ: ۳۳۳۸، الاعلام: ۳: ۲۰۰]

حافظ بیٹھی لکھتے ہیں: زید بن علی نے سیدنا عتبہ بن غزوہ ان کا زمانہ نہیں پایا۔ [مجمع الزوائد: ۱۰: ۱۳۳]
 - دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا دین - دین اسلام - تجربوں سے نہیں بلکہ دلائل و براہین اور حج و
 بینات کی بنیاد پر ثابت کیا جاتا ہے۔

[۱۰] مولوی صاحب لکھتے ہیں: وقال في حصن الحصين: وإذا خدرت رجله فليذ كر أحب
 الناس إليه، و في حاشيته: خدرت مرة رجل عبد الله بن عمر رضي الله عنهما فقال: يا
 محمد ﷺ! فكأنما نشط من عقال، وعن مجاهد قال: خدرت رجل رجل عند ابن
 عباس رضي الله عنهما قال له: أذكر أحب الناس إليك فقال: محمد ﷺ! فذهب عنه.
 فانظر إلى هذه الروايات تَمَسَّكَ بها العلماء المحققون المحدثون، فالمنكر عن
 التوسل ليس إلا معانِدٌ أو مكابرٌ. [البصائر: ۶۱: ۲۹۰]

”حصن حصین میں کہا ہے کہ جب کسی کا پاؤں سن ہو جائے تو اپنی محبوب ترین شخصیت کو یاد کرے۔
 اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں ایک دفعہ سن ہو گیا تو انہوں نے یا محمد
 ﷺ کہا تو آپ ایسے تندرست ہو گئے کہ گویا ان کی رسیاں کھول دی گئیں اور مجاہد سے روایت ہے
 کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک شخص کا پاؤں سن ہو گیا تو آپ نے اُس سے فرمایا اپنی
 محبوب ترین شخصیت کو یاد کرو اُس نے محمد ﷺ کہا تو ٹھیک ہو گیا۔ ان روایات کو پڑھئے۔ علماء محققین
 اور محدثین نے ان پر عمل کیا ہے پس توسل کا منکر یا تو معاند ہے اور یا مکابر۔“
 اسناد پر بحث کرنے سے پہلے مولوی صاحب سے پوچھنا ہے کہ:

یہ توسل ہے یا عابانہ پکار؟

کیا مولوی صاحب یا محمد کہنا جانتے ہیں؟

رہی اسناد سوغرض ہے کہ پہلی روایت اس سند کے ساتھ مروی ہے: ابواسحاق سہمی از یثیم بن
 حنشل۔ [عمل الیوم واللیلۃ: ابن سنی: ۸۸: حدیث: ۱۷۰: الاذکار: نووی: ۳۶۰: ۲: الکلم الطیب: ۱۲۰]

اور یہی یثیم بن حنشل خطیب بغدادی کی تصریح کے مطابق مجہول راوی ہے۔

[الکفایۃ فی علم الروایۃ: ۸۸]

امام ابن اسنی اسے ”ابو اسحاق سبیعی از ابو شعبہ“ کے سند سے نقل کرتے ہیں۔

اور ابو شعبہ امام دارقطنی کی تصریح کے مطابق متروک الحدیث تھا۔ [میزان الاعتدال ۴: ۵۳۶]

نیز اس روایت کا مرکزی راوی ابو اسحاق سبیعی ہے جس کا نام عمرو بن عبد اللہ ہمدانی ہے جو اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔ [تقریب التہذیب: ۳۵۳ ترجمہ: ۵۰۶۵]

اختلاط ہی کے باعث وہ اسے کبھی یثیم بن حنشل اور کبھی ابو شعبہ کے نام سے روایت کرتا ہے پس اصول حدیث کے مطابق یہ حدیث ”مضطرب“ ہے جو ضعیف و ناقابل استدلال ہوتی ہے۔

یعنی دوسری روایت سو وہ اس طرح ہے کہ: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا پاؤں ایک دفعہ کن ہو گیا تو کسی نے انہیں کہہ دیا: اذکر احب الناس الیک فقال: محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

[عمل الیوم واللیلۃ از ابن اسنی: ۸۹ حدیث: ۱۶۹ الاذکار از زوی: ۲: ۳۶۰، الکلم الطیب: ۱۲۰]

”اُس شخص کا نام لیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو تو انہوں نے ”محمد“ کہا، اُن کا ایسا کہنا تھا کہ تکلیف دور ہوگئی۔“

یہ روایت بھی ناقابل استدلال ہے اس لیے کہ اس کا دارودار غیاث بن ابراہیم پر ہے جس کے بارے میں امام ابن معین لکھتے ہیں: کذاب تھا۔ [التاریخ: ۲: ۴۷۰، نص: ۲۲۹۸]

امام جوزجانی لکھتے ہیں: احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ [احوال الرجال: ۲۰۱ ترجمہ: ۳۷۰]

کچھ مزید دلائل

[۱] شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر اور مولانا شوکت علی صاحب صوابی لکھتے ہیں:

ایک شخص سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ضروری کام کے سلسلہ میں آیا جایا کرتا تھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہ تو اُس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ اُس کی حاجت براری کرتے وہ شخص سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور اس کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا: وضوء کی جگہ جا اور وضوء کر کے پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ پھر کہہ: اللھم انی اسألك واتوجه الیک بنینا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمة یا محمد! انی اتوجه بک الی ربک. [مجموعہ صغیر: ۱۸۳، دلائل النبوة: ۶: ۱۶۷]

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں

جو نبی الرحمت ہیں۔ یا محمد! میں تیرے وسیلہ سے تیرے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔“
 اس روایت کے آخر میں اس کی تصریح ہے کہ اُس شخص نے ایسا ہی کیا اور اس دعاء کی برکت سے
 سیدنا عثمان بن عفان ؓ نے اُس کی تعظیم و تکریم بھی کی اور اُس کا کام بھی پورا کر دیا۔
 [تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور: ۴۲۳-۴۲۴، تسکین الخواطر فی اثبات التوسل
 بالذوات الافاضل: ۳۴۷، حدیث: ۳]

مولانا صفدر صاحب نے سند کی تحقیق کیے بغیر امام طبرانی، منذری، سیکی اور سمهودی کے حوالہ سے
 اس کی تصحیح فرمائی ہے اور مولانا تھانویؒ کے نشر الطیب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:
 ”اس سے توسل بعد الوفا بھی ثابت ہے۔“

حالانکہ اس کے اسناد اور متن پر درج ذیل اعتراض ہیں:

۱- رسول اللہ ﷺ کو ”یا محمد ﷺ“ کہنا از روئے قرآن ناجائز ہے، کیا سیدنا عثمان بن حنیف ؓ
 اس سے بے خبر تھے؟ اور روایت کا یہی ٹکڑا اس کا واضح ثبوت ہے کہ یہ قصہ مصنوعی ہے۔
 [مولانا صفدر صاحب نے نبی الرحمة تک حدیث نقل فرمائی ہے تاکہ یہ اعتراض وارد نہ ہو سکے۔]

۲- خلیفہ راشد سیدنا عثمان ذوالنورین ؓ اللہ کی مخلوق پر بڑے ہی شفیق تھے۔ آپ رفاہی کاموں
 میں سب سے آگے اور عوام کی خدمت میں پیش پیش رہا کرتے تھے، لیکن یہ روایت اُن کی بدخلقی
 کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ مسلمانوں کی حالات اور اُن کی ضروریات سے اُن کو کوئی دل چسپی نہیں
 تھی۔ لوگ اُن سے بار بار ملنے آتے اور وہ اُن کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے اور
 لوگ اُن کی اس بدخلقی سے تنگ آ کر رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعاء مانگتے ہیں تب کہیں جا کر
 وہ سنتے اور نرم پڑتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلك .

(۱) امیر المؤمنین سیدنا عثمان ؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ قریش میں سے تھے۔ ذوالنورین لقب تھا۔
 اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی دو بیٹیاں: سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے اُن کے عقد میں
 آئیں۔ تیسرے خلیفہ راشد ہیں۔ اُن کی دینی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ۴۷ قبل ہجرت = ۵۷۷ء کو مکہ
 معظمہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے اسلام میں ایمان لائے۔ ۲۳ ہجری کو شہادت فاروقی ؓ کے بعد خلیفہ منتخب
 ہوئے۔ ۳۵ھ = ۶۵۶ء کو ۸۲ برس کی عمر میں شہادت پائی۔ [الاصابة فی تمییز الصحابة: ۲، ۴۷۲، الاعلام: ۴، ۲۱۰]

[اس اعتراض سے بچنے کے لیے مولانا صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں: سیدنا عثمانؓ [عالم ابوجہ مصروفیت] اس کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے۔]

۳: امام طبرانیؒ اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

لم يروه عن روح بن القاسم إلا شبيب بن سعيد. [معجم صغير: ۱۸۴]

”اسے روح بن قاسم سے شبيب بن سعيد کے علاوہ کوئی دوسرا راوی روایت نہیں کرتا۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ شبيب اس کو نقل کرنے میں منفرد ہے جب کہ شبيب ثقہ ہونے کے باوجود غرائب کو بھی نقل کیا کرتا تھا۔ [میزان الاعتدال ۲: ۲۶۲]

پھر شبيب سے اس کو روایت کرنے والا عبد اللہ بن وہب ہے۔ [معجم صغير: ۱۸۳]

حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ شبيب کے فرزند احمد کی اپنے والد سے روایت لا باس بہ ہے مگر اس سے ابن وہب کی نقل کردہ روایت ایسی نہیں ہوتی۔ [تقریب العهد: ۲۹۷ ترجمہ: ۲۷۹] حافظ ابن عدیؒ لکھتے ہیں: عبد اللہ بن وہب نے شبيب کے نام سے مناکیر روایت کی ہیں۔

[الکامل فی ضعفاء الرجال ۵: ۲۷۷ ترجمہ: ۱۱-۸۹۱]

امام بیہقیؒ نے اسے اسماعیل بن شبيب از شبيب کے سند سے نقل کیا ہے۔ [دلائل النبوة ۶: ۱۶۷] اور اسماعیل بن شبيب کے بارے میں امام نسائیؒ فرماتے ہیں: متروک الحدیث تھا۔

[میزان الاعتدال ۱: ۲۳۳]

معلوم نہیں یہ روایت کن اصول کے تحت صحیح ہوئی؟

[۲] مولانا شوکت علی صاحبؒ لکھتے ہیں: سیدنا ابوالدرداءؓ (۱) نے رسول اللہ ﷺ سے روایت بیان کی ہے: ابغوني في ضعفائكم فإنما ترزقون أو تنصرون بضعفائكم (۲)۔

(۱) عویم بن مالک بن قیس بن امیہ انصاری خزرجیؓ صحابی ہیں۔ ہوشیار شہسوار اور قاضی تھے۔ بعثت نبوی سے قبل مدینہ منورہ میں تجارت کرتے تھے۔ پھر عبادت کے لیے خود کو وقف کیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد عبادت اور شجاعت سے شہرت پائی۔ رسول اکرم ﷺ کے عہد میں قرآن مجید کو حفظ کیا۔ ۳۲ھ = ۶۵۲ء کو شام میں وفات پائی۔ اُن سے ۱۷۹ احادیث مروی ہیں۔ [الاستیعاب ۹۲: ۷۹۳-۷۹۴ ترجمہ: ۱۱۳] (۲) الامام علامہ: ۵: ۹۸

(۲) مولانا صاحبؒ نے یہ حدیث مشکاة المصابیح کے حوالے سے لکھی ہے جو حدیث کی درجہ کتاب تو ہے لیکن۔

”تم لوگ مجھے اپنے کمزور اور ناتواں لوگوں میں تلاش کرو کیونکہ تمہیں رزق کا دیا جانا تمہیں اپنے دشمن کے مقابلے میں مدد ملنا انہی لوگوں کی برکت سے ہے جو تم میں کمزور ہیں۔“

[تسکین الخواطر فی اثبات التوسل بالذوات الافاضل: ۳۵۰، حدیث: ۴۰]

مولانا شوکت علی صاحب اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یعنی ان لوگوں کے طفیل آپ لوگوں کو رزق کی فراوانی اور دشمن کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ فتح و نصرت عنایت فرماتے ہیں۔“ [تسکین الخواطر فی اثبات التوسل بالذوات الافاضل: ۳۵۲]

مولانا صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ:

— اس حدیث کا برکت اور توسل سے کوئی تعلق نہیں۔ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں:

وَأَمَّا التَّمَسُّكُ بِقَوْلِهِ ﷺ: إِنَّمَا تُرْزَقُونَ بِضِعْفَائِكُمْ، فَلَيْسَ بِنَاهِضٍ، لِأَنَّهُ لَيْسَ عَلَى التَّوَسُّلِ، بَلْ مَعْنَاهُ: أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَرْزُقُكُمْ بِرِعَايَةِ الضُّعْفَاءِ، وَالرِّعَايَةِ لَكُمْ نَهْمٌ فَيَكُمُ.

[فیض الباری: ۲/۳۹۷، کتاب الاستقواء، [۱۵] باب سوال الناس بالامام الاستقواء، از الخطوا [۳] بذیل حدیث:

[۱۰۱۰]

”حدیث: إِنَّمَا تُرْزَقُونَ بِضِعْفَائِكُمْ سے استدلال کرنا کچھ قوی بات نہیں، کیونکہ اس کا معنی توسل نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ضعیف و ناتواں لوگوں کی رعایت اور اُن کا خیال رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ تمہیں رزق دیتے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ تمہارے اندر موجود ہیں۔“

— اس حدیث کی توضیح ایک اور حدیث میں موجود ہے:

إِنَّمَا يَنْصُرُ اللَّهُ هَذِهِ الْأُمَّةَ بِضِعْفِهَا بِدَعْوَتِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ وَإِحْلَاصِهِمْ.

[سنن نسائی، کتاب الجہاد، [۲۵] باب الاستصار بالضعیف، [۴۳] حدیث: ۳۱۷۹]

”بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد فرماتے ہیں کمزور و ضعیفوں کی دعاء اُن کی نماز اور اُن کی

..... اس بارے میں اصلی مرجع وہاں نہیں ہے۔ امام ابو داؤد نے اسے اس طرح نقل کیا ہے: ابغوني في الضعفاء فإنما تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضِعْفَائِكُمْ.

[سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، [۹] باب فی الانتصار بـ ذل الخلیل والضعفة، [۷۷] حدیث: ۲۵۹۴]

اخلاص سے۔“

[۳] مولانا شوکت علی صاحب لکھتے ہیں: عن أمية بن خالد بن عبد الله بن أسيد عن النبي ﷺ أنه ﷺ كان يستفتح بصعاليك المهاجرين. مشکوٰۃ: ۴۲۷۔

”امیہ بن خالد رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ مہاجرین فقراء کی برکت سے فتح کی دعاء مانگتے تھے۔“ [تسکین الخواطر فی اثبات التوسل بالذوات الافاضل: ۳۵۷-۳۵۸ حدیث: ۶]

مولانا صاحب یہ بھی لکھتے ہیں: ”مذکورہ بالا حدیث امیہ بن خالد کی روایت میں تو آپ ﷺ نے بذات خود توسل بصعاليك المهاجرين ارشاد فرمایا ہے اور یہ الحمد للہ ہمارے مدعا پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے۔“ [تسکین الخواطر فی اثبات التوسل بالذوات الافاضل: ۳۵۹-۳۶۰]

مولانا شوکت علی صاحب نے خلاف معمول اس حدیث کی سند سے بحث نہیں کی ہے کیوں؟ اس کا جواب وہ خود دے سکتے ہیں۔

بنیادی طور پر اس روایت کو امام طبرانی نے معجم کبیر: ۲۹۲ [احادیث: ۸۵۹۸۵۸۸۵۷] میں روایت کیا ہے جس کا سارا دارود را امیہ بن خالد بن اسید پر ہے جو اسے رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں حالانکہ یہ صحابی نہیں۔ علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

لا تصح عندي صحبته، والحديث مرسل. [الاستيعاب: ۸۹ ترجمہ: ۷۶]

”اس کا صحابی ہونا میرے نزدیک صحیح [ثابت] نہیں اور اس کی روایت مرسل^(۱) ہوتی ہے۔“

(۱) مرسل لغت میں اُرسل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنی آزاد چھوڑنے کے ہیں۔ اصطلاح میں وہ

روایت ہے جس کی سند کا آخری حصہ تابعی کے بعد بیان نہ کیا گیا ہو۔ [مقدمۃ ابن الصلاح: ۷۰-۷۱-نوع: ۹]

یعنی تابعی قال رسول اللہ ﷺ کہے اور حدیث بیان کرے خواہ تابعی بڑے رتبے کا ہو یا معمولی درجے کا۔

[شرح نخبة الفکر: ۶۶-۶۷، التک علی کتاب ابن صلاح: ۲: ۵۴۳-۵۴۴]

اس سے معلوم ہوا کہ مرسل ایسی روایت ہے جس کا بیان کرنے والا زمانہ وقوع میں موجود نہیں تھا اور اسی بنیاد پر اس کی حجت کی بحث چل پڑی، محققین کے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں۔

حدیث نبوی کے حفاظ و نقاد کی آخری و حتمی رائے یہی ہے اور اسی فیصلہ کو انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔ امام ابن صلاح فرماتے ہیں: وما ذکرناه من سقوط الاحتجاج بالمرسل والحکم بضعفه =

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: "ومن زعم أن له صحبة فقد وهم. [الاصابة: ۱۲۷، ترجمہ: ۵۵۰]

"جس نے اس کے صحابی ہونے کا قول کیا ہے وہ وہم کا شکار ہوا ہے۔"

حافظ ابن حجرؒ یہ بھی لکھتے ہیں: "هذا ليست له صحبة. [الاصابة: ۱۲۸، ترجمہ: ۵۵۰]

"اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں۔"

[۴] مولانا شوکت علی صاحب نے مصنف ابن شیبہؒ [۶۴: ۱۷، حدیث: ۳۲۶۶۵] کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے: "أصاب الناس قحطٌ في زمن عمر فجاء رجلٌ إلى قبر النبي ﷺ فقال: يا رسول الله! استسقى لأمتك فإنهم قد هلكوا، فأتاني الرجل في المنام فقبل له: أتيت عمر فأقرئته السلام وأخبرته أنكُم مَسْقِيُونَ وقل له: عليك الكيسُ عليك الكيسُ فأتاني عمر فأخبره فبكي عمر ثم قال: يارب! إلا ألوا إلا ما عجزت عنه."

[تسکین الخواطر فی اثبات التوسل بالذوات الافاضل: ۳۷۱-۳۷۲]

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفر از خان صاحب صفدر نے اس روایت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: "سیدنا عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا اور اس کی وجہ سے بے حد تکلیف پیش آئی۔ گاؤں کا رہنے والا ایک شخص [اعرابی] رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور آپ سے

= هو المذهب الذي استقر عليه آراء جماهير حفاظ الحديث ونقاد الأثر وتداولوه في تصانيفهم.

[مقدمة ابن الصلاح: ۷۳]

"ہم نے مرسل روایت کو جو ضعیف اور ناقابل استدلال و احتجاج کہا ہے یہ ایسا مذہب ہے جس پر جمہور حفاظ حدیث اور ناقدین آثار متفق ہیں اور ان کی کتابوں میں یہی متداول ہے۔"

امام مسلمؒ فرماتے ہیں: "والمرسل من الروايات في أصل قولنا وقول أهل العلم بالأخبار ليس بحجة."

[صحیح مسلم: ۳۰، مقدمہ باب ۶]

"در اصل مرسل روایتیں ہمارے اور روایات کا علم رکھنے والوں کے قول کے مطابق حجت نہیں۔"

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: "المرسل ضعيف لا حجة فيه. [فتح الباری: ۱/۲۵۱: ۵۱، ۵۲: ۱۹۰، ۲۶۷]

"مرسل ضعیف اور ناقابل حجت ہوتی ہے۔"

مرسل کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں غیر معروف راوی حذف کیا جاتا ہے جو غیر ثقہ بھی ہو سکتا ہے۔

[الباعث الحثیث احمد محمد شاکر: ۵۸]

درخواست کی کہ آپ کی امت نہایت تکلیف میں ہے اور اس کی ہلاکت اور بربادی کا خطرہ ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائے۔ آپ کی قبر کے پاس دعاء کر کے یہ شخص چلا گیا۔ رات کو خواب میں رسول اللہ ﷺ اس شخص سے ملے اور فرمایا کہ عمرؓ کے پاس جاؤ اور اس سے میرا سلام کہو اور یہ خبر دے دو کہ ان شاء اللہ تعالیٰ بارش ہوگی اور عمرؓ سے کہہ دو کہ وہ عقل مند ہی کو لازم پکڑے۔ صبح ہوئی تو وہ شخص عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب کا یہ سارا ماجرا ان کو سنا دیا۔ یہ خبر سن کر [مارے خوشی کے] سیدنا عمرؓ رو پڑے اور فرمایا کہ میرے رب! جو چیز میرے بس میں ہے اُس کے بارے میں تو کبھی میں نے کوتاہی نہیں کی۔“ [سماع الموقی: ۱۱۶]

مولانا شوکت علی صاحب نے اس روایت کی صحت پر بڑا زور دیا ہے، جس پر ہمارا صواب ہے۔ ہم بھی اس کی سند صحیح مانتے ہیں، لیکن اسناد کا صحیح ہونا روایت کو قبول کرنے کے لیے کافی نہیں بلکہ اسناد کے صحیح ہونے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا متن صحیح، معروف اور غیر منکر ہو، حالانکہ یہ متنا منکر ہے۔

سیدنا عمرؓ حدیث کے بارے میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے چنانچہ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: **فَيَأْخِذُ بِأَنَّ أَحَبَّتَ أَنْ تَعْرِفَ هَذَا الْإِمَامَ حَقَّ الْمَعْرِفَةِ فَعَلَيْكَ بِكِتَابِي "نَعَم السَّمَرْنِي سِيرَةُ عُمَرَؓ"** فَإِنَّهُ فَارَقَ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالرَّافِضِيِّ قَوْلَ اللَّهِ مَا يَغْضُ مِنْ عُمَرَ إِلَّا جَاهِلٌ دَائِصٌ أَوْ رَافِضِيٌّ جَائِرٌ وَأَيْنَ مِثْلَ أَبِي حَفْصٍ؟ فَمَا ذَاكَ الْفَلَكُ عَلَى مِثْلِ شَكْلِ عُمَرَؓ هُوَ الَّذِي سَنَّ لِلْمُحَدِّثِينَ الثَّبْتَ فِي النُّقْلِ وَرَبَّمَا كَانَ يَتَوَقَّفُ فِي خَبَرِ الْوَاحِدِ إِذَا رَتَابَ. [تذكرة الحفاظ: ۶۱]

”میرے بھائی! اگر آپ اس امام کے بارے میں صحیح علم کرنا چاہتے ہیں تو میری کتاب نعم السمرنی سیرۃ عمرؓ کا مطالعہ کیجئے، جو مسلمان اور رافضی کے مابین تمیز اور جدائی کرنے والی ہے اللہ کی قسم! سیدنا عمرؓ کا درجہ کوئی جاہل و تکبر یا کوئی ظالم رافضی گھٹائے گا۔ سیدنا ابو حفصؓ جیسے لوگ کہاں ہیں؟ فلک نے عمرؓ جیسا کوئی نہیں دیکھا ہوگا اور آپ ہی نے محدثین کے لیے خبر واحد کو نقل کرنے کی جانچ پڑتال کا اصول وضع کیا اور جب انہیں خبر واحد میں کسی قسم کا شک ہو

جاتا تو آپ اُس کو قبول کرنے میں توقف کرتے تھے۔“

سیدنا عمر فاروق ؓ نے روایات و احادیث کے سلسلے میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا۔ آپ سے سیدنا ابو موسیٰ اشعری ؓ کی استیذان سے متعلق روایت کو اُس وقت تسلیم کیا جب سیدنا ابوسعید خدری ؓ نے اُن کی تائید فرمائی۔

[صحیح بخاری، کتاب البیوع [۳۴] باب الخروج فی التجارة [۹] حدیث: ۲۰۶۲، کتاب الاستیذان [۷۹] باب التسليم والاستیذان ثلاثا [۱۳] حدیث: ۶۲۳۵، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة [۲۲] باب الحج علی من قال: اَن احکام النبی ﷺ کانت ظاهرة [۲۲] حدیث: ۷۳۵۳، صحیح مسلم، کتاب الآداب [۳۸] باب الاستیذان [۷] حدیث: ۲۱۵۳]

ایک روایت میں ہے: اَن عمر ؓ قال لأبي موسى ؓ: أما إني لم أتْهمك و لكني أردت ألا يتجرأ الناس على الحديث عن رسول الله ﷺ.

[موطأ امام مالک ۲: ۹۶۳، کتاب الاستیذان [۵۴] باب الاستیذان [۱] حدیث: ۳۰]

”سیدنا عمر ؓ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری ؓ سے فرمایا: میں اس معاملے میں آپ پر بدگمانی نہیں کرتا لیکن میں چاہتا ہوں کہ لوگ رسول اکرم ﷺ پر جھوٹی احادیث وضع نہ کریں۔“

جب کہ زیر نظر حدیث میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ایک آدمی [رجُل] کے اس قول کو بلاچوں و چرا تسلیم کرتے ہیں جو صحابہ کرام ؓ کے اجماع اور سیدنا عمر ؓ کے عمل کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر اس طرح کا استشفاع جائز ہوتا تو سیدنا عمر ؓ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا عباس ؓ کو باہر لے جا کر بارش کے لیے اُن سے دعاء نہ کرتے اور نہ یہ کہتے کہ اب نبی اکرم ﷺ موجود نہیں ہیں اس لیے ہم آپ کے چچا سیدنا عباس ؓ کی دعاء سے توسل کرتے ہیں۔ یہ چیز اس روایت کو مشکوک بنا دیتی ہے۔

تنبیہ

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر ؒ اس اعرابی [رجُل] ایک نامعلوم شخص کے بارے میں لکھتے ہیں: ”طبری ۴: ۹۹ اور البدایہ والنہایہ [۷: ۸۸] وغیرہ کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ

خواب دیکھنے والے یہ اعرابی بزرگ سیدنا بلال بن حارث مزیؓ (۱) [وفات: ۶۰ھ] جلیل القدر اور مشہور صحابی تھے۔ انہوں نے جس وقت یہ خواب سیدنا عمرؓ کے سامنے پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا سفیر اور قاصد ہوں..... - [سابع الموتی: ۱۷۷]

لیکن شیخ الحدیث صاحب نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے، جس میں اعرابی کے بجائے سیدنا بلال بن حارث مزیؓ کا نام لیا گیا ہے اُس کا راوی سیف بن عمر ضعی ہے۔

[تاریخ ابن جریر طبری ۳: ۱۹۲، البدایہ والنہایہ ۷: ۸۸، حوادث ۱۸: ۱۸۷، وقایع الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ ۴: ۱۹۵]

جب کہ سیف بن عمر ضی اسیدی کے بارے میں حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ: وہ واقدی کی طرح تھا۔ جابر جعفیؒ اور دیگر مجہول راویوں سے روایت کرتا ہے۔ امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں: ایک پیسہ اُس سے بہتر ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں: کوئی شے نہیں۔ امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں: متروک تھا۔ حافظ ابن حبانؒ کہتے ہیں: زندقہ سے بدنام ہے۔ حافظ ابن عدیؒ فرماتے ہیں: اُس کی عام روایتیں منکر ہوتی ہیں۔..... احادیث وضع کرنے سے بدنام تھا۔“

[میزان الاعتدال ۲: ۲۵۵-۲۵۶، ترجمہ: ۳۶۳۷]

کیا ایسے شخص کی روایت صحیح ہوتی ہے؟ نہیں؛ بلکہ موضوع ہوتی ہے۔
یہ بھی یاد رہے کہ محترم شیخ الحدیث کا یہ لکھنا مفید نہیں کہ ”حافظ ابن کثیر“ حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ سمہودی تینوں بزرگ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ [سار الموقی: ۱۱۷]
اس لیے کہ ان اکابر نے اُس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے جس میں سیدنا بلال بن حارث مرفیؓ کا نام نہیں لیا گیا ہے، یہی وہ روایت جس میں اُن صحابی کا نام ذکر ہے یہ اکابر اُس کی تصحیح کرنے سے خاموش ہیں۔

[۵] شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب ^{رحمۃ اللہ علیہ} "امام مالک اور استشفاع عند القبر" کا عنوان قائم

(۱) بلال بن حارث مزیٰ ابوعبدالرحمنؓ، مشہور شجاع صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ کے دیہ "اشعر" میں رہائش تھی۔ ۵ھ کو اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ کے وقت قبیلہ مزیہ کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ ۶۰ھ = ۶۸۰ء کو ۸۰ سال کی عمر میں سیدنا معاویہؓ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ [تہذیب تارخ دمشق ۳: ۲۹۸، الاعلام ۲: ۷۲۰]

کر کے لکھتے ہیں:

”مشہور محدث قاضی عیاضؒ اپنی سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کرتے ہیں: ابن حمید فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین ابو جعفر المنصورؒ کا امام مالک سے مسجد نبوی میں مناظرہ ہوا۔ امام مالک نے فرمایا: امیر المؤمنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کریں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو یہ ادب سکھلایا کہ تم اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کی آوازوں پر بلند نہ کرو اور ایک قوم کی تعریف کی ہے کہ بلاشبہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں اور ایک قوم کی مذمت کی ہے جو فرمایا ہے کہ جو لوگ تجھے حجر دوں گے سامنے سے پکارتے ہیں اُن میں سے اکثر شعور نہیں رکھتے اور بے شک وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کی عزت و حرمت ایسی ہی ہے جیسا کہ زندگی میں تھی اس پر ابو جعفر نے عاجزی کرتے ہوئے آواز پست کر لی اور امام مالک سے دریافت کیا: ابو عبد اللہ! کیا میں قبلہ رخ ہو کر دعاء کروں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف رخ کروں؟ امام مالک نے فرمایا:

لَمْ تَصْرَفْ وَجْهَكَ عَنْهُ وَهُوَ وَسِيلَتُكَ وَوَسِيلَةُ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَلِ اسْتَقْبَلَهُ وَاسْتَشْفَعَ بِهِ فَيَشْفَعُهُ اللَّهُ قَالَ اللَّهُ: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ.

[الشفاء بترغیف حقوق المصطفیٰ ﷺ ۲: ۳۲-۳۳] ۲۴۳-۲۴۵ طبع دار ارقم

[تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور: ۳۴۵-۳۴۶]

”تو اپنا رخ آپ ﷺ سے پھیرتا ہے حالانکہ آپ ہی [شفاعت کبریٰ کے ذریعے] تیرے اور تیرے دادا سیدنا آدم علیہ السلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہوں گے بلکہ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو اور آپ کو سفارشی بنا۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی سفارش قبول فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آکر اپنی غلطی کی معافی طلب کریں اور رسول بھی اُن کے لیے مغفرت طلب کریں تو یہ اللہ کو ضرورت ہو تو یہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔“

قاضی عیاضؒ نے ترتیب المدا رک ۱: ۱۱۴ میں یہ روایت بلا سند لکھی ہے مگر یہ قطعاً قابل استدلال ہے اس لیے کہ اس کا مرکزی راوی محمد بن حمید رازی ہے جس کے متعلق امام جوزجانی فرماتے

ہیں: کان ردی المذهب، غیر ثقہ۔ [احوال الرجال ترجمہ: ۳۸۲]

”بد مذہب اور غیر ثقہ ہے جس کی بات کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔“

محدث اسحاق بن منصور فرماتے ہیں: میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دوں گا کہ محمد بن حمید جھوٹا

تھا۔ [تاریخ بغداد ۲۶۳: ۲۵۰ تہذیب الکمال ۱۰۳: ۲۵]

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: هذه الحكاية منقطعة فإن محمد بن حميد الرازي لم يدرك مالكا

لا سيمافي زمن أبي جعفر المنصور، فإن أبا جعفر توفي بمكة سنة ثمان وخمسين و

مائة وتوفي مالك سنة تسع وسبعين ومائة، وتوفي محمد بن حميد الرازي سنة ثمان

وأربعين ومائتين، ولم يخرج من بلده حين رحل في طلب العلم إلا هو كبير مع أبيه، و

هو مع هذا ضعيف عند أكثر أهل الحديث، كذبه أبو زرعة وابن وارة، وقال صالح بن

محمد الأسدي: ما رأيت أحداً أجزأ على الله منه، وأحذق بالكذب منه.....

[مجموع الفتاوى ۱: ۱۹۲]

”یہ کہانی منقطع ہے اس لیے کہ محمد بن حمید رازی نے امام مالکؒ کا زمانہ نہیں پایا اور بالخصوص

ابو جعفر المنصور کے عہد میں تو ایسا بہت مشکل ہے اس لیے کہ ابو جعفر مکہ میں ۱۵۸ ہجری کو وفات

پا گئے، امام مالک ۱۷۹ ہجری کو وفات ہوئے اور محمد بن حمید رازی ۲۳۸ ہجری کو وفات پا گئے، جب

کہ محمد بن حمید رازی اپنے والد کے ساتھ کبرنی میں حصول علم کے لیے اپنے گاؤں سے نکلے تھے۔

پھر حدیث کا علم رکھنے والے علماء کے نزدیک محمد بن حمید ضعیف راوی ہے۔ امام ابو زرعة اور امام

ابن وارة اس کو کذاب کہتے ہیں، جب کہ محدث صالح بن محمد اسدی کہتے ہیں: میں نے اللہ کے حق

میں جرأت میں اور جھوٹ بولنے میں محمد بن حمید رازی سے زیادہ ماہر و حاذق کسی کو نہیں دیکھا۔“

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر اور حافظ عبد القدوس خان صاحب قارن نے

علامہ سبکی اور علامہ سمہودی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کی اسناد جید ہے۔

[تسکین الصدور: ۳۴۶؛ اظہار الغرور فی کتاب آئینہ تسکین الصدور: ۱۶۰]

کسی کذاب راوی کی روایت جید کیسی بنی؟ کذاب راوی کی روایت تو موضوع ہوتی ہے۔

علامہ سبکیؒ نے ابن حمید کا تعین کرتے ہوئے لکھا ہے: أَظُنُّ أَنَّهُ أَبُو سَفْيَانَ مُحَمَّدُ بْنُ حَمِيدٍ الْمَعْمَرِيُّ، فَإِنَّ الْخَطِيبَ ذَكَرَهُ فِي الرَّوَاةِ عَنْ مَالِكٍ وَأَنَّهُ قَالَ: كَتَبَ عَنْ مَالِكٍ مَوْطَأَهُ، أَرَانِيهِ..... فَهُوَ ثَقَّةٌ..... فَاَنْظُرْ هَذِهِ الْحِكَايَةَ وَثِقَةً رَوَاتَهَا.

[شفاء القام فی زیارة خیر الانام ۳۵۱-۳۵۲]

10

”میرا خیال ہے کہ یہ راوی ابوسفیان محمد بن حمید معمری ہے جس کا ذکر خطیب نے الرواة عن مالک میں کیا ہے اور کہا ہے کہ مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس نے امام مالک سے موطأ لکھی ہے۔ پس یہ راوی ثقہ ہے پس تو اس حکایت اور اس کے ثقہ رواة کو دیکھو۔“

جس کا جواب علامہ محمد بن احمد بن عبدالبہادیؒ نے اس طرح دیا ہے: وقد أخطأ فيما ظنَّه خطأ فاحشاً، فَإِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ حَمِيدَ الْمَعْمَرِيِّ رَجُلٌ مُتَقَدِّمٌ، لَمْ يَدْرِكْهُ يَعْقُوبُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ أَبِي إِسْرَائِيلَ رَاوِي الْحِكَايَةِ عَنْ ابْنِ حَمِيدٍ، بَلْ بَيْنَهُمَا مَفَازَةٌ بَعِيدَةٌ، وَقَدْ رَوَى الْمَعْمَرِيُّ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ وَمَعْمَرٍ وَالثَّوْرِيِّ، وَتُوفِيَ سَنَةَ اثْنَتَيْنِ وَثَمَانِينَ وَمِائَةً قَبْلَ أَنْ يُولَدَ يَعْقُوبُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ أَبِي إِسْرَائِيلَ. [الصَّارِمُ الْمُسْكِيُّ فِي الرَّوَاةِ السَّكِيَّةِ: ۲۶۰]

”اُس نے جو گمان کیا اُس میں فاحش غلطی کا شکار ہوا، اس لیے کہ محمد بن حمید معمری متقدم ہیں، جن کا زمانہ یعقوب بن اسحاق بن اسرائیل۔ جو اس روایت کو اُن سے نقل کرتا ہے۔ نے نہیں پایا ہے بلکہ ان کے مابین ایک طویل عرصہ ہے۔ معمری تو ہشام بن حسان، معمر اور ثوری سے روایت لیتے ہیں اور انہوں نے ۱۸۲ھ کو اُس وقت وفات پائی جب کہ یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔“

[۶] کچھ لوگوں کو اس آیت سے شبہ ہوا ہے: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا

اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا. [سورة النساء: ۶۴]

”اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے اپنا برا کیا تھا، تیرے پاس آتے، پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول ﷺ بھی اُن کے لیے معافی چاہتا تو وہ ضرور اللہ کو معاف کرنے والا اور مہربان پاتے۔“ چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ لکھتے ہیں:

”یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ ﷺ اُس کے لیے دعاء مغفرت کر دیں اُس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ ﷺ کی حیات دنیوی کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔“ [معارف القرآن ۲: ۴۵۹]

یہ تفسیر نادرست ہے اس لیے کہ آیت کو سیاق سابق سے کاٹ کر یہ تفسیر کی گئی ہے۔ اگر یہ آیت ہم عصر اور بعد کے امتیوں کو عام ہے تو:

— صحابہ کرام ؓ نے اسے عام سمجھ کر استسقاء کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کی قبر اطہر پر جا کر آپ ﷺ سے دعاء کیوں نہ کرائی؟ بیان جواز کے لیے ایک بار تو دعاء کروا ہی لیتے مگر صحابہ تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی یہ کسی امام کا مذہب ہے۔

— جس طرح یہ آیت عام ہے اس طرح آیت کریمہ: **فَإِنْ تَعَاذَ عْتَمُدْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ** الرَّسُولِ [سورة النساء: ۵۹] کے الفاظ بھی عام ہیں اور ہم عصر اور بعد کے امتیوں کو شامل ہیں اس میں بھی تخصیص نہیں ہے تو پھر ہر مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے فیصلے حاکموں اور قاضیوں کی بجائے رسول اللہ ﷺ سے براہ راست قبر اطہر پر جا کر پکڑا کر لیں اگر ان کا اللہ اور روزِ آخر پر ایمان ہے۔

ایک آیت میں بلا دلیل تعمیم کا قول اور دوسری آیت میں تخصیص کا کیا مطلب؟ کیا آپ ﷺ شرعی فیصلہ کرنے کے لیے ہم عصر اور بعد کے امتیوں کے لیے یکساں رحمت نہیں؟ کوئی مومن اس بات کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اس کا قائل ہو جائے کہ آپ ﷺ بعد کے امتیوں کے لیے رحمت نہیں۔ پس وجہ فرق کی کیا ہے کہ ایک آیت کو عموم پر رکھا اور دوسری میں تخصیص کر دی؟ جب کہ تنازع کا فیصلہ اہم ہے نسبت استغفار کے کیونکہ یہ موقوف علیہ ہے۔

اس تفسیر کو دیکھ کر کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ قبر نبی ﷺ کے پاس جا کر ان سے مختلف فیہ مسائل کے بارے میں پوچھو وہ ضرور جواب عنایت کریں گے اس لیے کہ دین کو مفصل بیان کرنا ان کا فرض

منصہ بھی ہے تو کیا یہ استدلال درست ہے؟ بالفاظ دیگر استشفاع بدعاء الرسول ﷺ تحکیم ذات الرسول ﷺ پر مبنی ہے اور اس کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور جب تحکیم ذات الرسول ﷺ موت کے بعد نہیں تو استشفاع بدعاء الرسول ﷺ کیسے؟

— حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: یقولون: إذا طلبنا منه الاستغفار بعد موته كنا بمنزلة الذين طلبوا الاستغفار من الصحابة، و يخالفون بذلك إجماع الصحابة والتابعين لهم بإحسان و سائر المسلمين، فإن أحداً منهم لم يطلب من النبي ﷺ بعد موته أن يشفع و لاسأله شيئاً ولا ذكر ذلك أحد من أئمة المسلمين. [مجموع الفتاوى: ۱۳۹]

”یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد اُن سے دعائے مغفرت کرادیں تو یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ صحابہ نے اُن سے جیتے جی دعاء کرائی تھی حالانکہ یہ لوگ ایسا کر کے اجماع صحابہ کرام و تابعین عظام ﷺ کی مخالفت کر رہے ہیں اس لیے کہ کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں کہ اُس نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد اُن کے قبر کے پاس آکر اُن سے دعاء کرائی ہو یا کوئی چیز اُن ﷺ سے پوچھی ہو مسلمانوں کے ائمہ کی کسی کتاب میں اس کا تذکرہ تک نہیں۔“

— سید آلوسی بغدادیؒ لکھتے ہیں: و تساوي حالتي حياتي و وفاته ﷺ في هذا الشأن يحتاج إلى نصٍّ و لعل النص على خلافه ففي صحيح البخاري عن أنس أن عمر بن الخطاب كان إذا قحطوا..... [روح المعاني ۵-۶: ۴۰۴]

”اس [توسل کے] معاملے میں آپ ﷺ کی حیات اور وفات دونوں کا یکساں ہونا محتاج نص ہے اور شاید نص اس کے خلاف ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جب سیدنا عمرؓ کے دور خلافت میں خشک سالی شروع ہوئی تو آپ نے سیدنا عباسؓ کے وسیلہ سے دعاء مانگی تھی۔“

[۷] حافظ طبرانی، امام حاکم حافظ ابو نعیمؒ اور امام بیہقیؒ نے سیدنا علیؓ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کی ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام پر عتاب ہوا تو آپ فکرِ توبہ میں حیران تھے ایک روز آسمان کی طرف منہ کیا اور کہا: یا اللہ! محمد ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ وحی نازل ہوئی کہ: محمد ﷺ کون ہیں جن کے واسطے سے تم نے استغفار کی؟ عرض کیا کہ جب آپ

نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، تو میں سمجھ گیا تھا کہ محمد ﷺ سے اونچی ہستی کوئی نہیں جن کا نام تم نے اپنے نام کے ساتھ رکھا۔ وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں، تمہاری اولاد میں سے ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کیے جاتے۔ [فضائل ذکر: ۹۵-۹۶، نشر الطیب فی ذکر النبی الحبيب ﷺ: ۱۳، نسیم الریاض ۳: ۳۹۸، مقالات کوثری: ۳۹۱، تفسیر نعیم الدین مراد آبادی: ۱۲]

یہ روایت مختلف اسناد کے ساتھ المستدرک ۲: ۶۱۵، دلائل النبوة امام بیہقی ۵: ۲۸۹ اور معجم صغیر امام طبرانی ۲: ۸۲-۸۳ میں موجود ہے اور تینوں کا مرکزی راوی عبد الرحمن بن زید بن اسلم ہے جس کے بارے میں امام ابن حبان فرماتے ہیں: کان یقلب الأخبار و ہولا یعلم حتی کثر ذلك فی روايته من رفع المراسیل و اسناد الموقوف فاستحق الترك۔ [المجر و چین ۲: ۲۲، ترجمہ: ۵۹۳]

”لا علمی میں روایات میں ہیر پھیر کرتا تھا یہاں تک کہ اس نے کثرت سے یہ کام شروع کیا، مرسل روایات کو مرفوع کہنے لگا اور اسی طرح موقوف روایات کو مسند بنانے لگا جس کے سبب سے اس لائق ٹھہرا کہ اسے چھوڑ دیا جائے اور اس کی روایت نہ لی جائے۔“
امام ساجیؒ^(۱) نے فرمایا: ہمیں ربیع نے اور اسے امام شافعیؒ نے بتایا کہ عبد الرحمن بن زید بن اسلم سے پوچھا گیا: کیا تیرے باپ نے تیرے دادا سے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم میں نماز پڑھی؟ اس نے کہا: ہاں، امام ساجیؒ ہی فرماتے ہیں: منکر الحدیث ہے۔ امام طحاویؒ^(۲) فرماتے ہیں: حدیث کا علم رکھنے والوں

(۱) زکریا بن عبد الرحمن بن جریر، البصری، الشافعی، ابو یحییٰ اپنے دور میں بصرہ کے منجھے ہوئے محدث مانے جاتے تھے۔ ۲۲۰ھ = ۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ علل حدیث کے ماہر عالم تھے۔ بصرہ میں ۳۰۷ھ = ۹۲۰ء کو وفات پائی حافظ ذہبی انہیں الإمام الحافظ، محدث البصرہ و شیخہا و مفتیہا کے القاب سے یاد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ علل حدیث سے متعلق امام ساجی کی ایک جلیل القدر تصنیف ہے جو ان کے علمی تجربہ اور حفظ احادیث کی واضح دلیل ہے۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۴: ۱۹۷، الاعلام ۳: ۴۷]

(۲) احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ بن عبد الملک ازدی، حمری، مصری، طحاوی، حنفی، مصر کے علاقہ طحا میں.....

کے ہاں اس کی روایت نہایت ضعیف ہوتی ہے، امام حاکم اور ابونعیمؒ نے فرمایا کہ یہ اپنے باپ سے موضوع احادیث نقل کرتا ہے۔ [تہذیب التہذیب ۶: ۱۶۲]

محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم فرماتے ہیں: میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام مالکؒ کے سامنے کسی نے کوئی حدیث بیان کی۔ آپ نے پوچھا: مَنْ حَدَّثَكَ؟ فذكر له إسناداً منقطعاً فقال: اذهب إلى عبد الرحمن بن زيد بن أسلم يحدثك عن أبيه عن نوح عليه السلام۔

[المجروحین ۲: ۲۳۳، تہذیب الکمال ۱۷: ۱۸]

”یہ تجھ سے کس نے بیان کی ہے؟ تو اس نے اس کی ایک منقطع سند بیان کی اس پر امام شافعیؒ نے فرمایا: عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے پاس جاؤ، وہ اس کو اپنے باپ سے اور اس کا باپ نوح عليه السلام سے بھی روایت بیان کر دے گا۔“

اس راوی کی ایک منکر روایت یہ بھی ہے: ما من عبدٍ يُمِرُّ بقبر رجلٍ كان يعرفه في الدنيا فيسلم عليه إلا عرفه ورَدَّ عليه السلام۔ [ميزان الاعتدال ۵: ۵۶۵]

”جب کوئی زندہ شخص کسی مردہ شخص کے قبر کے پاس سے گزرے اور ان دونوں کی آپس میں جان پہچان ہو اور یہ اُسے سلام دے تو وہ مردہ شخص اسے پہچان کر اُس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔“ امام حاکم اسی عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے بارے میں لکھتے ہیں: روى عن أبيه أحاديث موضوعة لا يخفى على من تأملها من أهل الصنعة أن الحمل فيها عليه۔

[المدخل إلى معرفة الصحيح من القديم ۱: ۱۷۰ ترجمہ: ۹۸]

”اپنے باپ کی سند سے موضوع احادیث روایت کرتا ہے۔ علم حدیث و آثار کے ماہرین کو خوب معلوم ہے کہ اس کا اصل ذمہ دار عبدالرحمن ہی ہے۔“

مجموع صغیر طبرانی والی روایت میں تین ابتدائی راوی ماسوائے عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے سب

..... ۲۳۹ھ = ۸۵۳ء کو پیدا ہوئے اس لیے طحاوی کہلائے۔ علم حدیث اور علم فقہ میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

آپ ابتدائی عمر میں شافعی مسلک تھے۔ پھر حنفی ہو گئے۔ قاہرہ میں ۳۲۱ھ = ۹۳۳ء کو وفات پائی۔

[سیر اعلام النبلاء ۱۵: ۲۷-۳۳، الاعلام ۶: ۲۰۶]

کے سب مجہول ہیں۔ حافظ بیہقی لکھتے ہیں: اسے طبرانی نے اوسط و صغیر میں نقل کیا ہے اور اس کی سند میں کئی ایسے راوی ہیں جنہیں میں نہیں جانتا۔ [مجمع الزوائد ۸: ۲۵۳]

بیہقی والی روایت میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے ساتھ عبداللہ بن فہری موجود ہے جس کے بارے میں حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: روی عن عبدالرحمن بن زید خبراً باطلاً فیہ: یا آدم لولا محمد ﷺ ما خلقتک، رواہ البیہقی فی دلائل النبوة۔

[میزان الاعتدال ۲: ۵۰۳، لسان المیزان ۳: ۳۶۰]

”اس نے عبدالرحمن بن زید سے ایک باطل روایت نقل کی ہے کہ اے آدم (علیہ السلام)! اگر محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا، اسے بیہقی نے دلائل النبوة میں نقل کیا ہے۔“

امام حاکم اگرچہ اس حدیث کی تصحیح فرماتے ہیں مگر حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

بل موضوع وعبدالرحمن واد۔ [تخصیص المستدرک ۲: ۶۱۵]

”نہیں، بلکہ یہ روایت موضوع ہے اور عبدالرحمن وادی [شدید کم زور] راوی ہے۔“

یہ بھی فرمایا: خبرٌ باطلٌ۔ [میزان الاعتدال ۲: ۵۰۳] ”یہ روایت باطل ہے۔“

اور حافظ ابن حجرؒ بھی اس روایت کو باطل قرار دیتے ہیں۔ [لسان المیزان ۳: ۳۶۰]

نیز یہ روایت ارشاد ربانی: فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَةً فَتَبَّأَ عَلَيْهِ۔ [سورة البقرة ۲: ۳۷] اور قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ [سورة الاعراف ۷: ۲۳] کے بالکل معارض و مخالف ہے لہذا قطعاً غلط نا قابل استدلال اور نا قابل التفات ہے۔

[۸] حدیث میں ہے: إِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوا بِجَاهِي، فَإِن جَاهِي عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ۔

”جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا چاہو تو میری جاہ کے وسیلے سے سوال کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میری بڑی جاہ ہے۔“

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: یہ حدیث جھوٹی اور موضوع ہے۔ [مجموع الفتاویٰ ۲۷: ۶۲۷]

مزید لکھتے ہیں: وروی بعض الجہال عن النبی ﷺ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَسَأَلُوهُ بِجَاهِي فَإِن جَاهِي عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ، وَهَذَا الْحَدِيثُ كَذِبٌ، لَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنْ كُتُبِ الْمُسْلِمِينَ

التي يعتمد عليها أهل الحديث؛ ولا ذكره أحد من أهل العلم بالحديث مع أن جاهه عند الله أعظم من جاه جميع الأنبياء والمرسلين. [القاعدة الجليلية في التوسل والوسيلة: ۱۲۹]

”بعض نادانوں نے رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر کے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا چاہو تو میری جاہ کے وسیلے سے سوال کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میری بڑی جاہ و منزلت ہے، مگر یہ روایت جھوٹی ہے اور مسلمانوں کی ان کتب میں اس کا کوئی نام و نشان تک نہیں جس پر حدیث کا علم رکھنے والے علماء اعتماد کرتے ہیں اور اسے علمائے حدیث میں سے کسی نے روایت بھی نہیں کیا ہے اگرچہ یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی جاہ و منزلت تمام انبیاء و رسل کی جاہ و منزلت سے بڑھ کر ہے۔“



حیات برزخی - نعیم و عذاب قبر -

حافظ ابن حزمؒ لکھتے ہیں^(۱): عذاب القبر قال أبو محمد ذهب ضرار بن عمرو الغطفاني أحد شيوخ المعتزلة إلى إنكار عذاب القبر، و هو قول من لقيننا من الخوارج، و ذهب أهل السنة و بشر بن المعتز و سائر المعتزلة إلى القول به، و به نقول لصحة الآثار عن رسول الله ﷺ. [الفصل في الملل والأهواء النحل ۴: ۶۶]

”عذاب قبر: ابو محمدؒ [حافظ ابن حزم کی کنیت ہے] کہتا ہے: شیخ المعتزلہ ضرار بن عمرو غطفانی^(۲) نے قبر کی عذاب سے انکار کیا ہے اور یہی اُن خوارج کا بھی مذہب ہے جن سے ہم ملے ہیں البتہ اہل سنت و جماعت جہائی^(۳) بشر بن معتز^(۴) اور دوسرے سارے معتزلہ عذاب قبر کا عقیدہ رکھتے

(۱) علی بن احمد بن سعید بن سعد ابو محمد ابن حزم ظاہری قرطبہ میں ۳۸۴ھ = ۹۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے عہد میں اندلس کے بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ آپ اور آپ کے والد دونوں مملکت اندلس کے وزیر تھے۔ آپ نے وزارت کو خیر باد کہا اور اپنے آپ کو حصول علم کے لیے وقف کر دیا۔ فقیہ اور حافظ حدیث تھے اور قرآن و حدیث سے احکام کا استنباط کیا کرتے تھے۔ ۴۵۶ھ = ۱۰۶۴ء کو اندلس کے مضافاتی گاؤں ابلتہ میں وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۳: ۳۲۵، سیر اعلام النبلاء ۱۸: ۱۸۴، الاعلام ۴: ۲۵۴]

(۲) ضرار بن عمرو غطفانی، قاضی، بہت بڑے معتزلی تھے۔ معتزلہ کے علاقے میں امارت کے حریص تھے جو انہیں نہیں ملی اس لیے اُن کی اور خوارج کی مخالفت میں تیس کے قریب کتابیں لکھیں جن میں سے بعض مقالات نہایت خبیث اور گندے تھے۔ امام احمد نے قاضی کے سامنے اُن کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا تھا تو یہ وہاں سے روپوش ہوا جب کہ بعض کا خیال ہے کہ یحییٰ بن خالد برکی نے اسے کہیں چھپا کر رکھا تھا۔ مجرہ کے عقائد بھی رکھتے تھے۔ ۵۹۰ھ = ۸۰۵ء کو وفات پائی۔ [تاریخ الاسلام ۶: ۱۷۲، ترجمہ: ۶۵۴، لسان المیزان ۳: ۲۰۳، ترجمہ: ۹۱۲، طبقات المعتزلہ: ۷۲، الاعلام ۴: ۲۱۵]

(۳) محمد بن عبد الوہاب بن سلام جہائی، ابو علی اپنے زمانے میں علم کلام اور معتزلہ کے امام تھے۔ ۲۳۵ھ = ۸۴۹ء کو پیدا ہوئے۔ ”جہی“ بصرہ کے ایک گاؤں کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے جہائی کہلائے۔ بصرہ میں شہرت پائی۔ ۳۰۳ھ

= کو وفات پائی۔ ”جہی“ میں دفن ہوئے۔ [الدرر الکامیۃ ۲: ۳۶، الاعلام ۶: ۲۵۲]

حافظ صاحب موصوف آگے لکھتے ہیں: وقد احتج من أنكره بقول الله تعالى: رَبَّنَا آمَنَّا اَنْتَنِينَ
وَ اَحْيَيْنَا اَنْتَنِينَ [سورة حم المؤمن ۴۰: ۱۱] و يقول: كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ
يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ [سورة البقرة ۲: ۲۸] و هذا حق لا يدفع عذاب القبر لأن فتنة القبر و عذابه
و المسألة إنما هي للروح فقط بعد فراقه للجسد إثر ذلك قبر أولم يقبر... و أمانن ظن أن
الميت يُحيى في قبره فخطأ لأن الآيات التي ذكرنا تمنع من ذلك ولو كان ذلك لقال
تعالى: قد أماننا ثلاثاً و أحيانا ثلاثاً و هذا باطل و خلاف القرآن إلا من أحياء الله آية
لنبي من الأنبياء. [الفصل في الملل والا هواء و النحل ۴: ۶۶]

”جس شخص کا یہ گمان ہے کہ قیامت سے پہلے مردہ قبر میں زندہ ہو جاتا ہے غلط ہے کیونکہ:
رَبَّنَا آمَنَّا اَنْتَنِينَ وَ اَحْيَيْنَا اَنْتَنِينَ. [سورة حم المؤمن ۴۰: ۱۱]
”[وہ کہیں گے کہ] اے ہمارے رب! تو نے ہم کو دو بار موت دی اور دو بار زندگی دی۔“
اور: كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ.

[سورة البقرة ۲: ۲۸]

”تم اللہ کا کس طرح انکار کرتے ہو اور حال یہ ہے کہ تم مردہ تھے تو اس نے تم کو زندہ کیا پھر وہ تم کو
موت دیتا ہے پھر تم کو زندہ کرے گا۔“

سے اس گمان کی تردید ہوتی ہے کیونکہ اگر مردہ کا قبر میں زندہ ہونا مان لیا جائے تو بجائے دو کے
تین موتیں اور تین حیاتیں لازم آتی ہیں حالانکہ یہ غلط اور قرآن مجید کے خلاف ہے ہاں اگر اللہ
تعالیٰ کسی کو کسی نبی کے معجزے سے زندہ کرے۔“

حافظ صاحب کی اس عبارت پر حافظ ابن قیم [وفات: ۷۵۱ھ] نے یہ تبصرہ کیا ہے:

قلت: ما ذكره أبو محمد فيه حق و باطل، أما قوله: مَنْ ظَنَّ أَنَّ الميت يُحيى في قبره فخطأ
فهذا فيه إجمال، إن أراد به الحياة المعهودة في الدنيا التي تقوم فيها الروح بالبدن و

..... (۴) بشر بن معتمر بلالی بغدادی ابوہل معترلی فقیہ اور مناظر تھے۔ کوفہ سے تعلق تھا۔ اعتزال پر مشتمل کئی
کتا ہیں لکھیں۔ ۲۱۰ھ = ۸۲۵ء کو بغداد میں وفات پائی۔ [طبقات المعترلة: ۵۲-۵۳، الاعلام: ۲: ۵۵]

تصرفہ و محتاج معها إلى الطعام والشراب و اللباس فهذا خطأ، كما قال، و الجس و العقل يكذبه كما يكذبه النص، وإن أراد به حياة أخرى غير هذه الحياة، بل تُعاد الروح إليه إعادة غير الإعادة المألوفة في الدنيا يُسأل و يُمتَحَن في قبره فهذا حق و نفيه خطأ و أما استدلاله بقوله: قَالُوا رَبَّنَا أَمَتْنَا اثْنَتَيْنِ وَ أَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَلَا يَنْفِي ثبوت هذه الإعادة العارضة لروح في الجسد للمسألة كما أن قَتيل بني إسرائيل الذي أَحْيَاهُ اللَّهُ بعد قتله ثم أَمَاتَ لم تكن تلك الحياة العارضة له للمسألة معتدلاً بها فإنه يحيى لحظة بحيث قال: فَلَا تَقْتُلْنِي ثُمَّ خَرَّ مَيِّتاً عَلَى أَنْ قَوْلُهُ: ثُمَّ تَعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ لَا يَدُلُّ عَلَى حَيَاةٍ مُسْتَقَرَّةٍ، و إنما يدلُّ على إعادة لها إلى البدن و تعلق به، فالروح لم تزل متعلقة ببدنها و إن بَلِيَ وَ تَمَزَّقَ. [الروح: ۲۶۲-۲۶۳]

”میرے خیال میں حافظ ابو محمد ابن حزم کی کچھ باتیں صحیح ہیں اور کچھ غلط ہیں۔ اُن کا یہ کہنا کہ: ”قبر میں زندہ ہونے کی رائے غلط ہے۔“ اگر اس سے دنیوی زندگی مراد ہے جس میں روح بدن سے قائم ہوتی ہے اور اس میں تصرف و انتظام کرتی ہے اور بدن اس کی موجودگی میں کھانے پینے اور پہننے کا محتاج ہوتا ہے تو مر دے کی ایسی زندگی واقعی غلط ہے اور نہ صرف نص بلکہ عقل و حس بھی اس سے انکار کرتی ہے اور اگر اس سے برزخی زندگی مراد ہے جو دنیوی زندگی کی طرح نہیں ہے بلکہ قبر میں روح جسم کی طرف صرف اس لیے لوٹی ہے تاکہ اُس کا امتحان لیا جائے تو یہ درست ہے مگر یہ لوٹنا دنیوی لوٹنے کی طرح نہیں۔ ابن حزم کی دلیل:

رَبَّنَا أَمَتْنَا اثْنَتَيْنِ وَ أَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ. [سورة حم المؤمن ۴۰: ۱۱] اور
- كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَ كُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ.
[سورة البقرة ۲: ۲۸]

سے جسم میں روح کے عارضی طور پر لوٹ آنے کی نفی نہیں ہوتی، جیسے اسرائیلی مقتول قتل کیے جانے کے بعد عارضی طور پر زندہ کر دیا گیا تھا، پھر مر گیا تھا، لہذا سوال کے لیے یہ عارضی زندگی ناقابل اعتبار تھی کیونکہ وہ ذرا سی دیر کے لیے زندہ کیا گیا تھا پھر مر گیا تھا، اُس نے یہ بتا دیا کہ مجھے فلاں

نے قتل کیا ہے اور یہ بتا کر پھر فوت ہو گیا۔ مزید برآں روح کو جسم میں لوٹا دینے سے مستقل زندگی لازم نہیں آتی بلکہ جسم سے ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور روح کا تعلق اپنے جسم سے برابر قائم رہتا ہے گو جسم بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل کر بے نام و نشان ہو جائے۔“
علامہ ابن ابی العزخنی دمشقی: علی بن علی بن محمد [وفات: ۹۲ھ] لکھتے ہیں:

وقد تَوَاتَرَتْ الْأَخْبَارُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي ثُبُوتِ عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعِيمِهِ لِمَنْ كَانَ لَذَلِكَ أَهْلًا، وَسُؤَالِ الْمَلَائِكَةِ، فَيُحِبُّ اعْتِقَادُ ثُبُوتِ ذَلِكَ، وَالْإِيمَانُ بِهِ، وَلَا تَنْتَكِلُمْ فِي كَيْفِيَّتِهِ، إِذْ لَيْسَ لِلْعَقْلِ وَقُوفٌ عَلَى كَيْفِيَّتِهِ، لَكُونَهُ لَا عَهْدَ لَهُ بِهِ فِي هَذِهِ الدَّارِ وَالْأُخْرَى، لَا يَأْتِي بِمَا يُحِيلُهُ الْمَعْقُولُ، وَلَكِنَّهُ قَدْ يَأْتِي بِمَا تَحَارُّ فِيهِ الْعُقُولُ، فَإِنَّ عَوْدَ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ لَيْسَ عَلَى الْوَجْهِ الْمَعْهُودِ فِي الدُّنْيَا، بَلْ تُعَادُ الرُّوحُ إِلَيْهِ إِعَادَةً غَيْرَ إِعَادَةِ الْمَأْلُوفَةِ فِي الدُّنْيَا.
[شرح العقيدة الطحاوية: ۲: ۵۷۸]

”جو لوگ ثواب یا عذاب قبر کے مستحق ہیں انہیں ثواب و عذاب ملنے اور فرشتوں کا مردہ سے سوال کرنے سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث مروی ہیں اُس لیے اس کے ثابت ہونے کا عقیدہ اور اس پر ایمان رکھنا لازم ہے البتہ ہم اس کی کیفیت کے بارے میں کچھ نہیں کہیں گے اس لیے کہ عقل اس کیفیت کا ادراک نہیں کر سکتی اُس لیے کہ عقل کا اس عالم سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے شریعت کوئی ایسی بات نہیں کرتا جو عقلی طور پر محال و ناممکن ہو لیکن کئی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے جس میں عقلیں حیران و سرگردان ہوتی ہیں اُس لیے کہ جسد کو روح کا اعادہ اُس طریقہ سے نہیں کیا جاتا جو دنیا میں معلوم و معروف ہے بلکہ قبر میں روح کا اعادہ دنیا میں اعادہ روح کے بالکل الگ طریقہ سے ہے۔“

آگے لکھتے ہیں: وَاَعْلَمُ أَنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ هُوَ عَذَابُ الْبَرْزَخِ، فَكُلُّ مَنْ مَاتَ وَهُوَ مُسْتَحِقٌّ لِلْعَذَابِ نَالَهُ نَصِيبُهُ مِنْهُ، قَبْرًا أَوْ لَمْ يُقْبَرْ، أَكَلَتْهُ السَّيْبَاعُ أَوْ احْتَرَقَ حَتَّى صَارَ رَمَادًا، وَنُصِفَ فِي الْهَوَاءِ، أَوْ صُلِبَ أَوْ غَرِقَ فِي الْبَحْرِ وَصَلَ إِلَى رُوحِهِ وَبَدَنِهِ مِنَ الْعَذَابِ مَا يَصِلُ إِلَى الْمَقْبُورِ..... فَالْحَاصِلُ أَنَّ الدُّورَ ثَلَاثَةٌ: دَارُ الدُّنْيَا، وَدَارُ الْبَرْزَخِ، وَدَارُ الْقَرَارِ، وَقَدْ جَعَلَ اللَّهُ

لکل دارِ احکاماً تخصُّصُها، ورگب هذا الإنسان من بدن و نفس، وجعل أحکام الدنيا على الأبدان والأرواح تبع لها، وجعل أحکام البرزخ على الأرواح والأبدان تبع لها، فإذا كان يومُ حشرِ الأجسادِ وقيام الناس من قبورهم صار الحكمُ والنعيمُ والعذابُ على الأرواح والأجساد جميعاً..... ويجب أن يُعلم أن النار التي في القبور والنعيم ليس من جنس نار الدنيا ولا نعيمها. [شرح العقيدة الطحاوية: ۲: ۵۷۹-۵۸۰]

”خوب جان لو کہ عذاب قبر عذاب برزخ ہی ہے پس جو کوئی عذاب کا مستحق مرا اُسے اپنے حصے کا عذاب ضرور ملے گا“ اُسے دفن کیا جائے یا دفن نہ کیا جائے اُسے درندے کھائیں یا جل جائے یہاں تک کہ راکھ بن جائے اور ہوا میں بکھیرا جائے اُسے سولی چڑھایا جائے یا دریا میں غرق ہو جائے اُس کے روح اور بدن کو سزا یا جزا [مدفون شخص ہی کی طرح ملے گی۔..... پس حاصل یہ ہے کہ عالم تین ہیں: عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت اور اللہ تعالیٰ نے ہر عالم کے ساتھ کچھ مخصوص احکام متعلق کیے ہیں۔ اُس نے انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کر کے بنایا ہے۔ دنیاوی احکام کو ابدان پر مقرر کیا اور ارواح کو اس کے تابع بنایا۔ احکام برزخ کو ارواح پر مقرر کیا اور ابدان کو اس کا تابع کیا اور جب اجساد کو قبروں سے اٹھا کر قیامت میں جمع کر دیا جائے گا تو حکم اور جزا و سزا کو ارواح و اجساد پر اکٹھے مقرر کیا جائے گا۔..... یہ جانتا بھی ضروری ہے کہ قبر میں جو آگ اور نعمتیں ہیں وہ یکسر دنیا کی آگ اور نعمتوں کی نوع میں سے نہیں ہیں۔“

مسئلہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام

امت مسلمہ کے نزدیک یہ بالکل متفق علیہ مسئلہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۶۳ سال اس دنیا میں زندہ رہے اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دس سال پورا ہونے پر چند روز مرض وفات میں مبتلا رہنے کے بعد ماہ ربیع الاول ۱۱ھ میں آپ ﷺ نے وفات پائی یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ ﷺ پر موت وارد ہوئی۔ پھر آپ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور آپ ﷺ دفن کیے گئے۔ نیز اس بات پر بھی امت کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ کے لیے موت یعنی مرنے کا لفظ بولنا جائز ہے اور کوئی بھی شخص ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک میں بھی اختلاف نہیں کر سکتا کیونکہ قرآن مجید اور احادیث میں پوری صراحت کے ساتھ آپ ﷺ کی وفات کا ذکر موت کے لفظ کے ساتھ موجود ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا کہ: إِنَّكَ مَيِّتٌ وَرَأَيْتَهُمْ مَيِّتُونَ۔ [سورۃ الزمر ۳۹: ۳۰]

”تم کو بھی مرنا ہے اور یہ بھی مرنے والے ہیں۔“

اور مشہور حدیث میں ہے کہ اپنے آخری وقت میں رسول اللہ بار بار فرماتے تھے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، إِنَّ لِّلْمَوْتِ سَكْرَاتٍ۔ [صحیح بخاری، کتاب المغازی [۶۴] باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ [۸۴] حدیث: ۴۴۳۹]

”لا إله إلا الله! بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔“

اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیشانی مبارک پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا: يَا أَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا نَبِيَّ اللَّهِ لَا يَجْمَعُ اللَّهُ عَلَيْكَ مَوْتَيْنِ، أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مَتَّهَا۔

[صحیح بخاری، کتاب الجنائز [۲۳] باب الدخول علی المیت إذا دُرِجَ فی أكفانه [۳] حدیث: ۱۲۴۲]

”اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہیں کریں گے۔ آپ کے لیے جو [طبعی] موت مقدر تھی وہ وارد ہو چکی ہے۔“

پھر مسجد نبوی میں آ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ قد مات، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ۔

[صحیح بخاری، کتاب الجنائز [۲۳] باب الدخول علی المیت إذا دُرِجَ فی أكفانه [۳] حدیث: ۱۲۴۲]

”جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کیا کرتا تھا اُس کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ ﷺ وفات پا چکے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں انہیں مطمئن رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں اُسے کبھی موت نہ آئے گی۔“

بہر حال یہ دونوں حقیقتیں اپنی جگہ پر بالکل مسلم اور بغیر کسی اختلاف کے پوری امت کی محقق علیہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر موت وارد ہوئی۔ آپ ﷺ نے وفات پائی اور آپ ﷺ کے بارے میں موت [مرنے] کا لفظ بولنا درست ہے اور قرآن وحدیث میں بولا گیا ہے اور صحابہ کرام ﷺ نے بھی آپ ﷺ پر موت کا لفظ بولا ہے اس کے باوجود آپ ﷺ کے اور تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق حیات کا جو عقیدہ ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ اس عالم ناسوتی [یعنی دنیا] میں وفات پا جانے اور مدفون ہونے کے بعد آپ ﷺ کو برزخی حیات عطا کی گئی جیسے کہ قرآن مجید میں شہداء کے متعلق بھی فرمایا گیا ہے کہ وہ زندہ ہیں: بَلْ أَحْيَاءُ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی شان تو شہداء سے بھی بڑھ کر ہے۔

امام بیہقی: حافظ ابو بکر احمد بن الحسین [وفات: ۴۵۸ھ] نے لکھا ہے:

والأنبياء عليهم الصلاة والسلام بعد ما قبضوا رُدَّتْ إليهم أرواحهم فهم أحياء عند ربهم كالشهداء. [الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد: ۳۶۵]

”انبیاء کرام علیہم الصلاة والسلام کی ارواح طیبہ وفات کے بعد اُن میں لوٹا دی گئیں پس وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہداء کرام۔“

اور انہوں نے مسئلہ حیاتِ انبیاء کے بارے میں ۱۳۶ صفحات پر مشتمل جو رسالہ لکھا ہے اس میں اس مسئلہ کی توضیح ان الفاظ میں فرمائی:

وهذا إن ما يصحُّ على أنَّ الله جلَّ ثناؤه رَدَّ إلى الأنبياء عليهم السلام أرواحهم فهم أحياء عند ربهم كالشهداء، فإذا نفخ في الصور النفخة الأولى صعقوا في من صعق ثم لا يكون ذلك موتاً في جميع معانيه إلا في ذهاب الإستشعار، فإن كان موسى عليه السلام ممن استثنى الله بقوله: إلا من شاء الله، فإنه عز وجل لا يذهب بإستشعاره في تلك الحالة. [حياة الأنبياء عليهم السلام: ۱۱۱-۱۱۲، شفاء القام في زيارة خير الانام ﷺ: ۳۹۷]

”اور یہ تب صحیح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیبہ وفات کے بعد اُن کی طرف لوٹا دی ہوں، پس وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں شہداء کی طرح زندہ ہیں اور جب پہلی بار صور میں پھونک مارا جائے گا تو وہ بھی دوسرے بے ہوش ہونے والے لوگوں کی طرح بے ہوش ہو جائیں گے جو ہر اعتبار سے موت نہیں ہوگا البتہ عدم شعور ہوگا جس سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام متنبی کیے گئے ہیں جس کی طرف اَلْاَمْنُ شَاءَ اللّٰهُ [سورۃ الزمر ۳۹: ۶۸] میں اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ اُن کا ادراک و شعور اُس حالت میں زائل نہیں کریں گے۔“

حافظ بیہقیؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ:

- انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح موت کے بعد اُن کے اجساد مبارکہ میں لوٹا دی جاتی ہیں۔
- انبیاء کرام علیہم السلام کو شہداء کی طرح کی حیات حاصل ہے۔
- انبیاء کرام علیہم السلام کو جب روح لوٹائی جاتی ہے تو نفع و اذیٰ تک اُن کے اجساد مبارک کے اندر ہوتی ہیں۔

- نفع و اذیٰ اولیٰ میں انبیاء کرام علیہم السلام بے ہوش تو ہو جائیں گے، مگر اُن پر موت وارد نہیں ہوگی البتہ انہیں بے ہوشی کی حالت میں شعور و ادراک نہیں رہے گا۔

حافظ بیہقیؒ کی آخری دو باتیں: انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ میں ارواح طیبہ کا استمرار و دوام اور نفع و اذیٰ اولیٰ میں انبیاء کرام علیہم السلام کا بے ہوش ہو جانا محل نظر ہیں۔ پہلی بات کا تعلق غیب سے ہے، جس پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں اور دوسری بات ایک مرجوح روایت پر مبنی ہے۔ حدیث میں ہے کہ: اِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُوْنَ فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يُفِيْقُ فَاِذَا مُوسٰى بِطَاشٍ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا اُدْرِ اَكَانَ فَيَمِنَ صَعِقَ فَاَفَاقَ قَبْلِيْ اَوْ كَانَ مِمَّنْ اسْتَنَى اللّٰهُ؟

[صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء [۶۰] باب وفاة موسیٰ علیہ السلام [۳۱] حدیث: ۳۴۰۸]

”بے شک سارے لوگ [قیامت کے روز] بے ہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا پس میں [سیدنا] موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ پکڑے ہوئے پاؤں گا، پس مجھے نہیں معلوم کہ آپ بھی بے ہوش لوگوں میں سے تھے یا مجھ سے پہلے انہیں ہوش آیا یا اُن لوگوں میں سے ہیں

جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے ہوش سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ: فإن قيل: فماتصنعون بقوله ﷺ: فلا أدري أفاق قبلي أم كان ممن استثنى الله، والذين استثناهم الله إنما هم مستثنون من صعقة النفخة، لا من صعقة يوم القيامة كما قال تعالى: وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ [سورة الزمر ۳۹: ۶۸] ولم يقع الاستثناء من صعقة الخلائق يوم القيامة قيل: هذا - والله أعلم - غير محفوظ، وهو وهم من بعض الرواة، والمحفوظ ما توطأت عليه الروايات الصحيحة من قوله ﷺ: فلا أدري أفاق قبلي أم جوزي بصعقة الطور، فظنَّ بعضُ الرواة أنَّ هذه الصعقة هي صعقة النفخة، وأنَّ موسى عليه السلام داخلٌ فيمن استثنى منها، وهذا لا يلتزم على مساق الحديث قطعاً، فإنَّ الإفاقة حينئذٍ هي إفاقة البعث فكيف يقول: لا أدري أبعث قبلي أم جوزي بصعقة الطور فتأمله وهذا بخلاف الصعقة التي يصعقها الخلائق يوم القيامة إذا جاء الله سبحانه لفصل القضاء بين العباد وتَجَلَّى لهم فإنهم يصعقون جميعاً، وأما موسى عليه السلام فإن كان لم يصعق معهم فيكون قد حوسب بصعقته يوم تجلَّى ربه للجبل فجعله دَكًّا، فجعلت صعقة هذا التجلي عوضاً عن صعقة الخلائق لتجلي الرب يوم القيامة فتأمل هذا.

[الروح: ۱-۲۳۹-۲۵۰، فتح الباری: ۶/۲۳۵، بذیل حدیث: ۳۴۰۸]

”اگر کہا جائے کہ حدیث کے ان الفاظ کا کیا کرو گے: ”معلوم نہیں [سیدنا] موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔“ ظاہر ہے کہ استثناء موت والی بے ہوشی سے ہے، موقف والی بے ہوشی سے نہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ. [سورة الزمر ۳۹: ۶۸]

”اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔“

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے یہ الفاظ غیر محفوظ اور کسی راوی کے وہم پڑتی ہیں۔ جن الفاظ پر

صحیح روایتوں کی موافقت ہے اور وہ محفوظ ہیں تو وہ یہ ہے کہ: ”معلوم نہیں کہ [سیدنا] موسیٰ [علیہ السلام] مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا طور کی بے ہوشی کے بدلے بے ہوش ہی نہیں ہوئے۔“ لیکن کسی راوی نے یہ خیال کیا کہ یہاں موت والی بے ہوشی مراد ہے اور سیدنا موسیٰ [علیہ السلام] ان میں شامل ہیں جنہیں مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، مگر یہ مطلب سیاق حدیث کے سراسر خلاف ہے کیونکہ اس صورت میں افاقہ سے زندگی بعد الموت والا افاقہ مراد ہوگا تو آپ ﷺ کا یہ قول غلط ہو جائے گا کہ ”نہ معلوم مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا طور کی بے ہوشی کے بدلے بے ہوش ہی نہیں ہوئے۔“ یہ مقام بڑے غور و فکر کا ہے۔“

11

حافظ ابن قیم [وفات: ۷۵۱ھ] لکھتے ہیں: ”معلوم بالضرورۃ أن جسده ﷺ في الأرض طري مطري، وقد سأله الصحابة: كيف تعرض صلاتنا عليك وقد أرمُت؟ فقال ﷺ: إن الله حَرَّمَ على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء، ولولم يكن جسده في ضريحه لما أجاب بهذا الجواب، وقد صحَّ عنه ﷺ: أن الله وُكِّلَ بقبْرِهِ ملائكة يبلغون عن أمته السلام، وقد صحَّ عنه ﷺ أنه خرج بين أبي بكر وعمر وقال: هكذا نُبعثُ، هذامع القطع بأن روحه الكريمة في الرفيق الأعلى في أعلى عليين مع أرواح الأنبياء، وقد صحَّ عنه ﷺ أنه رأى موسى [علیہ السلام] قائماً يصلي في قبره ليلة الإسراء و رآه في السماء السادسة أو السابعة، فالروح كانت هناك ولها اتصال بالبدن في القبر وإشراف عليه وتعلق به بحيث يصلي في قبره ويرد سلام من سلم عليه وهي في الرفيق الأعلى. [الروح: ۲۶۶-۲۶۷]

”یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک قبر میں تروتازہ اور نرم ہے۔ ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا کہ آپ کے بوسیدہ ہونے کے بعد آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مٹی پر انبیاء کے جسم حرام فرمادیے ہیں۔ اگر آپ ﷺ کا جسم مبارک قبر میں نہ مانا جائے تو آپ ﷺ یہ جواب نہ دیتے۔ آپ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قبر پر فرشتے مقرر فرمادیے ہیں جو آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ ﷺ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر

رضی اللہ عنہما کے درمیان نکلے اور فرمایا: اسی طرح ہم زندہ کیے جائیں گے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپ ﷺ کی معزز و پاکیزہ روح اعلیٰ علیین میں انبیاء کرام علیہم السلام کی روحوں کے ساتھ اعلیٰ قدوسیوں کی جماعت میں ہے۔ آپ ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور انہیں چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا۔ معلوم ہوا کہ سیدنا کلیم اللہ علیہ السلام کا جسم قبر میں تھا اور روح آسمان پر تھی اور روح کا بدن سے ایک خاص قسم کا تعلق و اتصال تھا کہ آپ ﷺ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے تھے حالانکہ اُن کی روح رفیق اعلیٰ میں تھی۔“

حافظ صاحب موصوفؒ یہ بھی لکھتے ہیں: إِنَّ لِلرُّوحِ شَأْنًا آخَرَ تَكُونُ فِيهِ الرِّفِيقُ الْأَعْلَى فِي أَعْلَى عَالَمِينَ وَلَهَا اتِّصَالٌ بِالْبَدَنِ بِحَيْثُ إِذَا سَلَّمَ الْمُسْلِمُ عَلَى الْمَيِّتِ رَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِ رُوحَهُ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ فِي الْمَلَأِ الْأَعْلَى وَإِنَّمَا يَغْلُظُ أَكْثَرُ النَّاسِ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ حَيْثُ يَعْتَقِدُونَ أَنَّ الرُّوحَ مِنْ جِنْسٍ مَا يَعْهَدُ مِنَ الْأَجْسَامِ الَّتِي إِذَا اشْغَلَتْ مَكَانًا لَمْ يَكُنْ أَنْ تَكُونَ فِي غَيْرِهِ وَهَذَا غَلْطٌ مُحَضَّرٌ بَلِ الرُّوحُ تَكُونُ فَوْقَ السَّمَوَاتِ فِي أَعْلَى عَالَمِينَ وَتَرُدُّ إِلَى الْقَبْرِ فَتُرَدُّ السَّلَامُ وَتَعْلَمُ بِالْمُسْلِمِ وَهِيَ فِي مَكَانِهَا هُنَاكَ وَرُوحُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الرِّفِيقِ الْأَعْلَى دَائِمًا وَيُرَدُّهَا اللَّهُ سَبْخَنَهُ إِلَى الْقَبْرِ فَتُرَدُّ السَّلَامُ عَلَى مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ وَتَسْمَعُ كَلَامَهُ وَقَدْ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمًا يَصْلِي فِي قَبْرِهِ وَرَأَاهُ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ أَوْ السَّابِعَةِ. [کتاب الروح: ۱: ۳۹۷، ومثلہ فی زاد المعاد: ۳: ۴۱]

”روح کا معاملہ ہی جداگانہ ہے، وہ رفیق اعلیٰ اور اعلیٰ علیین میں رہتے ہوئے بھی اس حیثیت سے بدن سے متصل ہے کہ جب مُردے پر کوئی سلام کرنے والا سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس پر اُس کی روح لوٹا دیتے ہیں اور وہ اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہے حالانکہ روح ملا اعلیٰ میں ہے۔ اس مقام پر اکثر لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا کرتا ہے کہ جسم کی طرح بیک وقت دو مکانوں میں روح کا پایا جانا ناممکن ہے مگر یہ دھوکا ہے۔ روح آسمانوں پر اعلیٰ علیین میں ہونے کے باوجود بھی قبر میں آکر سلام کا جواب دیتی ہے اور سلام کرنے والے کو جانتی ہے۔ دیکھیے! رحمتِ عالم ﷺ کی روح مبارک

ہمیشہ رفیق اعلیٰ میں رہتی ہے لیکن قبر میں سلام کرنے والوں کے سلام سن کر اُن کے جواب دیتی ہے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور انہیں چھٹے یاساتویں آسمان میں بھی دیکھا۔“

حافظ ذہبیؒ [وفات: ۷۴۸ھ] لکھتے ہیں: والنبی ﷺ فمفارق لسائر أمتہ فی ذلک فلا یبکی ولا تأکل الأرض حسدہ ولا یتغیر ریحہ بل هو الآن وما زال أطيّب ریحاً من المسک وهو حی فی لحده حیة مثله فی البرزخ التي هي أكمل من حیاة سائر النبیین و حیاتهم بلا رب أنتم وأشرّف من حیاة الشهداء الذین هم بنصّ الكتاب أحياء عند ربهم یرزقون وهو لاء حیاتهم الآن التي فی عالم البرزخ حق ولكن لیست هي حیاة الدنیا من کل وجه ولا حیاة أهل الحنة من کل وجه ولهم شبهة بحیاة أهل الکہف.

[سیر اعلام النبلاء ۹: ۱۶۱]

”نبی اکرم ﷺ اس معاملہ میں ساری امت سے جدا ہیں۔ آپ ﷺ کا جسد مبارک نہ تو پرانا ہوتا ہے اور نہ مٹی اس کو کھاتی ہے۔ آپ ﷺ کی خوش بو بھی متغیر نہیں ہوئی بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ کے لیے مشک سے زیادہ معطر اور خوش بودار ہیں۔ آپ ﷺ کی حیات جس طرح برزخ میں ہے جو کہ تمام انبیاء سے اکمل ہے اسی طرح لحد مبارک میں بھی آپ ﷺ کا جسد اطہر بھی زندہ [تروتازہ] ہے اور اُن کی حیات میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ وہ حیات شہداء سے بھی اتم اور اشرف ہے جن کی حیات کے بارے میں قرآن مجید میں نص آئی ہے: اَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔ [سورۃ آل عمران ۱۶۹] اس وقت عالم برزخ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا ہونا برحق ہے لیکن وہ حیات نہ تو من کل الوجوہ حیاتِ دنیا ہے اور نہ ہی من کل الوجوہ حیاتِ اہل جنت ہے اور اُن کی حیات اصحاب کہف کی حیات جیسی ہے۔“

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ [وفات: ۸۵۲ھ] لکھتے ہیں: وهذه الحیاة لیست حیاة دنیویة إنما هي

أخرویة. [فتح الباری ۷: ۳۰۰] کتاب فضائل الصحابة [۶۲] باب فضائل اصحاب النبی ﷺ [۱]

”اور یہ زندگی دنیوی نہیں بلکہ اخروی ہے۔“

انہوں نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: لَأنَّہٗ ﷺ بعد موتہ وإن کان حیاً فہی حیۃٌ
اُخرویۃٌ لَا تُشَبِّہُ الحَیَۃَ الدنِیَا. [فتح الباری ۷: ۳۴۹]

”کیونکہ آپ ﷺ وفات کے بعد اگرچہ زندہ ہیں لیکن یہ دوسری قسم کی حیات ہے وہ دنیا کی حیات
جیسی نہیں۔“

علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ [وفات: ۱۲۷۰ھ] لکھتے ہیں: والمراد بتلك الحیۃ نوع من الحیۃ
غیر معقول لنا، وہی فوق حیاۃ الشہداء بکثیر، وحیۃ نبینا ﷺ اکمل وأتم من حیاۃ
سائرہم علیہم السلام. [روح المعانی ۲۱-۲۲: ۲۹۵ بذیل تفسیر سورۃ الاحزاب ۳۰: ۳۳]

”اور اُس [قبر کی] حیات سے مراد حیات کی ایک ایسی قسم ہے جو ہماری عقل و سمجھ سے بالاتر ہے
جو شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے اور ہمارے نبی ﷺ کی حیات سارے انبیاء علیہم السلام کی
حیات سے اکمل و اتم ہے۔“

شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ (۱) لکھتے ہیں:
”انبیاء علیہم السلام کو عالم برزخ میں ایک ایسی دائمی زندگی حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید
ہونے والوں کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں، حالانکہ وہاں [یعنی عالم برزخ] کی زندگی دنیوی زندگی کی
مثل نہیں بلکہ دنیوی حیات کے احکام اور ہیں اور وہاں کی حیات کے احکام اور۔“

[خصائل مسلمین ترجمہ مسائل الرعین: ۱۴۳ مسئلہ ۳۰: استفاد عند القبر]

علامہ خیر الدین نعمان بن محمود آلوسیؒ (۲) لکھتے ہیں:

فنفقون: القول بحیاتہم حق ثابت بالأحادیث الصحیحۃ، فنعتمد حیاتہم علیہم

(۱) شیخ، امام محدث، محمد اسحاق مسند الآفاق بن محمد افضل، عمری: شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور خلیفہ تھے۔ ۱۱۹۷ھ

= ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ اور مکہ مکرمہ میں ۱۲۶۲ھ = ۱۸۳۶ء میں فوت ہوئے۔ [زہدۃ الخواطر ۷: ۵۹-۶۰]

(۲) نعمان بن محمود بن عبداللہ ابوالبرکات، خیر الدین آلوسی۔ واعظ، فقیہ اور باحث تھے۔ بغداد میں ۱۲۵۲ھ =

۱۸۳۶ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ کئی شہروں میں منصب قضاء پر فائز رہے ہیں۔ کچھ عرصہ سب کچھ چھوڑ

کر درس و تدریس میں منہمک ہوئے۔ کئی کتابیں لکھیں۔ ۱۳۱۷ھ = ۱۸۹۹ء کو بغداد میں وفات پائی۔

[أعلام العراق ۵۷-۶۸، أعلام ۴۲: ۸]

الصلاة والسلام 'حياة برزخية فوق حياة الشهداء' وأن نبينا ﷺ قد جعل الله عند قبره الشريف ملكاً يبلغه سلام المسلمين الذين عند ضريحه المكرم والنائين عنه، ونعتقد أن الأنبياء جميعهم طربون، لأننا كل الأرض أجسادهم الشريفة للأحاديث الواردة في ذلك. [جلاء العنّين بحكمة الاحمدين: ۵۲۸]

”ہم کہتے ہیں کہ اُن کی حیات حق اور صحیح احادیث سے ثابت ہے، پس ہم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات - جو برزخی حیات ہے - کا عقیدہ رکھتے ہیں جو شهداء کی حیات سے برتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کی قبر کے ساتھ ایک فرشتہ اس کام پر لگایا ہے کہ وہ قبر سے قریب و بعید سلام پڑھنے والوں کا سلام آپ ﷺ تک پہنچاتے ہیں اور ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ تروتازہ ہیں، اُن کے اجساد مبارکہ کو زمین نہیں کھاتی۔ اس بارے میں کئی احادیث وارد ہیں۔“

حیات النبی ﷺ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر موت وارد ہی نہیں ہوئی۔ موت کا وارد ہونا اور رسول اللہ ﷺ کا وفات پانا تو ایک معلوم و مسلم اور مشاہدہ میں آئی ہوئی حقیقت ہے اور رسول اللہ کے متعلق موت [یعنی مرنے] کے لفظ کا استعمال بھی بالاجماع جائز ہے بلکہ اس حیات کا مطلب حیات برزخی ہے جو وفات پا جانے کے بعد عالم برزخ میں انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا ہوئی اور جو شهداء کو بھی عطا ہوتی ہے بلکہ ایک درجہ کی برزخی حیات تو سب ہی کو ملتی ہے کیونکہ بغیر اس حیات کے عذاب و ثواب کا کوئی تصور نہیں ہاں ہر طبقہ کی حیات اس کے درجہ اور شان کے مطابق ہوتی ہے اور چونکہ انبیاء علیہم السلام سب سے اعلیٰ و ارفع ہیں اس لیے اُن کی برزخی حیات بھی سب سے اعلیٰ، اولیٰ، اذکی اور برتر ہے جس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مطہرہ بالکل جوں کے توں محفوظ رکھے جاتے ہیں اور زمین ان کو گلا نہیں سکتی۔ بس یہی حقیقت ہے مسئلہ حیات النبی ﷺ کی۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے سوا تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر اموات کا اطلاق شریعت کی رو سے ممنوع نہیں، سو جیسے انبیاء کرام علیہم السلام پر احیاء کا اطلاق درست ہے ایسے ہی اموات کا اطلاق

بھی جائز ہے البتہ حیثیت کا فرق ہے اور وہ اس اعتبار سے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے سوا تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس عالم دنیا یعنی عالم فانی سے انتقال فرما گئے ہیں اور اُن کے مبارک اجسادِ عنصری ناسوتی خاکی سے ارواحِ مطہرہ و معطرہ پرواز کر گئی ہیں۔ ان پر میت کا اطلاق جائز ہے اور خصوصاً رسول اللہ ﷺ پر بالفعل میت کا اطلاق ایسی پاکباز ہستیوں نے کیا ہے جو آپ ﷺ کے بہت بڑے جان نثار تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ اموات کا سامعہ کیا کہ آپ ﷺ کو نہ لایا پھر آپ ﷺ کو تین حوالی سفید کپڑوں میں لپیٹ کر دفن کیا اور متعارف قیص اور عمامہ آپ ﷺ کے زینت بن گیا پھر آپ ﷺ کے لیے شق اور لحد میں سے لحد کو ترجیح دی جو آپ ﷺ کو پسند تھی اور آپ ﷺ پر چار تکبیروں کے ساتھ نمازِ جنازہ ادا کی البتہ جماعت نہیں کرائی گئی کیونکہ جنازہ کے لیے جماعت شرط نہیں اور اس اعتبار سے آپ ﷺ کی روح مبارک اپنے اس خاکی ناسوتی دنیاوی جسم سے نکل کر اپنے اعلیٰ اور بلند ترین مقام پر جو آپ ﷺ نے دنیوی زندگی میں رہ کر خواب میں دیکھ کر اشتیاق ظاہر فرمایا تھا کہ مجھے اپنے گھر کو اندر سے دیکھنے دو تو فرشتوں نے عرض کی: ابھی آپ ﷺ نے کچھ مدت دنیا میں رہنا ہے پھر جب آپ ﷺ کی عالم دنیا میں رہنے کی مدت پوری ہو جائے گی تو آپ ﷺ کا یہی مکان تیار ہے۔ اب آپ ﷺ اسی مکان میں مقیم ہیں جو کھلی فضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہیں۔ کھانے پینے اور رہنے سہنے کی کوئی فکر نہیں۔ روح مبارک کا اُن کے جسد مبارک سے ایک ایسا تعلق ہے جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے اور بقول حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کے آپ ﷺ قبر کے پاس صلاۃ و سلام سنتے ہیں۔ اُن کے اجسادِ مطہرہ کو زمین خراب نہیں کر سکتی اسی کا نام حیاتِ برزخی ہے جو سب سے اعلیٰ ہے۔

بصائر اور حیاۃ الانبیاء علیہم السلام

مولانا احمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: اَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَهُمْ حَيَاةٌ جَسَدَانِيَّةٌ مِثْلَ حَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَا صَرَّحَ بِهِ مَوْلَانَا خَلِيلُ أَحْمَدَ فِي عَقَائِدِ عُلَمَاءِ دِيوبَنْد.

[البصائر لمذكرى التوسل بأهل المقابر: ۸۰]

”انبیاء علیہم السلام کو حیاتِ جسدی حاصل ہے، جیسا کہ انہیں دنیاوی زندگی میں حاصل تھی جیسا کہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری^(۱) نے عقائدِ علماءِ دیوبند میں لکھا ہے۔“

ہم مولانا صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ آپ نے تو کتاب کے مقدمہ میں فرمایا ہے کہ میں قطعی دلائل پیش کروں گا۔ سوال یہ ہے کہ کیا علمائے دیوبند دلیل قطعی ہیں؟ محترم! یہ تو عقیدہ کی بات ہے، عقیدت کی نہیں اس لیے اس کو کسی قطعی دلیل سے ثابت کرنا پڑے گا۔

شیخ الحدیث مولانا سر فر از خان صاحب لکھتے ہیں: ”کتاب عقائد میں یہ مسئلہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ عقیدہ کے اثبات کے لیے خبر واحد صحیح بھی ناکافی ہے، یعنی ایسی حدیث جس کے راوی اگر چہ ثقہ ہوں لیکن اس حدیث کا شمار خبر واحد میں ہوتا ہو تو اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا چنانچہ شرح مواقف: ۷۲۷، شرح فقہ اکبر: ۶۸، مسامرۃ ۸: ۷۸ اور شرح عقائد: ۱۰۱ میں ہے کہ خبر واحد اگرچہ صحت کی اُن تمام شرائط سے متصف ہو جن کا اصول فقہ اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے لیکن پھر بھی اس سے ظن کا فائدہ ہی ہو سکتا ہے اور عقائد کے باب میں ظنیات کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

الْأَحَادِيثُ إِذَا كَانَتْ فِي مَسَائِلٍ عَمَلِيَةٍ يَكْفِي فِي الْأَخْذِ بِهَا بَعْدَ صَحَّتِهَا أَفَادَتُهَا الظَّنُّ أَمَّا إِذَا كَانَتْ فِي الْعَقَائِدِ فَلَا يَكْفِي فِيهَا إِلَّا مَا يَفِيدُ الْقَطْعَ. [فتح الباری: ۸: ۴۳۱]

”یعنی جن مسائل کا تعلق عمل کے ساتھ ہے اُن میں صحیح احادیث سے استدلال کافی ہے کیونکہ

(۱) خلیل احمد سہارن پوری۔ قصبہ امپور ضلع U.P کے ممتاز خاندان سے تعلق تھا۔ اپنے نہالی قصبہ نانوتہ میں ۱۲۶۹ھ = ۱۸۵۲ء کو پیدا ہوئے۔ نہایت ذکی و فطین تھے۔ اکثر کتابیں اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب سے پڑھیں

۱۳۳۶ھ کو وفات پائی اور قبہ اہل بیت کے متصل دفن ہوئے۔ [کابر علمائے دیوبند: ۳۵-۵۱]

اعمال کے [ثبوت کے] لیے ظنی دلائل ہی کافی ہیں لیکن جب عقائد کی باری آئے گی تو ان میں صرف وہی حدیثیں قابل قبول ہوں گی جو قطع و یقین کا فائدہ دیں [یعنی: صرف متواتر حدیثیں ہوں] عام اس سے کہ تواتر لفظی ہو یا معنوی، تواتر طبقہ ہو یا تواتر اثر، ان میں سے ہر ایک کا انکار کفر ہے (۱)۔

شیخ الحدیث صاحب یہ بھی لکھتے ہیں: ”قارئین کرام! آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ عقیدت اور چیز ہے اور عقیدہ اور ہے۔ عقیدہ کے اثبات کے لیے کوئی قطعی نص یا خبر متواتر وغیرہ درکار ہے یہاں خبر واحد صحیح سے بھی گاڑی نہیں چل سکتی اور قرآن کریم کے مقابلہ میں تو خبر واحد کا پیش کرنا ہی ناجائز ہے۔“

[تبرید النواظر فی تحقیق الحاضر والنظر: ۲۳-۲۵]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ”ہمارے اکابر عقیدہ کو قطعی دلائل سے پیش کرتے ہیں اور قطعی دلائل یہ ہیں: قرآن کریم، خبر متواتر [عام اس کے کہ تواتر لفظی ہو یا تواتر طبقہ، تواتر قدر مشترک ہو یا تواتر اثر، ان میں سے ہر ایک کا انکار ہمارے اکابر کے نزدیک کفر ہے] اور اجماع قطعی، ہمارا کوئی عقیدہ ان دلائل کے بغیر کسی اور چیز پر موقوف نہیں۔“ [راہ ہدایت: ۲۰۲]

علمائے دیوبند کی رائے

[۱] مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

”انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے بھی اقویٰ و اتم [زیادہ قوی اور مکمل] ہے اور مراد اس حیات سے حیات دنیاوی ظاہری نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ لِهٰذَا احکام اموات ظاہریہ سب پر جاری ہوتے ہیں۔“

[فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل مدلل ۲۶۹: ۵، کتاب الجنائز، فصل سادس: قبور دفن اور ان کے متعلقات، سوال:

[۳۰۴۶]

انہوں نے یہ بھی لکھا: ”اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ جو کہ مسلم ہے، پھر اسی حیات روحانی میں درجات انبیاء علیہم السلام کی حیات قوی تر ہے، اس کے بعد شہداء کی، پھر جملہ مومنین و مومنات کی

(۱) یہ عبارت مجھے فتح الباری میں نہ مل سکی۔

درجہ بدرجہ اور نصوص انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی حیات میں وارد ہے۔“

[فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل مدلل ۳۱۹:۵ کتاب الجنائز، فصل دسویں: احکام شہید، سوال: ۳۲۲۱]

مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی^(۱) نے لکھا کہ:

”انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اپنی قبور میں زندہ ہیں مگر ان کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی اور تمام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے اور انبیاء کی زندگی سے نیچے درجے کی ہے۔ دنیا کے اعتبار سے تو وہ سب اموات میں داخل ہیں:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَأَنْتُمْ مَيِّتُونَ اس کی صریح دلیل ہے۔“ [کفایت المفتی ۸۰:۱ سوال: ۶۱]

یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: ”ہاں! انبیاء علیہم السلام کو حضرت حق تعالیٰ نے ایک مخصوص اور ممتاز حیات عطا فرمائی ہے جو شہداء کی حیات سے ممتاز ہے اور شہداء کو ایک حیات عطا ہوئی ہے جو اولیاء کی حیات سے امتیاز رکھتی ہے مگر یہ زندگیاں دنیا کی زندگی سے علیحدہ ہیں کیونکہ دنیا کی زندگی کے لوازم ان میں نہیں پائے جاتے۔“

[کفایت المفتی ۸۸:۱ سوال: ۶۹]

یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: ”جمہا ہر امت محمدیہ کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبر اطہر میں حیات مخصوص کے ساتھ حیات ہیں۔ باقی یہ بات کہ اس حیات کی حقیقت کیا ہے؟ یہ حضرت حق تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔“

[کفایت المفتی ۱۰۲:۱ سوال: ۹۰]

[۳] مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی^(۱) لکھتے ہیں: ”انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حیات

(۱) کفایت اللہ بن شیخ عنایت اللہ ۱۲۹۲ھ = ۱۸۷۵ء کو شاہجہان پور [روہیل کھنڈ یو پی] میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباء و اجداد کا اصل وطن سرزمین عرب کا جنوبی ساحل یمن ہے۔ ابتدائی تعلیم شاہجہان پور میں حاصل کی پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ مدرسہ امینیہ دہلی میں علمی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ = ۲۱ دسمبر ۱۹۵۳ء کو وفات پا گئے۔ [شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا ۱۳۸۳-۱۳۸۴]

(۲) ظفر احمد بن شیخ لطف اللہ عثمانی۔ اُن کی والدہ ماجدہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی حقیقی بہن تھیں۔ ۱۸۹۰ء کو ہند میں پیدا ہوئے۔ تھانہ بھون دیوبند اور کانپور کے مختلف علماء سے کسب فیض کیا۔ ڈھا کہ یونیورسٹی میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ پاکستان بننے پر انہوں نے مشرقی پاکستان میں جھنڈا لہرایا۔ ۱۹۵۴ء میں ڈھا کہ سے ٹنڈوالہ میں آ گئے جہاں ۱۹۷۴ء کو وفات پائی۔ [انسائیکلو پیڈیا مسلم شخصیات: ۳۷۷]

برزخیہ ہے جو دوسری اموات کی حیاتِ برزخیہ سے اُتوئی واشد ہے اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کی یا سب انبیاء کی موت دنیوی کا انکار کرے وہ گمراہ ہے قال اللہ تعالیٰ: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ فَسَوِّیْ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهُ فِی الْمَوْتِ فَعَلِمَ اَنَّ مَوْتَ الْکُلِّ سَوَاءٌ۔“

[امداد الاحکام: ۳۴۲، کتاب السیر والمناقب]

علماء کا حیاتِ انبیاء کو حیاتِ شہداء کی طرح بلکہ اس سے اعلیٰ ارفع اور ابلغ بتانا ہی حیاتِ برزخی کا ثبوت ہے کیونکہ مشبہ و مشبہ بہ میں وجہ شبہ کا دونوں میں جامع ہونا ضروری ہے اور وہ یہاں ہے حیاتِ حقیقی روحانی، تو مطلب یہ ہوا کہ جیسے حیاتِ شہداء حقیقی روحانی ہے، جیسا کہ مفسرین نے نص فرمائی ہے ایسے ہی حیاتِ انبیاء بھی حقیقی روحانی ہے بلکہ روحانیت میں شہداء سے انبیاء بڑھ کر ہیں جیسے دنیا میں انبیاء علیہم السلام کی روحانیت سب سے فائق تھی۔

جو لوگ آپ ﷺ کی حیات کو ”دنیا کی سی“ کہتے ہیں ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں آپ ﷺ کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف رہتی تھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عالمِ برزخ میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق اور اُس کی حمد و ثنا میں مشغول رہتے ہیں، غرض اُن کی برزخی زندگی کو انہیں کی اپنی دنیا کی زندگی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس لیے اُن کی برزخی زندگی کو عام دنیوی زندگی سے تشبیہ دینا کسی طرح صحیح نہ ہوگا۔

تاکلین حیاتِ دنیوی

[۱] قرونِ وسطیٰ میں کرامیہ^(۱) اور معتزلہ نے یہ مسئلہ کھڑا کر دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دنیوی

(۱) صوفی محمد بن کرام بن عراق بن خوابہ بن براء ابو عبد اللہ بختانی کے پیروکار جو ابراہیم بن یوسف بلخی، عبد اللہ ابن مالک بن سلیمان ہروی اور احمد بن عبد اللہ جو یباری کا شاگرد تھا، اس کے بدعی عقائد یہ ہیں:

- معرفتِ قلبی کے بغیر بھی کوئی شخص مؤمن ہوتا ہے۔

- صرف زبانی ایمان سے بھی کوئی شخص مؤمن ولی اللہ اور خلیفہ ہوتا ہے اگرچہ وہ دل میں کافر ہو۔

- اللہ تعالیٰ جسم رکھتا ہے۔

اُس نے ملکِ شام میں ۲۵۵ھ کو وفات پائی۔ [تاریخ اسلام، حافظ ذہبی ۱۹: ۳۱۰-۳۱۵ ترجمہ: ۲۸۲]

محمد بن کرام کے بارے میں حافظ ابن حبان نے امام عثمان بن سعید دارمی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: میں بختان کے والی ابراہیم بن حصین کی مجلس میں تھا کہ ایک طویل القامت شخص اندر داخل ہوا جس کا لباس خستہ تھا، کسی نے کہا: یہ محمد بن کرام ہے۔ ابراہیم بن حصین نے اس سے پوچھا: تو کبھی اساتذہ کی مجلس میں گیا ہے؟ اُس نے نفی میں جواب دیا۔ والی نے پھر سوال کیا: عثمان بن عفان بختانی کی مجلس میں گئے ہو؟ اُس نے کہا: نہیں! والی نے پوچھا: یہ علم جو تم کہتے ہو کہاں سے تمہیں ملا ہے؟ اُس نے کہا: یہ نور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوئی ہے۔ والی نے پھر پوچھا: ”تم تشہد سنا سکتے ہو؟“ اُس نے پوچھا: تشہد کیا ہے؟ اُس نے کہا: نماز میں بحالتِ قعدہ کیا پڑھتے ہو؟ اُس نے تشہد کو اس طرح پڑھا: التَّحِيَّاتُ [التَّحِيَّاتُ] لِّلَّهِ السَّلَوَاتُ [الصلوات] وَالتَّيَّابَاتُ [الطيبات] السَّلَامُ اَلَيْكَ [عليك] اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ اَلَيْنَا [علینا] وَآلَا اِبَادٍ [علی]

عِبَادِ اللَّهِ السَّالِحِينَ [الصالحین] اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَاشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا [محمداً] رَسُوْلُهُ [عبدہ] وَرَسُوْلُكَ [ورسولك]۔ [المجر وحمین ۲: ۳۲۷ تاریخ الاسلام ۱۹: ۳۱۳]

اس شخص کے بارے میں حافظ ابن حبان اور حافظ ذہبی نے لکھا ہے: وَكَانَ يَزْعُمُ اَنَّ النَّبِيَّ لَمْ يَكُنْ بِحُجَّةٍ لِّلْعَالِي خَلْقِهِ اِنَّ الْحُجَّةَ لَا تَنْدَرُسُ وَلَا تَمُوتُ۔ [المجر وحمین ۲: ۳۲۷ تاریخ الاسلام ۱۹: ۳۱۳]

..... ”رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے لیے حجت نہیں تھے اس لیے کہ حجت نہ تو پرانی ہو جاتی ہے اور نہ مرنے سے۔“

ایسا لگتا ہے کہ یہ فقرات اُس کی جواب میں ہوں: ”اور پھر جس وجود کی سیرت و حیات قیامت تک کے لیے اس طرح محفوظ و ثبت کر دی گئی ہو علاوہ اُن نقوشِ غیر فانی کے جو صفحہ عالم پر ثبت ہیں اور جس کی زندگی کے وقائع طیبہ کو اس طرح سورج کی دائمی روشنی اور ستاروں کی یکساں سیر و حرکت کے دامن سے باندھ دیا ہو کیوں نہ اس خاکدانِ جسم و زمان میں اُس کی موت و حیات یکساں ہو؟ اور کیوں اس کی دائمی حیات و قیام کے عقیدہ سے انسان کے تاریک دلوں کو انکار اور غافل روحوں کو گریز ہو۔“ [تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد: ۲۰۸]

زندگی میں تو واقعی برحق نبی و رسول تھے مگر بعد از وفات اب بھی رسول و نبی ہیں یا آپ ﷺ کی وفات کے ساتھ آپ ﷺ سے رسالت و نبوت کی صفت بھی زائل ہوگئی چنانچہ فرقہ کرامیہ کا عقیدہ تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے ساتھ ہی اُن کی وصف نبوت - وَالْعَبَادُ بِاللّٰهِ - زائل ہو جاتی ہے انہوں نے دعویٰ کیا کہ نبوت ایک عرض ہے اور اعراض قائم بالغیر ہوتے ہیں اور عرض جس چیز کے ساتھ قائم ہے اس چیز کے جاتے رہنے سے عرض بھی جاتا رہتا ہے۔

لیکن ان لوگوں کی یہ بات جڑ مول ہی سے غلط ہے اس لیے کہ اہل اسلام کے نزدیک نبوت ایک صفت و نعمت ہے جو وفات سے زائل نہیں ہوتی اُس کے کئی شواہد ہیں:

۱- روزِ یثاق میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے عہد لیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ (سورۃ آل عمران ۸۱:۳) ”اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا تھا۔“

اور یہ عالم ارواح کی بات ہے جب کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی صرف ارواح تھیں۔ اجسادِ عنصریہ بنے ہی نہ تھے اُس وقت ہی اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت کی عالی شان صفت کے ساتھ متصف فرمایا۔ معلوم ہوا کہ درحقیقت نبوت روح کی صفت ہے۔ روح مع الجسد ہی کی نہیں۔

۲- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ.

[مصنف ابن ابی شیبہ ۲۳۱:۲۰ حدیث: ۳۷۷۰۸]

”میں اُس وقت بھی نبی تھا جب کہ [سیدنا] آدم [علیہ السلام] روح اور جسد کے درمیان تھے۔“

یعنی اُس وقت فرشتوں کو آپ ﷺ کی نبوت سے بشارت دی گئی تھی جس سے معلوم ہوا کہ نبوت دراصل روح کی صفت ہے روح مع الجسد ہی کی نہیں کیونکہ آپ ﷺ کا جسد عنصری اُس وقت بنا ہی نہ تھا۔

۳- جب رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیشانی مبارک پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا: يَا بِيَّ أَنْتَ وَأُمِّي يَا نَبِيَّ اللَّهِ الْإِلَهِ يَجْمَعُ اللَّهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا. [صحیح بخاری کتاب الجنائز ۲۳۳ باب الدخول علی المیت إذا دُرِجَ فِي

آکھانہ [۳] حدیث: [۱۲۴۲]

”اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہیں کریں گے۔ آپ کے لیے جو [طبی] موت مقدر تھی وہ وارد ہو چکی ہے۔“

موت واقع ہونے کے بعد بھی سیدنا صدیق اکبر ؓ انہیں یا نبی اللہ! کہہ کر مخاطب ہوتے ہیں۔ جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ موت سے وصف رسالت جدا نہیں ہوئی۔

۴- جب رسول اللہ ؐ کی وفات ہو چکی تھی اس کے بعد دفن کرنے تک چھ سات نمازوں کا وقت گزرا۔ صحابہ کرام نے فرض واجب سنت اور مستحب [تہجد وغیرہ] نمازیں پڑھیں ان میں ہر قعدہ میں تشہد پڑھتے وقت السَّلَامُ عَلَیْكَ أَيُّهَا النَّبِیُّ اور أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وجوبی طور پر پڑھتے رہے اور آپ ؐ کی صفت نبوت و رسالت کا اقرار کرتے رہے حالانکہ تمام امت کا اجماع ہے کہ دفن سے پہلے آپ ؐ کے جسدِ غصری میں روح مبارک واپس نہیں آئی تھی اور اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ آپ ؐ اُس وقت میت تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَأَشَدُّ مَا فِيهِ إِشْكَالًا قَوْلُ أَبِي بَكْرٍ ؓ: لَا يَجْمَعُ اللَّهُ عَلَيْكَ مَوْتَيْنِ، وَ عَنْهُ أَجُوبَةٌ، فَقِيلَ: هُوَ عَلَى حَقِيقَتِهِ، وَأُشَارَ بِذَلِكَ إِلَى الرَّدِّ عَلَى مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ ؐ سُبْحِيحًا فَيَقْطَعُ أُيْدِي رِجَالٍ لِأَنَّهُ لَوْ صَحَّ ذَلِكَ لَلَزَمَ أَنْ يَمُوتَ مَوْتَهُ أُخْرَى، فَأُنْخَبِرُ أَنَّهُ ؐ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ مَنْ أَنْ يَجْمَعَ عَلَيْهِ مَوْتَتَيْنِ كَمَا جَمَعَهَا عَلَى غَيْرِهِ كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ، وَكَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهَذَا أَوْضَحُ الْأَجُوبَةِ وَأَسْلَمُهَا. [فتح الباری: ۳/۱۱۴]

”اس روایت میں سیدنا ابو بکر ؓ کا قول: ”اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہیں کریں گے۔“ نہایت مشکل ہے۔ محدثین نے اس کئی جواب دیے ہیں جن میں سب سے واضح اور زیادہ درست جواب یہ ہے کہ اُن کا یہ ارشاد حقیقت پر مبنی ہے جس میں انہوں نے اُس شخص کا جواب دینے کی طرف اشارہ کیا تھا جس کا خیال تھا کہ رسول اکرم ؐ دوبارہ زندہ ہو کر مجرموں کے ہاتھ کاٹ ڈالیں گے اس لیے کہ اگر اس شخص کی بات درست تسلیم کی گئی تو پھر انہیں تیسری بار بھی موت

پکھنا پڑے گا۔ آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ جس طرح بعض دوسرے لوگوں کو دوبار موت دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو ایسی موت نہیں دی گئی ہے جیسا کہ وہ لوگ جو ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکل گئے تھے یا وہ شخص جو کسی بستی کے قریب سے گزر رہا تھا اور اسے موت دے کر سو سال بعد اسے پھر زندگی دی گئی۔“

۵: اس دوران مسجدوں میں اذانیں بھی دی جا رہی تھیں اور صحابہ کرام ﷺ کلمات اذان سن کر ان کا جواب بھی دیتے رہے جس میں یہ شہادت بھی ہے: اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ اِسی طرح اقامت بھی ہوتی رہی جس میں بھی اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کہا جاتا رہا اور سننے والے جواب میں حسب دستور اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کہتے۔ اگر وفات [یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے جسدِ غصری سے روح مبارک کی مفارقت کے بعد نَعُوْذُ بِاللّٰهِ نبوت و رسالت کی صفت زائل ہوگئی تھی تو اذانوں، اقامتوں اور تشہد وغیرہ میں اقرار و شہادت رسالت نَعُوْذُ بِاللّٰهِ ایک لغو اور خلاف واقع امر ہوتا۔

در اصل صحابہ کرام ﷺ نے اپنے عمل سے ہمیں یہ مسئلہ سمجھا دیا کہ نبی کی موت سے نبوت و رسالت کی صفت نبی سے زائل نہیں ہوتی۔ نبی بدستور نبی ہی رہتے ہیں اور خود نبی و رسول کے الفاظ کی ساخت بتا رہی ہے کہ یہ دونوں صفتیں لازم ذات ہیں جو کسی عارضہ سے جدا نہیں ہو سکتیں کیونکہ یہ دونوں صفتِ مشبہ کے صیغے ہیں۔

[۲] حافظ ابن حزمؒ لکھتے ہیں: حدث فرقة مبتدعة تزعم أن محمد بن عبد الله بن عبد المطلب ﷺ ليس هو الآن رسول الله ولكنه كان رسول الله وهذا قول ذهب إليه الأشعرية وأخبرني سليمان بن خلف الباجي - وهو من مقدميهم اليوم - أن محمد بن الحسن بن فورك الأصبهاني على هذه المسئلة قتله بالسهم محمود بن سبكتگين ما دون من وراء النهر من خراسان. قال أبو محمد: وهذه مقالة خبيثة مخالفة لله تعالى و لرسوله ﷺ ولما أجمع عليه جميع أهل الإسلام منذ كان الإسلام إلى يوم القيامة وإنما حملهم على هذا قولهم الفاسد: أن الروح عرض والعرض يفني أبداً ويحدث

ولایقی وقتین، فروح النبی ﷺ عندهم قد فنیت وبطلت، ولا روح له الآن عند الله تعالى وأما جسده في قبره موات فبطلت نبوته بذلك ورسالته. قال أبو محمد: ونعوذ بالله من هذا القول فإنه كفر صراح، لا تردّاذ فيه. [الفصل فی السبل والاہواء والخل: ۸۸-۸۹]

”ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے جس کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ اب رسول اللہ نہیں رہے بلکہ آپ ﷺ رسول اللہ تھے۔ اشعریہ نے بھی یہی عقیدہ اختیار کیا ہے۔ مجھے سلمان بن خلف باجی نے جو ان کے بڑے لوگوں میں سے ہیں۔ بتایا کہ محمد بن حسن بن فورک اصہبانی [وفات: ۴۰۶ھ] کا یہی عقیدہ تھا جس کو محمود بن سبکتگین نے ماوراء النہر کے خراسان میں زہر دے کر قتل کیا تھا، ابو محمد [حافظ ابن حزم] کہتا ہے: یہ خبیث قول اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور عسراول کے مسلمانوں سے لے کر قیامت تک کے مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے، ان کا یہ فاسد قول اس نظریہ پر مبنی ہے کہ روح عرض ہے جو فنا ہوتی ہے، کبھی پیدا ہوتی ہے لیکن معمولی وقت کے لیے بھی نہیں ٹھہرتی، پس اُن کے خیال میں نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک فنا ہو کر باطل ہو گئی اور اب اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کی کوئی روح نہیں اور آپ کا جسد مبارک قبر میں مردہ ہے اس لیے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت جاتی رہی، ابو محمد [حافظ ابن حزم] کہتا ہے: ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قول سے پناہ چاہتے ہیں اس لیے کہ یہ صراحۃً کفر ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں۔“

حافظ ذہبی نے بھی حافظ ابن فورک کے بارے میں لکھا ہے: کان يقول: ان روح رسول الله ﷺ قد بطلت وتلاشت وما هي في الجنة. [سیر اعلام النبلاء ۱۷: ۲۱۶]

”رسول اللہ ﷺ کی روح پُرفوتح والعباد باللہ تعالیٰ - وفات پا جانے کے بعد باطل اور معدوم ہو گئی، اور اُن کی روح جنت میں نہیں گئی۔“

مؤرخ ابن تغری بردی^(۱) حافظ ابن فورک کے بارے میں لکھتے ہیں: کان رجلاً صالحاً سمع

(۱) یوسف بن تغری بردی بن عبد اللہ الظاہری الحنفی ابو الحسن جمال الدین قاہرہ میں ۸۱۳ھ = ۱۴۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد رقوق کے مما لیک الظاہر میں سے تھے۔ جلال الدین بلقینی کے شاگرد رہے ہیں۔ ۸۷۴ھ =

۱۴۷۰ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔ [الضوء المامح ۱۰: ۳۰۵، الاعلام ۸: ۲۲۳]

الحديث؛ و روى عنه أبو بكر البیهقي وأبو القاسم القشيري وغيرهما؛ قتله محمود بن سبكتكين بالسم لكونه قال: كان رسول الله ﷺ رسولاً في حياته فقط، وأن روحه قد بطل وتلاشى؛ وليس هو في الجنة عند الله تعالى [يعني: روحه] ﷺ.

[النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة ۴: ۲۳۰ وقائع: ۳۰۶]

”نیک شخص تھے حدیث کی تعلیم حاصل کی ہے۔ امام ابو بکر بیہقی اور ابوالقاسم قشیری نے اُن سے حدیث کی روایت کی ہے۔ محمود بن سبکتگین نے انہیں زہر دے کر قتل کروایا تھا اس لیے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ - نَعُوذُ بِاللّٰهِ - رسول اللہ ﷺ زندگی ہی میں رسول تھے اور وفات پا جانے کے بعد آپ ﷺ کی روح باطل اور معدوم ہو گئی اور آپ کی روح جنت میں نہیں گئی۔“

مؤرخ تاج الدین السبکی [وفات: ۷۷۱ھ] لکھتے ہیں: کان شديد الرد على أبي عبد الله بن كرام؛ وأذكر أن سبب ما حصل له من المحنة من شغب أصحاب ابن كرام وشيعتهم المجسمة. [طبقات الشافعية الكبرى ۴: ۳۰ ترجمہ: ۳۱۶]

”آپ عبد اللہ بن ابی کرام کی نہایت شدت کے ساتھ مخالفت کرتے تھے اس لیے میرا خیال ہے کہ ابن کرام کے ساتھیوں اور مجسمہ نے انہیں اذیت اور تکلیف دی، جس کا میں بعد میں ذکر کروں گا۔“

آگے لکھتے ہیں: انہیں سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو سلطان نے اُن سے اس بارے میں پوچھا جس کے جواب میں انہوں نے: كَذَّبَ الناقِل؛ وقال: ما هو معتقد الأشاعرة على الإطلاق: أن نبينا ﷺ حي في قبره؛ رسول الله أبدًا لا يباد على الحقيقة؛ لا المجاز؛ وأنه كان نبياً و آدم بين الماء والطين ولم تبرح نبوته باقية؛ ولا تزال؛ وعند ذلك وضع للسلطان الأمر؛ وأمر بإعزازه وإكرامه ورجوعه إلى وطنه؛ فلما أبست الكرامية؛ وعلمت أن ما وشت به لم يتم؛ وأن حيلها ومكائدها قد وهت؛ عدلت إلى السعي في موته؛ والراحة من تبعه؛ فسَلَطُوا عليه من سَمَةٍ فمضى حميداً شهيداً. [طبقات الشافعية الكبرى ۴: ۳۱۶]

”اس قول کو اپنی طرف منسوب کرنے والے کو جھٹلایا اور فرمایا کہ یہ سب اشاعرہ کا مسلک نہیں ہے

بلکہ اشاعرہ کا مسلک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور ہمیشہ کے لیے حقیقی طور پر رسول اللہ ہیں نہ کہ مجازی طور پر اور جب سیدنا آدم علیہ السلام پانی اور گیلی مٹی کے درمیان تھے اُس وقت سے آپ ﷺ رسول اللہ ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت ہمیشہ کے لیے باقی اور جاری و ساری ہے جب سلطان کو حقیقتِ حال کا علم ہو گیا تو اُن کا اعزاز و اکرام کیا اور انہیں وطن واپس جانے کی اجازت دے دی۔ کرامیہ کو جب اس صورتِ حال کا علم ہو گیا کہ اُن کی چغلی کھانی سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا اور اُن کے مکر و فریب کا وار خالی چلا تو انہوں نے اُن سے جان چھڑانے کے لیے اُن کے پیچھے ایسے لوگ لگا دیے جنہوں نے انہیں زہر دے کر شہید کر دیا۔“

حافظ ابن قیمؒ نے امام ابوالحسن اشعریؒ (۱) کا نام لے کر لکھا ہے: وهذا القول في النبوة بناء على

(۱) علامہ تاج الدین بکؒ [وفات: ۷۷۱ھ] لکھتے ہیں: إنكار الرسالة بعد الموت معزوة إلى الأشعري و

هي من الكذب عليه. [طبقات الشافعية الكبرى ۳: ۳۸۴]

”اشعریؒ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ وفات کے بعد رسالت باقی نہیں رہی، لیکن یہ نسبت جھوٹی ہے۔“ اور امام قشیریؒ کی کتاب شکایۃ اهل السنة کے حوالے سے لکھتے ہیں: فامّا ما حكي عنه وأصحابه أنهم يقولون: إنّ محمداً ﷺ ليس بنبي في قبره ولا رسول بعد موته، فهتاك عظيم، وكذب محض، لم ينطق منهم أحد، ولا سمع في مجلس مناظرة عنهم، ولا وجد ذلك في كتاب لهم، وكيف يصح ذلك و عندهم محمداً ﷺ حي في قبره؟ [طبقات الشافعية الكبرى ۳: ۴۰۶]

”امام ابوالحسن اشعریؒ کی طرف یہ بات جو منسوب ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات کے بعد اپنی قبر میں رسول اور نبی نہیں رہے، سو یہ اُن پر ایک بہتانِ عظیم باندھی گئی ہے اور یہ خالص جھوٹ ہے جو ہرگز آپ نے نہیں کہا، نہ اُن سے کسی مناظرہ کی مجلس میں سنا گیا اور نہ اُن میں سے کسی کی کتاب میں پایا گیا ہے اور یہ بات کیونکر درست ہو سکتی ہے جب کہ اُن کے نزدیک رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔“

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں: قلت: وأما ما نسب إلى الإمام الأشعري إمام أهل السنة والجماعة من إنكار نبوته بعد الموت فهو إفترأ و بهتانٌ، والمصريح به في كتبه و كتب أصحابه خلاف ما نسب إليه بعض أعدائه لأن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام أحياء في قبورهم. [روايتهم ۳: ۲۵۹]

”میں کہتا ہوں کہ امام اہل سنت و جماعت امام اشعریؒ کی طرف جو اس [رسالت] کا انکار موت کے بعد منسوب ہے، وہ افتراء اور بہتان ہے۔ اُن کی اور اشاعرہ کی کتابوں میں اس بات کے خلاف تصریح پائی جاتی ہے جو اُن کے دشمنوں نے اُن کی طرف منسوب کر دیا ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔“

أصل الجهمية وأفرأخهم: أنَّ الروح عرضٌ من أعراض البدن كالحيأة، وصفات الحي مشروطةٌ بها، فإذا زالت بالموت تبعثها صفاته فزالت بزوالها، ونَجَا متأخروهم من هذا الإلزام و قَرُّوا إلى القول بحياة الأنبياء عليهم السلام في قبورهم، فجعلوا لهم معاداً يختصُّ بهم قبل المعاد الأكبر، إذ لم يمكنهم التصريح بأنهم لم يدوقوا الموت.

[اجتماع الجيوش الإسلامية: ۱۱۱]

..... میرا ذاتی خیال ہے کہ چونکہ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کسی زمانے میں بدعتی تھے، ممکن ہے ان کا یہ عقیدہ اُس زمانے کی ہو جس سے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا ہو چنانچہ علامہ مقریزی لکھتے ہیں: نوکان أبو الحسن علي بن إسماعيل الأشعري قد أخذ عن أبي علي محمد بن عبد الوهاب الجبائي، ولازمه عدة أعمام ثم بدله فترك مذهب الاعتزال. [المخطوط المقريري: ۱۹۱:۴]

”امام ابوالحسن اشعری کئی سال تک امام جبائی معتزلی کے پاس رہے ہیں، اور پھر اعتزال سے الگ ہو گئے۔“

علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں: أقام علي الاعتزال أربعين سنة، حتى صار للمعتزلة إماماً، فلما أراد الله لِنَصْرِ دينه وشرَّح صدره لإتباع الحق، غاب عن الناس في بيته خمسة عشر يوماً، ثم خرج إلى الجامع وصعد المنبر وقال: معاشر الناس! إنما تَغَيَّبْتُ عنكم هذه المدة لأني نظرتُ فككافأتُ عندي الأدلة، ولم يترجح عندي شيء على شيء، فاستهديتُ الله تعالى فهداني إلى اعتقاد ما أودعته في كتيب هذه، وانخلعتُ من جميع ما كنتُ أعتقد، كما انخلعتُ من ثوبي هذا، وانخلع من ثوب كان عليه ورمي به، ودفع الكتب التي ألَّفها على مذهب أهل السنة إلى الناس.

[طبقات الشافعية الكبرى: ۳: ۳۳۷-۳۳۸]

”چالیس سال تک معتزلی رہے یہاں تک کہ معتزلہ کے امام بنے اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اس کے دین کا معاون بنے اور حق کی پیروی کے لیے اُس کا سینہ کھول دے تو آپ پندرہ دن تک لوگوں سے اپنے گھر میں الگ تھلک رہے، پھر جامع میں آکر منبر پر بیٹھ گئے اور فرمایا: لوگو! میں اتنی مدت تم سے غائب رہا، میں نے دلائل کا موازنہ کیا، جو میرے نزدیک ایک دوسرے کے برابر رہے اور میں کسی دلیل کو ترجیح نہ دے سکا، میں نے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی راہ دکھانی، اُس نے مجھے اُس حق کی طرف ہدایت کی جو میں نے اپنی ان کتابوں میں لکھا ہے اور اپنے سابقہ سارے عقائد سے اس طرح باہر نکلتا ہوں جس طرح میں نے اپنا یہ لباس اتار لیا اور اس کے ساتھ ہی اپنی قمیص اتاری، اُسے دور پھینکا اور جو کتابیں اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق لکھی تھیں وہ لوگوں کے حوالہ کیں۔“

”نبوت سے متعلق ان کا یہ قول جہمہ اور اُن کے چیلوں کے اصول پر مبنی ہے کہ روح بدن کے دوسرے اعراض کی طرح ایک عرض ہے جیسے کہ حیات بھی [ایک عرض ہے] اور زندہ کی صفات زندگی ہی سے مشروط ہیں جب وہ [زندگی] موت سے زائل ہوگئی تو اس کی ساری صفات خود بخود زائل ہوگئی۔ اُن کے متاخرین نے اس الزام سے خود کو بچانے کے لیے قبروں میں انبیاء کرام علیہم السلام کا قول تو کر دیا لیکن انہوں نے معاد اکبر سے قبل اُن [انبیاء کرام علیہم السلام] کے ساتھ مخصوص معاد کا قول کر لیا کیونکہ اُن کے لیے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام پر موت نہ آنے کی تصریح کریں۔“

علامہ سید محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں: بقاء النبوة والرسالة بعد الموت في حقہ ﷺ وحق غيره من الأنبياء والمرسلين حقيقة بما ذهب إليه غير واحد فإن المتصف بهما وكذا بالإيمان هو الروح وهي باقية لا تتغير بموت البدن نعم ذهب الأشعري كما قال النسفي: إلى أنهما بعد الموت باقيان حكماً. [روح المعاني ۲۱-۲۲: ۲۹۱]

”نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ماسوا تمام نبیوں اور رسولوں کی وفات کے بعد اُن کی نبوت و رسالت کا حقیقہ باقی رہنا اور ان اوصاف کا ان سے زائل نہ ہونا ان امور میں سے ہے جن کی طرف اکاذکا نہیں بلکہ کثیر علماء گئے ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ نبوت و رسالت اور ایمان دراصل روح کی صفتیں ہیں اور روح ہمیشہ رہتی ہے جو بدن کی موت کے بعد اصلاً تغیر پذیر نہیں ہوتی، البتہ علامہ نسفی کے قول کے مطابق امام ابو الحسن اشعری اس طرف گئے ہیں کہ انبیاء و رسل کی وفات کے بعد نبوت و رسالت حکمی ہوتی ہے [مگر یہ صحیح نہیں]۔“

حافظ ابن قیمؒ فصل في الكلام في حياة الأنبياء في قبورهم کے تحت لکھتے ہیں:

قَالَ الرَّسُولُ بِقَبْرِهِ حَيٌّ كَمَا قَدْ كَانَ فَوْقَ الْأَرْضِ وَالرُّجْمَانِ
مِنْ قُوَّتِهِ أَطْبَاقُ ذَاكَ التُّرْبِ وَاللَّ بَنَاتٌ قَدْ عُرِضَتْ عَلَى الْجُدْرَانِ
لَوْ كَانَ حَيًّا فِي الضَّرِيحِ حَيَاتُهُ قَبْلَ الْمَمَاتِ بِغَيْرِ مَا فُرْقَانِ
مَا كَانَ تَحْتَ الْأَرْضِ بَلْ مِنْ قُوَّةِهَا وَاللَّ هَذِي سَنَةُ الرَّحْمَنِ

أَتَرَاهُ تَحْتَ الْأَرْضِ حَيًّا ثُمَّ لَا يُفْتَنُهُمْ بِشَرَائِعِ الْإِيمَانِ ؟
وَيُرِيحُ أُمَّتَهُ مِنَ الْآرَاءِ وَالْخُلُ فِي الْعَظِيمِ وَسَائِرِ الْبُهْتَانِ
أَمْ كَانَ حَيًّا عَاجِزًا عَنْ نُطْقِهِ وَعَنِ الْجَوَابِ لِسَائِلِ لَهْفَانِ
وَعَنِ الْجَرَائِكِ فَمَا الْحَيَاةُ اللَّائِثُ قَدْ أَتْبَعُوهَا أَوْضَحُوا بَيِّنَانِ

[الكافية الشافية في الانتصار للفرقة الناجية المعروف بالقصيدة النونية: ۱۴۰]

”معتلہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر مبارک میں اس طرح زندہ ہیں جس طرح کی حیات آپ ﷺ کو زمین کے اوپر حاصل تھی اور [اس حالت میں] وہاں آپ ﷺ کے اوپر مٹی ڈالی گئی اور ایٹیں قبر کی دیواروں کو لگائی گئیں۔ نبی اکرم ﷺ قبر میں اسی طرح زندہ ہوتے جس طرح دنیا میں وفات سے پہلے زندہ تھے تو قبر کی بجائے زمین کے اوپر زندہ رہتے۔ اللہ کی قسم! اللہ رحمن کا طریقہ یہی ہے۔ ذرا اتنا سوچ اور خیال کر کہ اگر آپ قبر شریف میں [دنیاوی طرح] زندہ موجود ہیں تو پھر مسائل ایمان کے فتاوے کیوں نہیں دے رہے؟ اُن کی امت آئے دن فتنوں اور اختلافات کا شکار ہے مگر آپ ﷺ خاموش ہیں۔ کیا آپ ﷺ کو [والعیاذ باللہ] حاکم بدین بولنے اور جواب دینے سے عاجز ہیں؟ اگر حس و حرکت نہیں تو پھر واضح طور پر بتائیے کہ تم نے اُن کے لیے کس قسم کی حیاۃ ثابت کی؟“

اور جو لوگ آپ ﷺ کی حیات برزخی کو غیر مکلف حیات دنیاوی کہتے ہیں اُن سے پوچھتے ہیں کہ:

هَلْ جَاءَكُمْ أَثَرُ بَانَ صَحَابَهُ سَأَلُوهُ فَنَبَأَ وَهُوَ فِي الْأَكْفَانِ
فَأَجَابَهُمْ بِجَوَابٍ حَيٍّ نَاطِقٍ فَأَتُوا إِذَا بِالْحَقِّ وَالْبِرْهَانِ
هَلَّا أَجَابَهُمْ جَوَابًا شَافِيًا إِنْ كَانَ حَيًّا نَاطِقًا بِلِسَانِ

[الكافية الشافية في الانتصار للفرقة الناجية المعروف بالقصيدة النونية: ۱۴۱]

”کیا تمہارے پاس صحابہ کرام ﷺ کا کوئی ایسا اثر [روایت] ہے جس میں یہ بات موجود ہو کہ انہوں نے آپ ﷺ سے کوئی سوال پوچھا جب آپ ﷺ کو کفن پہنایا گیا اور آپ ﷺ نے کسی زندہ بولنے والے شخص کی طرح کوئی جواب دیا؟ اگر آپ ﷺ [دنیوی] حیات سے زندہ تھے اور اپنی [دنیوی]

زبان سے بات چیت کر سکتے تھے تو کیا آپ نے انہیں کوئی شافی جواب دیا؟ حق و برہان [دلیل] کے ساتھ بات کرو۔“

موصوف آگے فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ أَتَوْا يَوْمًا إِلَى الْعَبَّاسِ يَسْتَسْقُونَ مِنْ قَحْطٍ وَجَذَبَ زَمَانٌ
هَذَا وَبَيْنَهُمْ وَبَيْنَ نَبِيِّهِمْ عَرْضُ الْجِدَارِ وَحُجْرَةُ النِّسْوَانِ
فَنَبِيَّهُمْ حَيٌّ وَيَسْتَسْقُونَ غَيْرَ رَنِيهِمْ حَاشَا أُولِي الْإِيمَانِ

[الكافية الشافية في الانتصار للفرقة الناجية المعروف بالقصيدة النونية: ۱۳۴]

”قط و خشک سالی سے مجبور صحابہ سیدنا عباس ؓ کے پاس استسقاء کے لیے آئے حالانکہ تمہارے عقیدے کے مطابق رسول اللہ ؐ قبر شریف میں بذات خود نفسِ نفیس زندہ موجود تھے اور فرق و فاصلہ بھی صرف حجرات ہی کی دیوار کا ہے اس سے بڑھ کر حیرت انگیز بات کیا ہو سکتی ہے کہ زندہ ہستی [رسول اکرم ؐ] کو چھوڑ کر ایک امتی سے استسقاء کی دعاء کرائی جا رہی ہے۔“

آگے لکھتے ہیں:

وَالْتُرْبُ تَحْتَهُمْ وَفَوْقَ رُءُوسِهِمْ وَعَنِ السَّمَائِلِ ثُمَّ عَنْ أَيْمَانٍ
مِثْلَ الَّذِي قَدْ قُلْتُمُوهُ مَعَاذَنَا بِاللَّهِ مِنْ إِفْكِ وَمِنْ بُهْتَانٍ
بَلْ عِنْدَ رَبِّهِمْ تَعَالَى مِثْلُ مَا قَدْ قَالَ فِي الشُّهَدَاءِ فِي الْقُرْآنِ

[الكافية الشافية في الانتصار للفرقة الناجية المعروف بالقصيدة النونية: ۱۳۵]

”جن کے نیچے بھی مٹی ہو اور ان کے سروں پر بھی اور دائیں بائیں بھی غرض مٹی میں محصور اور گھرے ہوئے بھی کوئی [دنیاوی] زندگی ہے؟ تمہارے اس افک و بہتان سے اللہ کی پناہ! حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ؐ عند اللہ ویسے ہی زندہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کی زندگی کا قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔“

یہ عقیدہ چونکہ انتہائی مضحکہ خیز ہے اس لیے حافظ ابن قیم ان معطلہ کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

يَا قَوْمَنَا اسْتَخِيُوا مِنَ الْعُقَلَاءِ وَالْمَبْعُوثِ بِالْقُرْآنِ وَالرَّحْمَنِ
 وَاللَّهِ لَا قَدَرَ الرَّسُولُ عَرَفْتُمْ كَلًّا وَلَا لِلنَّفْسِ وَالْإِنْسَانِ
 مَنْ كَانَ هَذَا الْقَدْرُ مَبْلَغَ عِلْمِهِ فَلْيَسْتَرْ بِالصَّمْتِ وَالْكَيْمَانِ
 وَلَقَدْ أَبَانَ اللَّهُ أَنَّ رَسُولَهُ مَيِّتٌ كَمَا قَدْ جَاءَ فِي الْقُرْآنِ
 أَفَحَاءَ أَنَّ اللَّهَ بَاعَثَهُ لَنَا فِي الْقَبْرِ قَبْلَ قِيَامَةِ الْأَبْدَانِ
 اثْلَاثَ مَوْتَاتٍ تَكُونُ لِرُسُلِهِ وَلِيُغَيِّرَهُمْ مِنْ خَلْقِهِ مَوْتَانِ
 إِذْ عِنْدَ نَفْخِ الصُّورِ لَا يَبْقَى امْرُؤٌ فِي الْأَرْضِ حَيًّا قَطُّ إِلَّا بِرَبِّهَا
 أَفَهَلْ يَمُوتُ الرُّسُلُ أَمْ يَبْقَوْنَ إِذَا مَاتَ الْوَرَى أَمْ هَلْ لَكُمْ قَوْلَانِ
 فَتَكَلَّمُوا بِالْعِلْمِ لَا الدَّعْوَى وَجِئْتُمُوا بِاللَّيْلِ فَتَنْحُنْ دُونَ أَذْهَانِ

[الكافية الشافية في الانتصار للفرقة الناجية المعروف بالقصيدة النونية: ۱۳۱-۱۳۲]

”اے قوم! تمہیں اللہ تعالیٰ قرآن مجید بلکہ خود رسول اللہ ﷺ اور اہل عقل و دانش سے شرم آنی چاہئے کیونکہ نہ ہی تم نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے قدر و مرتبہ کو پہچانا اور نہ ہی تم نے انسانیت کی قدر و عظمت اور نفس یا روح کی شان و کمال کو سمجھا۔ جو کوئی عقل و فہم سے اس درجہ محروم ہے تو اسے بالکل خاموش رہتے ہوئے وقت گزارنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بالکل واضح الفاظ میں اِنَّكَ مَيِّتٌ کا اعلان فرما کر نبی اکرم ﷺ کی وفات ظاہر فرمادی۔ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات پہنچی ہے کہ قیام ابدان سے قبل انہیں قبر میں [دنیاوی] زندگی دی گئی۔ کیا اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو تین بار موت کا سزا چکھنا ہوگا جب کہ اس کی دوسری مخلوق دو بار مرتی ہے کیونکہ برہان اور دلیل سے ثابت ہے کہ صورت پھونکنے کے وقت زمین [و آسمان] میں کوئی متنفس زندہ نہیں رہے گا تو جب ساری مخلوق مرجائے گی تو کیا اللہ تعالیٰ کے رسل مر گئے یا نہ؟ یا اس بارے میں تمہارے دو قول ہیں؟ دلیل کے ساتھ بات کرو صرف دعویٰ نہ کرو بلکہ اس پر دلیل بھی پیش کرو اس لیے کہ ہم بھی دماغ رکھتے ہیں۔“

[۳] کافی کلینی (۱) لکھتے ہیں: عن جعفر بن المثنی الخطیب قال: کنتُ بالمَدینَةِ وسَقَفُ المسجد الذی یُشرفُ علی القبر قد سَقَطَ والفعلُ یصعدون و ینزلون و نحنُ جماعۃٌ، فقلْتُ لأصحابنا: مَنْ منکم له موعدٌ یدخلُ علی أبی عبد اللہ علیہ السلام اللیلۃ؟ فقال مہران بن أبی نصر: أنا، وقال إسمعیل بن عمار الصیرفی: أنا، فقلنا لهما: سَلَاہُ لنا عن الصُّعود لِیُشْرِفَ علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما کان من الغد لَقیناہما، فاجتمعنا جمیعاً فقال إسمعیل: قد سألناہُ لکم عَمَادَ کَرم، فقال: مَا أَحْبُّ لِأَحَدٍ أَنْ یَعْلُو فَوْقَهُ وَلَا آمَنُهُ أَنْ یَرَى شَیْئاً یَذْهَبُ مِنْهُ بَصَرُهُ أَوْ یَرَاهُ فَأَتَمَّا یَصْلِی أَوْ یَرَاهُ مَعَ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ.

[اصول کافی ۱: ۵۱۳ ابواب التاریخ، باب الثمنی عن الاشراف علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، روایت: ۱۲۲۵]

”جعفر بن ثنیٰ سے مروی ہے کہ میں مدینہ منورہ میں تھا۔ مسجد نبوی کی چھت۔ جس سے قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر آتی تھی۔ گر گئی تھی۔ کام کرنے والے [بغرض تعمیر] اوپر چڑھتے تھے اور اترتے تھے، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم میں کون ایسا ہے جس سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے ملنے کا وعدہ کیا ہو؟ مہران نے کہا: میں ہوں، اسماعیل نے کہا: میں ہوں۔ میں نے ان دونوں سے کہا: ہماری طرف سے ایک سوال اُن سے کرو کہ آیا قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند ہو کر اسے دیکھنا درست ہے؟ وہ لوگ گئے۔ دوسرے روز جب ہم پھر جمع ہوئے تو اسماعیل نے کہا: ہم نے تمہارا مسئلہ دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرو گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اونچے ہو کر اس چیز کو دیکھو جس سے بینائی جاتی رہے یا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھے کہ تنہا کھڑے نماز پڑھ رہے ہوں یا اپنی کسی بی بی کے پاس ہوں؟“ [الثانی ترجمہ اصول کافی ۳: ۲۹]

سید ظفر حسن صاحب نقوی اس روایت کے تحت لکھتے ہیں:

”توضیح: مِرَاۃُ الْعُقُولِ میں علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کے

(۱) محمد بن یعقوب بن اسحاق ابو جعفر کلینی۔ بغداد میں شیعوں کے شیخ امام امیہ کے عالم تھے۔ تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ ”رے“ کے گاؤں کلین کی طرف منسوب ہیں۔ ۳۲۹ھ = ۹۴۱ء کو بغداد میں وفات پائی۔

[سیر اعلام النبلاء ۱۵: ۲۸۰ ترجمہ: ۱۲۵، الاعلام ۷: ۱۲۵]

راوی جعفر بن مثنیٰ اصحاب امام رضا علیہ السلام سے ہیں انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ نہیں دیکھا۔ دوسرے علمائے امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام مرنے کے بعد زندہ تو ضرور ہیں لیکن ایسی زندگی وہ نہیں ہوتی جیسی مرنے سے پہلے ہوتی ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ سوائے کسی خاص ضرورت کے قبر سے اونچا ہو جانا اور بلندی سے اس کو دیکھنا جائز نہیں۔“

[الثانی ترجمہ اصول کافی ۲۹:۳]

[۴] مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی^(۱) نے لکھا ہے کہ:

”انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات حقیقی حسی دنیاوی ہے اُن پر تصدیق وعدۃ الہیہ کے لیے محض ایک آن کی آن کو موت طاری ہوتی ہے پھر فوراً اُن کو ویسے ہی حیات عطا فرمادی جاتی ہے۔ اس حیات پر وہی احکام دنیویہ ہیں اُن کا ترکہ باثانہ جائے گا اُن کی ازواج پر عدت نہیں وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے ہیں بلکہ سیدی محمد بن عبدالباقی زرقانی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔“ [ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ سوم: ۲۷۶]

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ: ”انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر ایک آن کو محض تصدیق وعدۃ الہیہ کے لیے موت طاری ہوتی ہے بعد اس کے پھر ان کو حیات حقیقی حسی دنیاوی عطا ہوتی ہے۔“

[ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ چہارم: ۳۸۰]

اعلیٰ حضرت صاحب یہ بھی لکھتے ہیں:

”انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام حیات وممات ہر حالت میں طیب و طاہر ہیں بلکہ اُن کے لیے موت محض آنی تصدیق وعدۃ الہیہ کے لیے ہے پھر وہ ہمیشہ حیات حقیقی دنیاوی روحانی وجسمانی کے

(۱) احمد رضا خان قادری بن مولانا نقی علی خان بن مولانا رضا علی خان بن مولانا حافظ کاظم علی خان فاضل بریلوی ہندوستان کے بہت بڑے عالم دین تبحر فاضل بلند پایہ صوفی اور شاعر تھے۔ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ = ۱۳ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی ”اتر پردیش“ کے محلہ جوسلی میں پیدا ہوئے۔ دادا نے احمد رضا نام رکھا جس میں مولانا نے عبدالمصطفیٰ کا اضافہ کیا۔ اعلیٰ حضرت اور فاضل بریلوی کے نام سے مشہور ہیں۔ بریلوی مسلک کے بانی مہمانی ہیں۔ ان گنت کتابیں لکھیں۔ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ = ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو وفات پائی۔ [شاہ کار انسائیکلو پیڈیا: ۱۵۷]

ساتھ زندہ ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اسی لیے کوئی اُن کا وارث نہیں ہوتا اور اُن کی عورتوں کا کسی سے نکاح کرنا منع ہے۔“ [فتاویٰ رضویہ ۳: ۴۰۴-۴۰۷]

اس عبارت میں دو باتیں ایسی ہیں جن کا بڑا چرچا ہے:

۱- انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت کا تقسیم نہ ہونا

۲- امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن سے کسی اور کا نکاح منع ہونا

لیکن یہ محض گلو خلاصی ہے اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث کا تقسیم نہ ہونا یا امہات المؤمنین سے کسی اور کا نکاح نادرست ہونا حیات دنیوی کی دلیل نہیں اس لیے کہ قرآن مجید کی تصریح کے مطابق شہداء بھی زندہ ہیں حالانکہ اُن کی میراث بھی تقسیم کی جاتی ہے اور عدت گزرنے کے بعد اُن کی عورتیں نکاح بھی کر سکتی ہیں اور رہے انبیاء کرام علیہم السلام سو اُن کے بارے میں

حدیث میں وارد ہے: إنا معاشر الأنبياء لا نورث ما تركنا صدقة: ۱۸۳

صحیح بخاری، حدیث: ۳۰۹۳، کتاب فرض الخمس [۵۷] باب فرض الخمس [۱]، حدیث: ۳۷۱۱، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ [۶۲] باب مناقب قرابتہ رسول اللہ ﷺ [۱۲]، حدیث: ۴۰۳۶، کتاب المغازی [۶۳] باب حدیث بنی النضر [۱۳]، حدیث: ۴۲۳۰-۴۲۳۱، کتاب المغازی [۶۳] باب غزوة خیبر [۳۹]، حدیث: ۲۷۲۶، کتاب الفرائض [۸۵] باب قول النبی ﷺ: لا نورث ما تركنا صدقة [۳]، صحیح مسلم، حدیث ۱۷۵۸، کتاب الجہاد والسير [۳۲] باب قول النبی ﷺ: لا نورث ما تركنا صدقة [۱۶]

”ہم گروہ انبیاء میراث نہیں چھوڑتے ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔“

اور ازواج مطہرات کے بارے میں قرآن مجید کا حکم ہے:

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ. [سورة الاحزاب ۳۳: ۶]

”اور نبی کا حق مؤمنوں پر خود اُن کے مقابل میں اولیٰ ہے اور ازواج نبی کی حیثیت سے مؤمنین کی ماؤں کی ہے۔“

اور یہ بھی ارشادِ باری ہے: وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا. [سورة الاحزاب ۳۳: ۵۳]

”اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم اُس کی

بیویوں سے کبھی اس کے بعد نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین باتیں ہیں۔“
حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں:

لَٰكِنْ رَّسُولُ اللَّهِ خُصَّ نِسَاؤُهُ بِخَصِيصَةٍ عَنْ سَائِرِ النِّسَوَانِ
خَيْرٌ بَيْنَ رَّسُولِهِ وَسِوَاهُ فَأَخَذَ تَرَى الرَّسُولَ لِصَحَّةِ الْإِيمَانِ
شَكَرَ إِلَٰهَهُ لَهْنٌ ذَاكَ وَرَبَّنَا سُبْحَانَهُ لِلْعَبْدِ ذُو شُكْرٍ
قَصُرَ الرَّسُولُ عَلَى أَوْلَٰئِكَ رَحْمَةً مِنْهُ بِهِمْ وَشُكْرَ ذِي الْإِحْسَانِ
وَكَذَاكَ أَيْضًا قَصُرْهُمْ عَلَيْهِ مَعَ لَوْمْ بِلَا شَكٍّ وَ لَا حُسْبَانِ
فَلِذَا حَرُمْنَ عَلَى سِوَاهُ بَعْدَهُ إِذْ ذَاكَ صَوْنًا عَنْ فِرَاشِ ثَانِ

[الكافية الشافية في الانتصار للفرقة الناجية المعروف بالقصيدة النونية: ۱۴۳]

”رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو دوسری ساری عورتوں سے اس [نکاح کے سلسلہ] میں امتیاز اور خصوصیت حاصل ہے اس لیے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ اور دوسرے لوگوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا تو انہوں نے صحیح الایمان ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو ترجیح دی جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے۔ جو بندوں کو ان کے اعمال کا بہتر بدلہ دینے والا ہے۔ یہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ انہی ازواج مطہرات پر اکتفا کریں اور اسی وجہ سے آپ ﷺ کے بعد اوروں پر انہیں حرام قرار دیا گیا اور دوسروں کے بستروں سے اُن کو بچالیا گیا۔“

حیاتِ انبیاء علیہم السلام سے متعلق ضعیف روایات

[۱] امام بیہقیؒ نے اس سلسلے میں پہلی حدیث یہ پیش کی ہے: سیدنا انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے:

الأنبياءُ أحياءُ في قبورهم يصلون. [حياة الأنبياء علیہم السلام بعد وفاتهم: ۷۰]

”انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔“

اس روایت کو محدث بزارؒ [وفات: ۲۹۴ھ] امام ابویعلیٰؒ [وفات: ۳۰۷ھ] اور حافظ ابن عدیؒ [وفات:

۳۶۵ھ] نے نقل کیا ہے۔

محدث بزارؒ اور حافظ ابن عدیؒ کی سند اس طرح ہے: حسن بن قتیبہ مدائنیؒ از مستلم بن سعید ثقفیؒ از حجاج بن اسودؒ از ثابت بنانیؒ از سیدنا انسؓ مرفوعاً۔

[مسند البزار ۱۳: ۶۲، حدیث: ۶۳۹۱، الکامل فی ضعفاء الرجال ۳: ۱۷۳]

یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے کہ اس کا ایک راوی حسن بن قتیبہ مدائنیؒ ہے جس کے بارے میں

حافظ ابن عدیؒ کی رائے قدرے اچھی ہے جو لکھتے ہیں: لا بأس به ہے۔ [الکامل ۳: ۱۷۴]

لیکن حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: قلت: بل هو هالك. [میزان الاعتدال ۱: ۵۱۹، ترجمہ: ۱۹۳۳]

”میں [حافظ ذہبیؒ] کہتا ہوں: نہیں [بلکہ وہ تو ہالک ہے]۔“

آگے لکھتے ہیں: امام دارقطنیؒ کہتے ہیں: متروک الحدیث تھا۔ امام ابو حاتمؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔

امام ازدیؒ کہتے ہیں: حدیث کے معاملے میں وہابی [کمزور] ہے اور امام عقیلیؒ کہتے ہیں: کثیر الوہم

تھا۔ [میزان الاعتدال ۱: ۵۱۹، ترجمہ: ۱۹۳۳]

جب کہ امام ابویعلیٰؒ کی سند اس طرح ہے: یحییٰ بن ابی کثیرؒ از مستلم بن سعیدؒ از حجاجؒ از ثابت بنانیؒ

از سیدنا انسؓ مرفوعاً۔ [مسند ابی یعلیٰ ۶: ۱۴۷، حدیث: ۳۴۲۵]

یہ حدیث منکر ہے اس لیے کہ اس کا راوی یحییٰ بن ابی کثیرؒ کا استاذ مستلم بن سعیدؒ صدوق و عابد تھا (۱)

(۱) شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ نے تقریب: ۳۸۸ کا حوالہ دے کر لکھا ہے: حافظ ابن حجرؒ ان

کو صدوق کہتے ہیں۔ [تسکین الصدور: ۲۱۲] چونکہ ربما وہم ”بارہاد ہم کا شکار ہوئے“ کے الفاظ محترم کے لیے

مضرتھے اس لیے ان الفاظ کو لکھنے سے گریز کیا۔ عافاہ اللہ و یتاناً۔

اور بار بار وہم کا شکار ہوا۔ [تقریب العہد یب: ۵۵۶: ترجمہ: ۶۵۹۰]

امام بیہقی نے اسے مؤمل بن اسماعیل قرشی کی سند کے ساتھ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی نقل کیا

ہے۔ [حیۃ الانبیاء علیہم السلام بعد وفاتہم: ۷۳]

لیکن یہ روایت بھی چنداں معتبر نہیں اس لیے کہ:

— اس کا راوی مؤمل [بوزن محمد] بن اسماعیل قرشی صدوق ہونے کے ساتھ ساتھ سببی الحفظ

[خراب حافظے والا] تھا۔ [تقریب العہد یب: ۵۸۳: ترجمہ: ۷۰۲۹]

— اس روایت میں مؤمل بن اسماعیل قرشی کا استاذ عبید اللہ بن ابی حمید ہڈی ہے جو متروک الحدیث

ہے۔ [تقریب العہد یب: ۴۰۲: ترجمہ: ۳۲۸۵]

حافظ ابن قیمؒ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَحَدِيثُ ذِكْرِ حَيَاتِهِمْ بِقُبُورِهِمْ لَمَّا يَصْحُ وَ ظَاهِرُ النُّكْرَانِ
فَانْظُرْ إِلَى الْإِسْنَادِ تَعْرِفْ حَالَهُ إِنَّ كُنْتَ ذَا عِلْمٍ بِهَذَا الشَّانِ

[القصيدۃ النونية: ۱۴۵]

”قبروں میں انبیاء کرام علیہم السلام کی [دنیاوی] زندگی والی حدیث ہر گز صحیح نہیں ہے بلکہ ظاہر باہر منکر ہے۔ تو اس کی سند میں غور و فکر کرو تم اس کی حیثیت جان لو گے، اگر تو اس فن [اسماء رجال] کے شہ سواروں میں سے ہو۔“

حافظ ذہبیؒ نے بھی حسن بن قتیبہ کی ضعیف روایات میں یہی روایت بطور مثال پیش کی ہے۔

[میزان الاعتدال: ۵۱۸: ۱ ترجمہ: ۱۹۳۳]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: حجاج بن الأسود نکرۃ، ماروی عنہ فیما أعلم سوی

مستلم بن سعید فأتی بخبر منکر عنه عن أنس فی: أن الأنبياء أحياء فی قبورهم یصلون،

رواہ البیہقی. [لسان المیزان: ۷۵: ۲ ترجمہ: ۷۸۷]

”حجاج بن اسود ان جانار اوی ہے۔ مستلم بن سعید کے علاوہ کسی اور نے اس سے روایت نہیں لی

نے ان انبیاء أحياء فی قبورهم یصلون والی منکر روایت نقل کی ہے جسے بیہقی نے اس کی

سند سے ذکر کیا ہے۔“

[۲] امام بیہقیؒ لکھتے ہیں: وروی کما أخبرنا أبو عبد اللہ الحافظ ثنا أحمد بن علي الحسنوي عن أنس ؓ عن النبي ﷺ قال: إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَا يَتْرَكُونَ فِي قُبُورِهِمْ بَعْدَ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً وَ

لكنهم يصلون بين يدي الله عز وجل حتى ينفخ في الصور. [حياة الأنبياء: ۷۵]

”یہ روایت بھی بیان کی گئی ہے جیسا کہ ہمیں حافظ ابو عبد اللہ نے ابو حامد احمد بن علی حسوی سے اُس نے ابو عبد اللہ محمد بن عباس حمصی سے اُس نے ابو یزید زہرائی سے اُس نے اسماعیل بن طلحہ بن یزید سے اُس نے محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے اُس نے ثابت بنانی سے اور اُس نے سیدنا انس ؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ: انبیاء علیہم السلام کو چالیسویں رات کے بعد اُن کی قبروں میں چھوڑا نہیں جاتا مگر وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو کر نفل صورت تک نماز پڑھتے ہیں۔“

یہ روایت موضوع ہے اس لیے کہ:

— اس کا راوی ابو حامد احمد بن علی حسوی قابلِ اعتماد راوی نہیں جو امام حاکم کے استاذ ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ اُس نے ایسے راویوں سے بھی حدیثیں نقل کی ہیں جن سے اُس کی ملاقات ہی نہیں ہوئی جیسے امام مسلم اور دوسرے قداماء۔ [میزان الاعتدال: ۱۲۱:۱ ترجمہ: ۳۷۶]

اور امام حاکم کے حوالے سے اس کے بارے میں لکھا ہے:

لو اقتصر على سماعاته الصحيحة كان أولى به، حَدَّثَ عَنْ جَمَاعَةٍ أَشْهَدُ بِاللَّهِ أَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُمْ. [میزان الاعتدال: ۱۲۱:۱ ترجمہ: ۳۷۶]

”اس کے لیے اپنی صحیح روایات پر اکتفا کرنا زیادہ مناسب تھا، میں اللہ تعالیٰ کو اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ اُس نے ایسے راویوں سے بھی روایتیں نقل کی ہیں جن سے اُس نے حدیث نہیں سنی۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام حاکم کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کی روایت ناقابلِ استدلال اور ناقابلِ احتجاج ہوتی ہے اور حافظ ابو زرعہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ راوی کذاب ہے۔

[لسان المیزان: ۲۲۳:۱ ترجمہ: ۲۹۶]

— اس کا ایک راوی محمد بن عباس حمصی ہے جس کا کتب اسماء الرجال میں کوئی نام و نشان نہیں۔

اس کا ایک راوی محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ہے جو صدوق اور شدید سوع حفظ کا شکار تھے۔

[تقریب التہذیب: ۵۲۳ ترجمہ: ۶۰۸۱]

[۳] امام بیہقیؒ لکھتے ہیں زوی سفیان الثوری فی الجامع فقال: قال شیخ لنا عن سعید

ابن المسیب قال: مامکت نبی فی قبرہ اکثر من أربعین لیلة حتی یرفع.

[حیاء الانبیاء بعد وفاتهم: ۷۶]

”سفیان ثوریؒ“ (۱) نے جامع میں روایت بیان کی ہے کہ ہمیں ہمارے ایک شیخ نے سعید بن مسیبؒ کے حوالے سے یہ روایت سنائی کہ کوئی نبی اپنی قبر میں چالیس رات سے زیادہ نہیں رکھا جاتا مگر انہیں اوپر اٹھا لیا جاتا ہے۔“

یہ روایت اس لیے ضعیف ہے کہ اس میں سفیان ثوریؒ کے استاذ کا نام مذکور نہیں۔ اب یہ کیسے معلوم ہو کہ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ پھر سعید بن مسیبؒ تابعی ہیں وہ بھی آگے کا سلسلہ نہیں بتاتے کہ یہ روایت انہوں نے کسی تابعی سے سنی یا صحابی سے اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے۔

[۴] ما من نبی یموت فیقیم فی قبرہ إلا أربعین صباحاً حتی تردّٰہ روحہ و مررت

بموسیٰ لیلة أسری بی و هو قائم فی قبرہ بین غائلة و جرحم.

[مسند الشامیین: ۱۹۶: ۱ حدیث: ۳۴۱-۳۴۲] ۲۲۰: ۲ حدیث: ۱۶۱۴-۱۶۱۵ [۸] حلیۃ الاولیاء: ۸: ۳۳۳]

”ہر ایک نبی وفات ہونے کے بعد چالیس روز تک اپنی قبر میں مقیم رہتے ہیں پھر انہیں اُن کی روح لوٹا دی جاتی ہے میں اسراء کی رات موسیٰ علیہ السلام کے قریب گزرا جو اپنی قبر میں غائلہ اور جرحم کے درمیان قیام کیے ہوئے تھے۔“

مَرَزْتُ بِمُوسَى لَيْلَةَ أُسْرِي بِي وَهُوَ قَائِمٌ فِي قَبْرِهِ كَعَلَاوَهٍ يَهْدِي رِوَايَتُ مَوْضُوعٌ هُوَ اس لیے

(۱) سفیان بن سعید بن مسروق ثوری ابو عبد اللہ کوفہ میں ۹۷ھ = ۷۱۶ء کو پیدا ہوئے وہیں پلے بڑھے۔ بصرہ میں ۱۶۱ھ = ۷۷۸ء کو وفات پائی۔ مضر کے مشہور قبیلہ عبد مناتہ کی شاخ بنی ثور سے تعلق تھا۔ امیر المؤمنین فی الحدیث تھے۔ علوم دینیہ اور فتویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ منصور نے انہیں قضاء کا عہدہ پیش کیا تھا مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ [وفیات الاعیان: ۲۸۶: ۲ تاریخ بغداد: ۹: ۱۵۱ تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۲۰۳ اعلام: ۳: ۱۰۴]

کہ اس کا راوی حسن بن یحییٰ اشعی ہے جس کے بارے میں امام ابن حبان کہتے ہیں: شدید منکر الحدیث ہے۔ ثقہ راویوں کے نام سے بے اصل روایتیں نقل کرتا ہے اس لیے چھوڑ دینے کا مستحق ہے۔ [المجروحین: ۲۸۵: ۱ ترجمہ: ۲۱۳]

امام ابن ابی حاتمؒ کہتے ہیں: صدوق اور سنی الحفظ [خراب حافظے والا] تھا۔ [المجروح والتعدیل: ۳: ۲۳: ۳ ترجمہ: ۱۸۶]

امام دارقطنیؒ لکھتے ہیں: متروک ہے۔ [الضعفاء والمتروکین: ترجمہ: ۱۹۰]

جافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ، امام ابن حبانؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: یہ روایت باطل اور موضوع ہے۔ [میزان الاعتدال: ۱: ۵۲۵: ۱ ترجمہ: ۱۹۵۸: ۲: ۲۹۶: ۲ ترجمہ: ۱۳۶۶]

[۵] امام فخر الدین رازیؒ (۱) لکھتے ہیں: قال عطاء عن ابن عباسؓ: لما أسري به ﷺ إلى المسجد الأقصى بعث الله له آدم ﷺ وجميع المرسلين من ولده فأذن جبريل ﷺ ثم أقام فقال: يا محمد ﷺ! تقدم فصل بهم فلما فرغ رسول الله ﷺ من الصلاة قال له جبريل ﷺ: وأسال يا محمد ﷺ [مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا فَقَالَ ﷺ: لَا أَسْأَلُ لِأَنِّي لَسْتُ شَاكَا فِيهِ. [التفسير الكبير: ۹: ۶۳۵، بذيل تفسير سورة الزخرف: ۴۳: ۴۵]

”عطاء، سیدنا ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو مسجد اقصیٰ لے جایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم ﷺ اور تمام انبیاء کو جو ان کی اولاد میں سے تھے سب کو جمع کیا جس کے بعد سیدنا جبریل ﷺ نے اذان اور اقامت فرمائی، جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو سیدنا جبریل ﷺ نے آپ ﷺ سے فرمایا: جن کو آپ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے ان سے پوچھئے، جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: میں ان سے کچھ نہیں پوچھوں گا اس لیے کہ مجھے اس [وحی] میں

(۱) محمد بن عمر بن حسن بن حسین تمیمی بکری ابو عبد اللہ فخر الدین رازی۔ اپنے زمانے میں معقول اور علوم اوائل کے بہت بڑے عالم تھے۔ طبرستان سے تعلق تھا۔ ”رے“ میں ۵۴۳ھ = ۱۱۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ ہرات میں ۶۰۶ھ = ۱۲۱۰ء کو وفات ہوئے۔ اُن کا سبب وفات یہ بیان کیا گیا ہے کہ فرقہ کرامیہ اور آپ کے درمیان عرصہ دراز سے نزاع وجدال پیا تھی۔ آپ اُن کو برا بھلا کہتے اور اُن کی تکفیر کرتے ہیں اور وہ آپ کی توہین کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے آپ کو زہر دے کر نجات حاصل کی۔ [وفیات الاعیان: ۴: ۲۴۸، الاعلام: ۶: ۳۱۳]

کوئی شک نہیں۔“

یہ روایت شدید ضعیف ہے اس لیے کہ اس کا راوی عطاء بن ابی مسلم خراسانی اگرچہ فی نفسہ ثقہ تھے لیکن سیدنا ابن عباس سے ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ [تہذیب الکمال ۱۱۰:۲۰، سیر اعلام النبلاء ۶: ۱۴۰] رہی آیت کریمہ: **وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا جَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ** [سورۃ الزخرف ۲۳: ۲۵] کا مفہوم سوا اس میں مشرکین کے اس دعویٰ کی تردید ہے کہ جن کو وہ پوجتے ہیں اُن کی عبادت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے معلوم کرنے کا ذریعہ اُس کے رسول ہیں تو جو رسول تم سے پہلے آئے ہیں اُن سے معلوم کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کچھ دوسرے معبود بھی عبادت کے حق دار ٹھہرائے ہیں؟

وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا ایک بلیغ اسلوب کلام ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں رسل سے مراد اُن کے صحیفے اور اُن کی تعلیمات ہیں جو اُن کی دعوت کے ترجمان ہیں۔ کلام کا یہ اسلوب پچھلے صحیفوں میں اکثر استعمال ہوا ہے اور اعلیٰ خطیبوں کے خطبات میں بھی اس کی نہایت بلیغ قسمیں ہیں۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ^(۱) لکھتے ہیں: ”تو آپ اُن سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجیے [یعنی: ان کی کتب و صحف سے جن کا بقیہ موجود ہے تحقیق کر لیجیے] کہ کیا ہم نے خدائے رحمان کے سوا [کبھی بھی] دوسرے معبود ڈھہرایے تھے کہ اُن کی عبادت کی جائے؟ یہ اوروں کو سنانا منظور ہے کہ جس کا جی چاہے تحقیق کر لے اور کتابوں میں دیکھنے کو رسولوں سے پوچھنا مجاز کہہ دیا، کذا فی المدارک جیسے ہمارا بھی محاورہ ہے کہ کسی مسئلہ طبعیہ مختلف فیہا کو مختلف کتابوں میں دیکھا ہو پھر کہتے ہیں: آؤ بھی! شیخ بوعلی سینا سے پوچھیں وہ کیا کہتا ہے اور یہ کہہ کر قانون شیخ کو دیکھنے لگیں۔“ [بیان القرآن ۹۵۰]

(۱) اشرف علی بن عبدالحق فاروقی، ۱۲۸۰ھ = ۱۸۶۳ء کو ہندوستان میں تھانہ بھون [خلع مظفرنگر] میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم میرٹھ میں ہوئی۔ اول اول قرآن مجید کو حفظ کیا۔ عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں تھانہ بھون میں پڑھیں، یوہند میں باقی درسیات کی تکمیل کی۔ ۱۳۰۱ھ = ۱۸۸۴ء کو سند فضیلت حاصل کی اسی سال حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے اور حاجی امداد اللہ مہاجر کی سے بیعت کی۔ ۱۳۶۲ھ = ۱۹۴۳ء کو وفات پائی۔
[شاہ کار اسلامی انسائیکلو پیڈیا: ۲۲۷]

قبر نبوی ﷺ سے اذان و اقامت کی آواز سنائی دینا

ابو نعیم، سعید بن مسیب^(۱) سے روایت کرتے ہیں کہ جن ایام میں واقعہ حرہ پیش آیا مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی تنفس نہ تھا ان ایام میں جب نماز کا وقت آجاتا تو میں قبر مبارک سے اذان کو سنتا اس کے مطابق نماز ادا کرتا۔ تین دن تک مسجد نبوی میں نماز نہیں ہوئی میں قبر مبارک سے اذان کی آواز سن کر نماز پڑھتا تھا۔ زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۲۔ [اظہار الحق: ۱۹۴]

حافظ ابو نعیم کی کتاب میں اس روایت کی سند اور الفاظ اس طرح ہیں:

13

حدثنا محمد بن عبد العزيز بن سهل الخشاب النيسابوري قال: ثنا إبراهيم بن إسحاق الأنماطي ثنا محمد بن سليمان لوين قال: ثنا عبد الحميد بن سليمان عن أبي حازم عن سعيد بن المسيب قال: لقد رأيتني ليالي الحرّة وما في مسجد رسول الله ﷺ غيري و ما يأتي وقت صلاة إلا سمعت الأذان من القبر ثم أتقدم فأقيم وأصلي وإن أهل الشام يدخلون المسجد زمراً فيقولون: أنظروا إلى الشيخ المجنون.

[سنن الدارمی: ۵۷: ۱ مقدمہ باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ ﷺ بعد موتہ [۱۵] رقم: ۹۳، دلائل النبوة: ۵۶۷: ۱ رقم: ۵۱۰، طبقات ابن سعد: ۵: ۱۳۲، تاریخ ابن خلیثمہ: ۲: ۱۱۹-۱۲۰، رقم: ۲۰۱۱، کرامات اولیاء اللہ عز وجل لا کا کافی، ضمن شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ: ۲: ۲۲۴، رقم: ۱۲۶، سیر اعلام النبلاء: ۴: ۲۲۸، تاریخ اسلام ذہبی: ۶: ۳۷۵]

امام دارمی نے باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ ﷺ بعد موتہ میں حافظ ابو نعیم نے دلائل النبوة میں اور علامہ لا کا کافی نے کرامات اولیاء اللہ عز وجل میں اس روایت کو اس لیے درج کیا ہے کہ اس سے نبوت کے دلائل و معجزات یا اولیاء کرام کی کرامت کا استنباط کیا جاسکے۔ ہر باہوش عالم جانتا ہے کہ معجزہ معجزہ ہوتا ہے اور کرامت کرامت ہوتی ہے یہ کوئی ایسا عام قانون نہیں جس سے کسی اور مسئلے کا استنباط و اخراج کیا جاسکے۔

(۱) سعید بن مسیب بن حنّ بن ابی وہب ۱۳ھ = ۶۳۴ء کو پیدا ہوئے۔ جلیل القدر تابعی ہیں۔ مدینہ منورہ کے سات بڑے فقہاء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ محدث، فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔ زیتون کی تجارت کر کے اس کی آمدنی سے اپنا پیٹ پالتے تھے اور کسی سے کسی قسم کا کوئی وظیفہ نہیں لیتے تھے۔ سیدنا عمرؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ ۹۴ھ = ۷۱۳ء کو وفات پائی۔ [طبقات ابن سعد: ۵: ۱۱۹، اعلام: ۲: ۱۰۲]

البصائر کا خاتمہ

البصائر کا خاتمہ چند مباحث پر مشتمل ہے۔

پہلی بحث: بدعت کی تعریف

مولانا احمد اللہ صاحب یہ عنوان قائم کر کے پہلے تو بدعت کی تعریف کرتے ہیں اور پھر بتاتے ہیں کہ بدعت کی کئی قسمیں ہیں:

— بعض بدعات واجب ہوتی ہیں، مثلاً باطل اور گمراہ فرقوں کے خلاف دلائل جمع کرنا

— بعض بدعات مستحب ہوتی ہیں، مثلاً مدارس بنانا

— بعض بدعات مکروہ ہوتی ہیں، مثلاً مساجد اور مصاحف پر نقش و نگار

— بعض بدعات مباح ہوتی ہیں، مثلاً لذیذ کھانے کھانا اور قیمتی ملبوسات پہننا

— بعض بدعات حرام ہوتی ہیں جیسا کہ قرآن و سنت کے خلاف میں بدعت و ہوا پر مبنی مذاہب۔

اس تقسیم کے لیے انہوں نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور علامہ شامی کا نام لیا ہے اور علامہ شامی

کے حوالے سے لکھا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ [البصائر: ۱۴۳، پشاور ۱۳۷۲ء ترکی]

اس تفصیل کے بعد لکھتے ہیں: فَعَلِمَ مِنْ هَذَا التَّفْصِيلِ أَنَّ الْبَدْعَ مُطْلَقًا لَيْسَتْ بِحَرَامٍ وَلَا

ضَلَالَةٌ وَالْمُرَادُ مِنْ حَدِيثِ كُلِّ بَدْعٍ ضَلَالَةٌ أَيْ: بَدْعٌ سَيِّئٌ لَا تَرَى إِلَى قَوْلِهِ ﷺ: مَنْ

سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَكَذَا قَوْلُ عُمَرَ ﷺ: لَمَّا

جَمَعَ النَّاسُ عَلَى إِمَامٍ وَاحِدٍ: نَعِمَتِ الْبَدْعَةُ هَذِهِ. [البصائر: ۱۴۴]

”اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بدعت مطلقاً حرام اور گمراہی نہیں، بلکہ حدیثِ کل بدعت ضلالہ

سے مراد بدعتِ سیر ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ حدیث میں وارد ہے: ”جس نے اسلام میں ایک

نیک طریقہ جاری کیا تو اس کے لیے اس کا اجر ہوگا اور قیامت تک جو لوگ اس پر عمل پیرا ہوں گے

اُن کے عمل میں اُسے بھی حصہ ملے گا اور اسی طرح سیدنا عمر ؓ نے تراویح میں جب لوگوں کو ایک

امام کے پیچھے جمع کیا تو فرمایا: یہ کیا ہی اچھا نیا طریقہ ہے۔“

سور عرض ہے کہ سب سے پہلے بدعت کی تعریف سن لیجئے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

الإبداعُ إنشاءُ صنعةٍ بلا احتذاءٍ واقتداءٍ ومنه قيل: رَكِيعةٌ بَدِيعٌ أي: جديدة الحفرِ و إذا استعمل في الله تعالى فهو إيجاد الشيء بغير آله ولا مَادَّةٍ ولا زمانٍ ولا مكانٍ، وليس ذلك إلا لله..... والبدعةُ في المذهب: إيراد قول لم يَسْتَنَّ قائلها وفاعلها عليه بصاحب الشريعة وأماثلها المتقدمة وأصولها المتقنة. [المفردات: ۳۸-۳۹]

”إبداع کسی کی تقلید اور اقتداء کیے بغیر کسی چیز کو ایجاد کرنا۔ اس سے نئے کھودے ہوئے کنویں کو رَكِيعةٌ بَدِيعٌ کہا جاتا ہے۔ ابداع کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں: بغیر آلہ، بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے کسی شے کو ایجاد کرنا اور یہ معنی صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے..... اَلْبِدْعَةُ [دین میں] نئی بات پیش کرنا جس کا قائل و فاعل صاحب شریعت ﷺ کی سند نہ لاسکے اور نہ ہی شریعت کے نظائر اور اصول حکم سے اس کا ثبوت ملتا ہو۔“

علامہ مرتضیٰ زبیدی^(۱) لکھتے ہیں: کُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ: إنما يريد ما خالف أصول الشريعة ولم يُوافق السُّنَّةَ. [تاج العروس: ۵: ۲۷۱]

”کُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ والی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز اصول شریعت کے خلاف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو [وہ بدعت ہے]۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: وتُطلق في الشرع في مقابل السنة فتكون مذمومة.

[فتح الباری: ۴: ۲۱۹]

”اور شریعت میں بدعت کا اطلاق و استعمال سنت کے مقابلہ میں ہوتا ہے لہذا وہ مذموم ہی ہوگی۔“

علامہ مسعود بن عمر بن عبد اللہ قسزازی لکھتے ہیں: إن البدعة المذمومة هي: الحدّث في

(۱) محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق حسینی زبیدی ابوالفیض، مرتضیٰ لغت حدیث رجال اور انساب کے ماہر عالم اور قابل مصنف تھے۔ اصلاً واسط [عراق] سے تعلق تھا۔ ۱۱۴۵ھ = ۱۷۳۲ء کو بلگرام [ہند] میں پیدا ہوئے۔ یمن کے زبید شہر میں پلے بڑھے۔ حجاز مقدس کا سفر کیا۔ مصر میں اقامت پذیر رہے اور مصری میں ۱۲۰۵ھ = ۱۷۹۰ء کو طاعون سے وفات پائی۔ نہایت ہر دل عزیز تھے۔ [فہرست الفہار: ۱: ۳۹۸، الاعلام: ۷: ۷۰]

الدين من غير أن يكون في عهد الصحابة رضي الله عنهم والتابعين، ولا دَلَّ عليه الدليل الشرعي.
[شرح المقاصد: ۳۶۵-۳۶۶، مقصد ۶: السمعات، فصل ۳: الاسماء والاحكام، بحث ۸: حكم المؤمن والكافر]

[الفاستق]

”مذموم بدعت دین میں وہ اضافہ ہے جو صحابہ کرام رضي الله عنهم اور تابعین کے زمانہ میں نہ ہوا اور کوئی شرعی دلیل اس پر دلالت نہ کرتی ہو۔“

ان حوالوں سے شرعی بدعت کی تعریف معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شرعی بدعت مذموم ہی ہوتی ہے نہ کہ حسن۔ رہی یہ بات کہ:

- مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً بَدْعًا أَوْ جَوَابَ إِمَامٍ شَطَطِيٍّ (۱) سے سنیں: فَنُتَمَلَّوْا أَيْنَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً تَجِدُوا ذَلِكَ فِيمَنْ عَمِلَ بِمَقْتَضَى الْمَذْكُورِ عَلَى أَبْلَغِ مَا يَقْدَرُ عَلَيْهِ حَتَّى يَتْلِكَ الصِّرَافُ فَانْفَتَحَ بِسَبَبِهِ بَابُ الصَّدَقَةِ عَلَى الْوَجْهِ الْأَبْلَغِ فَتُسَرُّ بِذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى قَالَ: مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَذَلَّ عَلَى أَنَّ السَّنَةَ هَاهُنَا مِثْلُ مَا فَعَلَ ذَلِكَ الصَّحَابِيُّ وَهُوَ الْعَمَلُ بِمَآثِبَتِ كَوْنِهِ سُنَّةً. [الاعتصام: ۱۸۳]

”خوب غور و فکر کرو کہ رسول اللہ ﷺ نے مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً کو کس موقع پر ارشاد فرمایا؟ اس موقع پر جب آپ ﷺ نے اتفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی [تم دیکھو گے کہ اُس صحابی رضي الله عنه نے اپنی پوری کوشش کر کے اپنی ساری پونجی رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھی جس سے رسول اللہ ﷺ مسرور ہوئے اور یہ بات ارشاد فرمائی کہ: مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس حدیث میں سنت سے مراد اس صحابی کے عمل جیسا عمل ہے جس کا مسنون ہونا پہلے سے ثابت ہے۔“

(۱) ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد بخاری، غرناطی، اصول دین کے ماہر عالم تھے۔ حافظ تھے۔ غرناطہ [اندلس] سے تعلق تھا۔ مالکی مذہب کے ائمہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ کئی مفید اور معتبر کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۹۰ھ =

۱۳۸۵ء کو وفات پائی۔ [فہرست المہارِس: ۱۲۳، الاعلام: ۷۵]

- اور رہا یہ کہ جب سیدنا عمرؓ نے تراویح میں لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کیا تو فرمایا:
نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ بہت اچھا طریقہ ہے، سو یہ بھی لفظ بدعت کا لغوی استعمال ہے نہ کہ شرعی
اس لیے کہ شرعی بدعت تو گمراہی ہی ہوتی ہے جب کہ تراویح رسول اللہ ﷺ نے خود پڑھی ہے جسے
شرعی بدعت وہی شخص کہے گا جو مسلمان ہی نہ ہو۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ثم ذلك العمل الذي دلّ عليه الكتاب والسنة ليس بدعة في
الشريعة، وإن سمي بدعة في اللغة. [اقتضاء الصراط المستقيم ۹۶:۲]
”ایسا عمل جس پر قرآن و سنت کی دلیل موجود ہو اسے شرعی بدعت نہیں کہا جاسکتا اگرچہ لغت میں
اسے بدعت کا نام دیا جاتا ہے۔“

علماء نے بدعت کی جو پانچ قسمیں لکھی ہیں، ان کے بارے میں امام شاطبیؒ لکھتے ہیں: أن هذا
التقسيم أمرٌ مخترعٌ لا يدلُّ عليه دليلٌ شرعيٌّ بل هو في نفسه متدافعٌ لأن حقيقة البدعة
أن لا يدلَّ عليها دليلٌ شرعيٌّ، لا من نصوص الشرع ولا من قواعده، إذ لو كان هنالك ما
يدلُّ من الشرع على وجوب أو ندب أو إباحة لما كان ثم بدعة، ولكن العمل داخلاً
في عموم الأعمال المأمور بها أو المخير فيها، فالجمع بين عدّة تلك الأشياء بدعاً و
بين كون الأدلة تدلُّ على وجوبها أو ندبها أو إباحتها جمع بين متنافيين.

[الاعتصام: ۱۹۲]

”یہ تقسیم ایک امر مخترع [نیا خود ساختہ] ہے، کوئی شرعی دلیل اس پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ فی نفسہ یہ
قول کمزور ہے اس لیے کہ بدعت کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی پشت پر کوئی شرعی دلیل نہ ہو نہ شرعی
نصوص سے اور نہ شرعی قواعد سے اس لیے کہ اگر کسی چیز کے وجوب، ندب یا اباحت پر کوئی شرعی
دلیل موجود ہے تو وہ بدعت نہیں ہو سکتی اور وہ عمل مامور بہا اعمال میں داخل ہو گیا، ان اعمال میں
جن کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل ہو، پس ایک طرف یہ قول کرنا کہ یہ چیزیں بدعت ہیں
اور دوسری طرف یہ کہنا کہ [شرعی] دلائل ان کے وجوب، ندب یا اباحت پر دلالت کرتی
ہے، دو منافی اور آپس میں مخالف چیزوں کو ایک جگہ جمع کرنا ہے [یعنی اجتماع بین الضدین ہے]۔“

علامہ ابن حجر مکیؒ نے لکھا ہے: إن البدعة الشرعية ضلالة كما قال ﷺ. ومن قسمها من العلماء إلى حسن وغير حسن فإنما قسم البدعة اللغوية، ومن قال: كل بدعة ضلالة فمعناه البدعة الشرعية. [الفتاوى المردية: ۳۷۰، السؤال: ۳۰۳]

”شرعی بدعت ضلالت ہوتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جن علماء نے بدعت کو حسن اور غیر حسن میں تقسیم کیا ہے وہ لغوی بدعت ہے [نہ کہ شرعی بدعت] اور جس نے ہر بدعت کو گمراہی کہا ہے تو وہ شرعی معنوں میں [شرعی بدعت کو کہتے ہیں نہ کہ لغوی بدعت]۔“

دوسری بحث: بعض امور قرون اولیٰ میں بدعت تھے۔

پہلی مثال: تحویب

مولانا احمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: إن بعض الأمور كانت بدعة في القرون الأولى لكن للتواني في الأمور المصلحة أخرى يجوز فعلها منها التوثيق فإنه روي أن ابن مسعود ؓ دخل مسجداً فتوثب فيه فقال لتلميذه: أخرج بنا من مسجد هذا المبتدع ومع ذلك أجاز العلماء التوثيق على التواني في الأمور الدينية. [البصائر: ۱۳۵، پشاور ۱۷۵۷ء ترکی]

”بعض امور ایسے بھی ہیں جو قرون اولیٰ میں بدعت کے زمرہ میں داخل تھے لیکن دینی امور میں نرمی اور کچھ مصلحت کی وجہ سے آج اُن پر عمل پیرا ہونا جائز ہے ان میں سے ایک تحویب ہے اس لیے کہ روایت کی گئی ہے کہ سیدنا ابن مسعود ؓ ایک مسجد میں داخل ہوئے جس میں تحویب کی گئی تو آپ نے اپنے شاگرد سے فرمایا: ہمیں اس بدعت کی مسجد سے باہر لے چلو اور اس کے باوجود علماء نے امور میں رعایت اور نرمی کی خاطر تحویب کی اجازت دی ہے۔“

پہلے تحویب کے بارے میں کچھ سن لیجیے پھر مولانا صاحب کی عبارت پر تبصرہ کروں گا۔

(۱) احمد بن محمد بن علی بن حجر مکیؒ کی مصری شافعی، انصاری، سعدی، شہاب الدین، شیخ الاسلام، غربی مصر کے محدث ابو الہیتم میں ۹۰۹ھ = ۱۵۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ فقیہ اور باحث تھے۔ ازہر میں علم حاصل کیے۔ علم الفقہ میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ مکہ مکرمہ میں ۹۷۷ھ = ۱۵۶۷ء کو وفات پائی۔

۱. انوار السافر: ۳۹۰-۳۹۱، الاعلام: ۲۳۳

تغویب کے لغوی معنی اعلام بعد الاعلام کے ہیں جب کہ شریعت میں اس کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے۔ ایک: حَيَّ عَلَي الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد الصَّلَاةِ حَيَّرَ مِنَ النَّوْمِ کہنا یہ تغویب فجر کے ساتھ مخصوص ہے۔ حدیث کی کتابوں میں تغویب سے یہی مراد ہے۔

تغویب کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اذان و اقامت کے درمیان الصَّلَاةِ جَامِعَةً یَحَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ یا اسی قسم کا کوئی اور جملہ استعمال کرنا اس معنی کے لحاظ سے تغویب کو اکثر علماء نے مکروہ اور بدعت کہا ہے اس لیے کہ یہ تغویب عہد رسالت اور عہد صحابہ کرام ؓ میں ثابت نہیں۔

سیدنا ابن مسعود ؓ کی ایسی کوئی روایت حدیث کی کتابوں میں نظر سے نہیں گزری البتہ سیدنا ابن عمر ؓ کے بارے میں مجاہد سے مروی ہے: دَخَلْتُ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ مَسْجِدًا وَقَدْ أَذَّنَ فِيهِ وَنَحْنُ نَرِيدُ أَنْ نَصَلِّيَ فِيهِ فَتَوَبَّ الْمُؤَذِّنُ فَخَرَجَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ مِنَ الْمَسْجِدِ وَقَالَ: أَخْرَجَ بِنَا مِنْ عِنْدِ هَذَا الْمُبْتَدِعِ وَلَمْ يَصِلْ فِيهِ.

[سنن ترمذی ابواب الصلاۃ باب ماجاء فی التَّوْبِیْبِ فی الفجر [۱۳۵] حدیث: ۱۹۸]

”میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں داخل ہوا جہاں اذان ہو چکی تھی ہمارا ارادہ وہاں نماز پڑھنے کا تھا۔ مؤذن نے تغویب کی تو سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسجد سے نکلے اور فرمایا: ہمیں اس بدعتی کے پاس سے لے چلو اور اس [مسجد] میں نماز نہیں پڑھی۔“

امام ابوداؤد نے مجاہد ہی سے یہ روایت اِنْ الْفَاطِظُ مِثْلُ نَقْلِ کی ہے:

كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فَتَوَبَّ رَجُلٌ فِي الظُّهْرِ أَوْ الْعَصْرِ قَالَ: أَخْرَجَ بِنَا فَإِنَّ هَذِهِ بَدْعَةٌ.

[سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ [۲] باب فی التَّوْبِیْبِ [۴۵] حدیث: ۵۳۸]

”میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر کی نماز میں تغویب کی تو آپ نے فرمایا: ہمیں یہاں سے نکال لو اس لیے کہ یہ [تغویب] بدعت ہے۔“

امام سرخسی ^(۱) نے اس روایت کو مجاہد کے حوالے سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: دَخَلْتُ مَعَ ابْنِ

(۱) محمد بن احمد بن اہل ابوبکر، شمس اللائمہ قاضی اور حنفی فقیہ و مجتہد تھے۔ سرخس [خراسان] سے تعلق تھا۔ المبسوط اُن کی نہایت قیمتی تصنیف ہے جسے اوزجند [فرغانہ] کے جیل میں تہہ خانہ میں اسارت کی حالت میں املاء کروایا خاقان کو نصیحت کرنے کی پاداش میں جیل کی ہوا کھانی پڑی تھی۔ رہائی کے بعد فرغانہ میں رہائش اختیار کی۔

عمر رضی اللہ عنہما مسجداً نصلي فيه الظهر فسمع المؤذن يُثَوِّبُ فغضب وقال: قم حتى نخرج من عند هذا المبتدع، فما كان الثوب على عهد رسول اللہ ﷺ إلا في صلاة الفجر. [الموطأ: ۱۳۰-۱۳۱]

”میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں نماز ظہر پڑھنے کے لیے داخل ہوا تو انہوں نے مؤذن کو [ظہر کی اذان میں] تعویب کرتے ہوئے سنا تو غصہ ہوئے اور فرمایا: کھڑے ہو جاؤ تا کہ ہم اس مبتدع کے ہاں سے باہر چلیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تعویب صرف صبح کی اذان میں ہوا کرتی تھی۔“

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے: أن علياً رضي الله عنه رأى مؤذناً يُثَوِّبُ في العشاء فقال: أخر جوا هذا المبتدع من المسجد. [الموطأ: ۱۳۰، بحوالہ الرائق: ۲۶۱]

”سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک مؤذن کو عشاء [کی اذان] میں تعویب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اس بدعتی کو مسجد میں سے نکال باہر کرو۔“

یاد رہے کہ سیدنا ابو محمد زورۃ رضی اللہ عنہ (۲) فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے اذان کی تعلیم دی اور فرمایا: فإن كان صلاة الصبح قلت: الصلاة خير من النوم، الصلاة خير من النوم. [سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة [۲] باب كيف الاذان [۲۸] حدیث: ۵۰۰/۵۰۱]

”صبح کی نماز [کی اذان] ہو تو الصلاة خير من النوم، الصلاة خير من النوم کہو۔“

..... جہاں ۴۸۳ھ = ۱۰۹۰ء کو وفات پائی۔ [المنتظم ۵۲: ۹، الاعلام ۵: ۳۱۵]

(۱) سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہاشمی قرشی نبی ﷺ کے چچازاد اور داماد تھے۔ چوتھے خلیفہ راشد سائبون اولون اور عشرۃ مبشرۃ میں سے ہیں۔ مکہ معظمہ میں ۲۳ ق ھ = ۶۰۰ء کو پیدا ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے سایہ عاطفت میں پلے بڑھے۔ ۳۵ھ کو خلیفہ منتخب ہوئے۔ ۷ رمضان ۴۰ھ = ۶۶۱ء کو شہادت پائی۔

[الاستیعاب: ۵۲، ترجمہ: ۱۸۶۶، الاعلام ۴: ۲۹۵]

(۲) اوس بن معمر الجمحی ابو محمد زورۃ قرشی۔ رسول اکرم ﷺ کے مؤذن تھے۔ اُن کی والدہ: بنو خزاعہ سے تھیں۔ غزوہ حنین کے بعد اسلام قبول کیا۔ مکہ مکرمہ میں اذان دیتے رہے۔ ۵۹ھ = ۶۷۹ء کو وفات پائی۔

[اسد الغابہ: ۵: ۲۱۵، ترجمہ: ۶۲۳۲، الاعلام ۲: ۳۱]

اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

لَا تَتَوَبَّنْ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ إِلَّا فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ.

[سنن ترمذی، ابواب الصلوة، باب ما جاء في التَّوْبِ فِي الْفَجْرِ، [۱۳۵] حدیث: [۱۹۸]

”فجر کی نماز [کی اذان] کے علاوہ کسی اور نماز [کی اذان] میں توبہ [الصلوة خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ] نہ کہنا۔“
اس سے معلوم ہوا کہ احادیث میں صبح کے اذان میں پڑھی جانے والی الصلوة خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ کو توبہ کہا گیا ہے جسے اگر آج صبح کی اذان کے علاوہ کسی دوسرے وقت کی اذان میں پڑھا جائے تو یقیناً بدعت ہوگی۔

مولوی صاحب نے ایک غیر متعلقہ حدیث کو دینی امور میں نرمی برتنے کا ثبوت مہیا کرنے کی دلیل کے طور پر پیش کی ہے جس سے جوازِ بدعت کی گنجائش نکل آتی ہے اور جو اس بات کی ہرگز دلیل نہیں کہ بعض کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں تو بدعت تھے اور آج وہ کام بدعت کے زمرہ سے نکل کر جواز و اباحت کے زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔

مولوی صاحب نے صاحبِ ہدایہ اور دوسرے فقہاء کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

ومزيد تفصيل الثوب في الرسالة المسماة بالتحقيق العجيب في مسألة الثوب

لمولانا عبدالحی نور اللہ مرقدہ. [البصائر: ۱۳۵، پشاور، ۱۹۷۶ء ترکی]

”توبہ کی مزید تفصیل مولانا عبدالحی^(۱) کے رسالہ التَّحْقِيقُ الْعَجِيبُ فِي مَسْئَلَةِ التَّوْبِ میں دیکھی جاسکتی ہے۔“

معلوم نہیں مولانا صاحب نے مذکورہ رسالہ خود پڑھا بھی ہے یا نہیں۔ میں آپ کے سامنے اس رسالہ کی چیدہ چیدہ باتیں رکھتا ہوں۔

(۱) عبدالحی بن عبدالحلیم بن امین اللہ ابوالحسنات، فرنگی محلی، موضع باندہ میں ۱۲۶۴ھ = ۱۸۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں علومِ دینیہ کے حصول سے فارغ ہو گئے۔ حدیث اور فقہ حنفی کے جید عالم تھے۔ اصول و فروع میں حنفی ہونے کے باوجود مذہب کے معاملہ میں غیر متعصب اور دلیل کے پیچھے پیچھے چلنے والے تھے۔ ۱۳۰۴ھ =

۱۸۸۶ء کو وفات پائی۔ [نزہۃ الخواطر: ۲۵۲، تذکرہ علمائے ہند: ۲۸۶]

[۱] مولانا عبدالحی صاحبؒ نے تھویب کے اطلاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اقامت کو بھی تھویب کہا جاتا ہے اس کے لیے انہوں نے صحیح بخاری کی روایت: حتیٰ إذا تَوَبَّ للصلاة كوزر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: والشاهد على أن المراد بالتثويب الإقامة رواية مسلم: فإذا سمع الإقامة فإِن الروایات بعضها يفسر بعضاً. [التحقيق العجيب: ۴]

”اس کا شاہد و دلیل کہ [احادیث میں] تھویب سے مراد اقامت ہے صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ جب [شیطان] اقامت سے تو پیٹھ پھیر لیتا ہے اس لیے کہ روایتیں ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔“

پھر فرمایا ہے کہ صبح کی اذان میں الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ کو بھی تھویب کہا جاتا ہے جس کے لیے انہوں نے شرح معانی الآثار اور سنن ترمذی کی روایات سے استدلال فرمایا ہے۔

پھر انہوں نے بدعتی تھویب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: وقال إسحاق في التثويب غير هذا: إنه شيء أحدثه الناس بعد رسول الله ﷺ إذا أَدَّكَ المؤذن واستبطأ القوم قال المؤذن بين الأذان والإقامة: قد قامت الصلاة، حي على الصلاة، حي على الفلاح، وهذا الذي قاله إسحاق هو التثويب الذي كرهه أهل العلم. [التحقيق العجيب: ۴]

”اسحاق [بن راہویہ] (۱) نے تھویب کے بارے میں دوسری بات کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ تھویب بدعت ہے جسے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے بعد ایجاد کر ڈالا جس کا طریقہ یہ ہے کہ اذان ہو جانے کے بعد جب لوگ مسجد آنے میں سست روی کا مظاہرہ کریں تو مؤذن اذان اور اقامت کے درمیان قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ پڑھتا ہے اور اسی تھویب کو علماء نے مکروہ کہا ہے۔“

(۱) اسحاق بن ابراہیم بن خالد حنظلی تمیمی مروزی ابو یعقوب ابن راہویہ اپنے زمانے میں خراسان کے بہت بڑے عالم تھے۔ ۱۶۱ھ = ۷۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ کبار حفاظ حدیث میں سے تھے۔ امام بخاری امام نسائی اور امام ترمذی جیسے اساطین علم نے اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے چونکہ اُن کے والد کی ولادت دوران سفر ہوئی تھی اسی لیے راہویہ کہلائے۔ نیشاپور میں ۲۳۸ھ = ۸۵۳ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان: ۱، ۱۹۹، الاعلام: ۲۹۲]

ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مولانا محمد اللہ صاحب کا دعویٰ تو یہ ہے کہ تحویب قرون مشہود ہاں الخیر میں بدعت تھا مگر بعد کے زمانوں میں بدعت نہیں رہا جب کہ مولانا عبدالحی صاحب کہتے ہیں کہ تحویب (فجر کی اذان میں الصلاۃ خیر من النوم کہنا اور اقامت) سنت ہے اور بعد کے لوگوں نے اذان و اقامت کے درمیان تحویب شروع کی جو مکروہ ہے۔

اس کے بعد مولانا عبدالحی صاحب نے بعض علمائے احناف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شروع شروع میں الصلاۃ خیر من النوم اذان فجر کے بعد پڑھا جاتا تھا اور امام ابو حنیفہ کو منسوب کر کے لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ الصلاۃ خیر من النوم اذان کے بعد ہے نہ کہ اذان کے اندر اور فخر الاسلام بزدوی^(۱) کے حوالے سے اس کی تصحیح نقل کر کے اس پر استدراک کرتے ہوئے لکھا ہے: قلت: کیف یکون الصحيح کونه بعد الأذان مع ورود الأحادیث بخلافه.

[التحقیق العجیب: ۵]

”میں کہتا ہوں: یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ اذان کے بعد ہوں حالانکہ اس کے خلاف احادیث وارد ہیں [کہ ان کلمات کو اذان کے درمیان میں پڑھا جاتا تھا]۔“

آگے لکھتے ہیں: وروی الطحاوی عن ابن عمر قال: کان فی الأذان الأول بعد حی علی الفلاح: الصلاۃ خیر من النوم، وقال الطحاوی: فهذا ابن عمر وأنس یخبر أن ذلك مما کان المؤذن یؤذن فی أذان الصبح، فثبت بذلك ما ذکرنا من أن الصلاۃ خیر من النوم فی الأذان، وهو قول أبي حنیفة ومحمد وأبی یوسف. [التحقیق العجیب: ۶]

”امام طحاوی نے [شرح معانی الآثار: ۱۳۷] سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ پہلی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلاۃ خیر من النوم موجود تھا۔ امام طحاوی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: سیدنا ابن عمر اور سیدنا انس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فجر کی اذان میں الصلاۃ خیر من النوم پڑھا جاتا تھا جس سے ثابت ہوا کہ الصلاۃ خیر من النوم صبح کی اذان ہی میں تھا اور یہی امام

(۱) علی بن محمد بن حسین بن عبد الکریم ابو الحسن فخر الاسلام بزدوی ۴۰۰ھ = ۱۰۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ سر قند کے رہائشی اور اکابرین احناف میں سے تھے۔ نصف کے قریب ایک قطعہ بزدہ کی نسبت سے بزدوی کہلائے ۴۸۲ھ

۱۰۸۹ء کو وفات پائی۔ [الجواہر النہیة: ۱۷۳، القواعد النہیة: ۲۰۹، ترجمہ: ۲۶۷، الاعلام: ۴: ۳۲۸]

ابو حنیفہؒ ”امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے بھی فرمایا ہے۔“

مولانا عبدالحی صاحبؒ آگے لکھتے ہیں: ”فقہاء نے جس تعویب کا ذکر کیا ہے وہ قدیم زمانے میں نہیں تھا نہ تو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اس کا وجود تھا اور نہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں جیسا کہ امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے۔“ [التحقیق العجیب: ۹-۱۰]

مولانا عبدالحی صاحبؒ اپنے رسالہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

إذا عرفت هذا فنقول: التثویب بین الأذان والإقامة قد حدث في زمان الصحابة ووقع عليه منهم النكیر والاستقباح، منهم ابن عمر، كما مر من رواية أبي داود عن مجاهد، ومنهم عمر كما مر من رواية ابن أبي شيبة، ومنهم علي كما صرح به العيني في البناية شرح الهداية، فقد استقر كونه بدعة مستنكرة في عهد الصحابة فلا يرفع استحسان مستحسن بدليل عقلي، فكيف يستقيم استحسانهم للكل في الكل مع ورود هذه الآثار الدالة على الإنكار؟ [التحقیق العجیب: ۱۹]

”جب تم یہ جان چکے تو ہم کہتے ہیں کہ اذان و اقامت کے درمیان کی تعویب کی بدعت صحابہ کرامؓ کے زمانے میں شروع ہوئی اور صحابہ کرامؓ نے اس پر نکیر فرمائی اور اسے برا کہا جیسا کہ سیدنا ابن عمرؓ سے بسند مجاہدؒ بن ابی داؤدؒ کی روایت میں تذکرہ ہوا اور مصنف ابن ابی شیبہؒ کے حوالے سے سیدنا عمرؓ کی روایت سے گزرا اور جیسا کہ سیدنا علیؓ کے حوالے سے گزرا جیسا کہ علامہ عینیؒ نے البناية شرح الهداية میں فرمایا ہے، پس فیصلہ یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اسے قبیح بدعت قرار دیا گیا ہے اس لیے کسی عقلی دلیل کی وجہ سے کسی مستحسن کا استحسان اسے بدعت کے درجے سے اوپر نہیں اٹھا سکتا اور صحابہ کرامؓ کا اس سے انکار [اس کو برا جانے] کی روایات کی موجودگی میں ہر کسی کے لیے خواہ وہ کسی بھی حالت میں ہو اسے کیسے مستحسن کہا جاسکتا ہے؟“

مولانا محمد اللہ صاحبؒ سے ہم بجا طور پر امید رکھتے ہیں کہ وہ مولانا عبدالحی صاحبؒ لکھنؤیؒ کی ان عبارات کے تناظر میں اپنی اس عبارت پر نظر ثانی فرمائیں گے۔

دوسری مثال: تَلَفُّظٌ بِالنِّيَّةِ

دوسری مثال مولانا صاحب نے ان الفاظ میں پیش کی ہے: من ذلك التلفظُ بالنية في الصلاة فإنه مستحسنٌ، ومع ذلك ما نُقِلَ عن النبي ﷺ ولا من الصحابة رضی اللہ عنہم ولا التابعین کما صرح به في الدر المختار: ۵۲؛ والتلفظ عند الإرادة بها مستحبٌ وهو المختار.

[البصائر: ۱۳۶]

”اس میں سے ایک زبان سے نیت کہنا ہے اس لیے کہ یہ مستحسن ہے باوجودِ یہ کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے منقول نہیں جیسا کہ در مختار: ۵۲ میں اس کی تصریح ہے اور پسندیدہ و مستحب یہ ہے کہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کیے جائیں۔“

مولوی صاحب کی خدمت اقدس میں عرض ہے کہ:

الإستحبابُ حکمٌ شرعیٌّ لا بُدَّ لَهَا من دلیل. [رد المحتار: ۵: ۲۸۸]

”استحباب شرعی حکم ہے اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔“

اور حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: الإستحبابُ حکمٌ شرعیٌّ فلا یثبتُ إلا بدلیلٍ شرعی. [مجموع الفتاوی: ۱۸: ۳۱]

”استحباب شرعی حکم ہے اس لیے کسی شرعی دلیل کے بغیر اس کا ثبوت ممکن ہی نہیں۔“

مولوی صاحب سے پوچھنا ہے کہ تلفظ بالنیۃ کے مستحب ہونے پر کون سی شرعی دلیل موجود ہے؟

امام ابن ہمام حنفی شارح ہدایہ لکھتے ہیں: قال بعض الحفاظ: لم یثبت عن رسول الله ﷺ بطریق صحیح ولا ضعیف أنه ﷺ کان یقول عند الإفتتاح: أصلي کذا؛ ولا عن أحد من الصحابة والتابعین بل المنقول أنه کان ﷺ إذا قام إلى الصلاة کبر؛ وهذه بدعة.

[فتح القدیر: ۲۶۶-۲۶۷، مرقاة المفاتیح: ۹۵]

”بعض حفاظ [حدیث] نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی صحیح یا ضعیف سند کے ساتھ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے افتتاح نماز میں یہ فرمایا ہو کہ میں فلاں وقت کی نماز پڑھتا ہوں اور نہ کسی صحابی یا تابعی سے یہ [تَلَفُّظٌ بِالنِّيَّةِ] ثابت ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ سے یہ منقول ہے کہ جب آپ ﷺ نماز کا ارادہ کرتے تو تکبیر پڑھتے اور یہ [تَلَفُّظٌ بِالنِّيَّةِ] بدعت ہے۔“

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: کان ﷺ إذا قام إلى الصلاة قال: الله أكبر، ولم يقل شيئاً قبلها، ولا تَلَفَّظَ بالنية البتة، ولا قال: أَصَلِّي لِلَّهِ صَلَاةً كَذَا، مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ إِمَامًا، أَوْ مُأْمُومًا، وَلَا قَالَ: أَدَاءً، وَلَا قِضَاءً، وَلَا فَرْضَ الْوَقْتِ، وَهَذِهِ عَشْرٌ بَدَعَ لَمْ يَنْقُلْ عَنْهُ أَحَدٌ قَطُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ وَلَا ضَعِيفٍ، وَلَا مُسْنَدٍ وَلَا مُرْسَلٍ، لَفْظَةً وَاحِدَةً مِنْهَا الْبِتَّةُ، بَلْ وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، وَلَا اسْتَحْسَنَهُ أَحَدٌ مِنَ تَابِعِينَ، وَلَا الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ. [زاد المعاد في هدي خير العباد: ۲۰۱]

”رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو اللہ اکبر پڑھتے اور اس سے پہلے کچھ نہ پڑھتے تھے اور نہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی بھی زبان سے یہ نہیں فرمایا کہ میں اللہ کے لیے قبلہ رخ ہو کر چار رکعت، تحیث امام یا مقتدی ادا یا قضا اور فلاں وقت کی نماز پڑھتا ہوں۔ یہ دس بدعات ہیں جو آپ ﷺ سے کسی صحیح وضعیف یا مسند و مرسل روایت میں ثابت نہیں، بلکہ کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں۔ تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے بھی اسے مستحسن نہیں کہا۔“

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: لکن له محمل عندنا مختص بمن ابتلي بالموسسة في تحصيل النية وعجز عن أدائها. [مرقاۃ المفاتیح: ۹۵]

”لیکن ہمارے نزدیک اس کا ایک محمل ہے جو اُس شخص کے ساتھ خاص ہے جو دوسرے میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اپنے دل کو [قلبی ارادے کی طرف] متوجہ کرنے سے عاجز ہو۔“

تیسری مثال: ذکر کرتے وقت سر کو اوپر نیچے حرکت دینا

مولانا محمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: ومنها رفع الرأس وخفضه في الذكربان يرفع رأسه عند النفی ويخفضه عند الإثبات، فإنه ذكر في الطريقة المحمدية أن هذه ليست ببدعة، بل له سند، وهي رفع المسبحة عند النفی ووضعها عند الإثبات، وأما تحريك الرأس فقط من دون تحريك البدن يُمنّة ويُسرة تحقيقاً لمعنى النفی والإثبات في لا إله إلا الله، فالظنُّ الغالبُ جوازُه بل استحبابُه إذا كان مع النية الصالحة.

[البصائر المنكري التوسل بابل القاب: ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴

لا اِلٰہَ پڑھتے سر کو اوپر اٹھایا جائے اور اثبات یعنی اِلَّا اللہ پڑھتے وقت سر کو نیچے حرکت دی جائے اس لیے کہ طریقہ محمدیہ میں اس بات کو ذکر کیا گیا ہے کہ ایسا کرنا بدعت نہیں بلکہ اس کی ایک سند موجود ہے جیسا کہ نماز میں [تشہد پڑھتے وقت] نفی و اثبات کے لیے سبابہ سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ رہا یہ امر کہ سارے جسم کو حرکت دیے بغیر صرف سر کو دائیں بائیں گھمایا جائے تاکہ کلمہ توحید میں نفی و اثبات کے معنی کی خوب تحقیق ہو تو غالب گمان اس کے جواز بلکہ استحباب کا ہے۔“

جواب: الطَّرِيقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ کے مصنف محمد بن پیر علی معروف برکوی رومی [وفات: ۹۸۱ھ]

ہیں۔ [کشف الظنون: ۲: ۱۱۱۱]

انہوں نے ذکر سے متعلق جو قیاس کی ہے وہ سراسر باطل و مردود ہے اس لیے کہ یہ ایک شرعی امر کی خود ساختہ کیفیت ہے جس کی پشت پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔

برخلاف اس کے ذوالنون مصری^(۱) فرماتے ہیں: مِنْ علاماتِ المحبِ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: مُتَابَعَةُ حَبِيبِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ اخْلَاقِهِ وَ اَفْعَالِهِ وَ اَمْرِهِ وَ سُنَّتِهِ. [رسالہ تشریح: ۲۳: الاعتصام: ۹۰: ۱]

”اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے کی علامت یہ ہے کہ اخلاق و اعمال اور تمام امور و سنن میں حبیب اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنے والا ہو۔“

ابو سلیمان الدارانی^(۲) فرماتے ہیں: رُبَّمَا يَقَعُ فِيْ قَلْبِي النِّكْتَةُ مِنْ نِّكْتِ الْقَوْمِ اَيَّامًا فَلَا اَقْبِلُ مِنْهُ اِلَّا بِشَاهِدَيْنِ عَدْلَيْنِ: الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ. [رسالہ تشریح: ۲۳: الاعتصام: ۹۳: ۱]

”بسا اوقات میرے دل میں معارف و تحقیق اور علوم صوفیاء میں سے کوئی خاص اور عجیب نکتہ وارد ہو جاتا ہے اور ایک زمانہ دراز تک وارد ہوتا رہتا ہے مگر میں اس کو دو عادل گواہوں کی شہادت و گواہی کے بغیر قبول نہیں کرتا اور وہ دو عادل گواہ قرآن و سنت ہیں۔“

(۱) ان کا نام ثوبان بن ابراہیم یا فیض بن ابراہیم تھا۔ تاریخ وفات: ۲۳۵ھ ہے۔ تصوف میں منجھے ہوئے بزرگ مانے جاتے ہیں۔ علم و تقویٰ اور ادب میں اپنی مثال آپ تھے۔ [رسالہ تشریح: ۲۳]

(۲) عبدالرحمن بن عطیہ داران دمشق کا ایک گاؤں کا نام ہے۔ انہوں نے ۲۱۵ھ کو وفات پائی۔

[رسالہ تشریح: ۳۰]

احمد بن ابی الخواریؒ (۱) فرماتے ہیں:

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا بِلَا اتِّبَاعِ سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَبَاطِلٌ عَمَلُهُ. [رسالہ قشیریہ: ۴۵]
 ”جو شخص کوئی عمل بلا اتباع سنت نبوی ﷺ کرتا ہے اُس کا عمل باطل ہے۔“
 ابو حفص عمر بن مسلمۃ الحدادیؒ (۲) فرماتے ہیں: مَنْ لَمْ يَزِنْ أَعْمَالَهُ وَأَحْوَالَهُ فِي كُلِّ وَقْتٍ

بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَلَمْ يَتَّهِمْ خَوَاطِرَهُ فَلَا نَعْدَهُ فِي دِيْوَانِ الرِّجَالِ. [رسالہ قشیریہ: ۴۵]
 ”جو شخص ہر وقت اپنے افعال و احوال کو کتاب و سنت کی میزان میں نہیں تولتا اور اپنے خواطر قلبی [واردات قلبیہ] کو ہم [نا قابلِ طمینان] نہیں سمجھتا ہم اُس کو مردانِ راہِ تصوف میں شمار نہیں کرتے۔“
 جُنَید بغدادیؒ (۳) فرماتے ہیں: الطَّرِيقُ كُلُّهَا مَسْدُودَةٌ عَلَى الْخَلْقِ إِلَّا عَلَى مَنْ اقْتَفَى أَثَرَ

الرَّسُولِ ﷺ. [رسالہ قشیریہ: ۵۰ الاعتصام: ۹۵]

”وُصُولُ إِلَى اللَّهِ ﷻ [اللہ تک پہنچنے] کے جتنے راستے عقلاً ممکن ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب بجز اتباع آثارِ رسول اللہ ﷺ کے تمام مخلوق پر بند کئے گئے ہیں [رسول اللہ ﷺ کی اقتداء اور پیروی کیے بغیر کوئی بھی شخص ہرگز تقرب الی اللہ حاصل نہیں کر سکتا]۔“

یہ بھی ارشاد فرمایا: مَنْ لَمْ يَحْفَظِ الْقُرْآنَ وَلَمْ يَكْتُبِ الْحَدِيثَ لَا يَقْتَدِيَ بِهِ فِي هَذَا الْأَمْرِ
 لِأَنَّا عَلَّمْنَا هَذَا مَقِيدًا بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ. [رسالہ قشیریہ: ۵۱]

”جو شخص قرآن کی معرفت حاصل نہ کرے اور احادیث نبویہ نہ لکھے اس معاملہ [تصوف] میں اُس

(۱) عبدالرحمن بن عطیہ داران دمشق کا ایک گاؤں کا نام ہے۔ انہوں نے ۲۱۵ھ کو وفات پائی۔

[رسالہ قشیریہ: ۴۰]

(۲) کوردِ اباؤ کے باشندے تھے جو نسیابور کے قریب بخاری کے راستہ میں ہے۔ ائمہ اور سادات میں سے

تھے۔ ۲۶۰ھ کے لگ بھگ وفات پا گئے۔ [رسالہ قشیریہ: ۴۵]

(۳) سید الطائفہ ابو القاسم جنید بن محمدؒ ان کا تعلق نہاوند سے تھا۔ عراق میں پیدا ہوئے ان کے والد شیشہ فروش

تھے اس لیے قواریری سے مشہور ہوئے۔ امام ابو ثور کے مذہب کے فقیہ تھے اور ان کی موجودگی میں ان ہی کے

حلقہ درس میں فتویٰ دیا کرتے تھے اُس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ ۲۹۷ھ تاریخ وفات ہے۔

[رسالہ قشیریہ: ۵۰-۵۱]

کی اقتدا نہیں کرنی چاہئے اس لیے کہ ہمارا علم قرآن و سنت کے ساتھ مقید ہے۔“
یہ بھی اُن ہی کا قول ہے: مذہبنا هذا مُقَيَّدٌ بأصول الكتاب والسنة.

[رسالہ قشیریہ: ۵۰، الاعتصام: ۹۵]

”ہمارا یہ مذہب و طریقہ قرآن و سنت کے اصول کے ساتھ مقید ہے۔“

تیسری بحث: مسئلہ دعاء

14

مولوی صاحب لکھتے ہیں: وهذا بحثٌ أهم لأنه قد كثر الشغب فيه وجرت فيه مناظرةٌ و وقعت على الفئة المنكرة فضيحةٌ ولم يأتوا هنالك بدليلٍ شافٍ من كتب الأحناف؛ وذلك في بلدة هوسى من مضافات مردان بدعوة مولانا وأولانا المحب في الله و المبغض في الله ميان گل رحمه الله المخلص في خدمة الدين والعبد الضعيف أيضاً حضر في تلك الواقعة وكانت عليهم داهية دهياء؛ ورأى العبد الضعيف فضيحتهم.

[البصائر المنكري التوسل بأهل المقابر: ۱۳۶]

”یہ نہایت اہم بحث ہے اس لیے اس کا بکثرت چرچا ہوا اور اس مسئلہ میں ایک عظیم مناظرہ ہوا جس میں منکرین کو فضیحت اٹھانی پڑی وہاں انہوں نے احناف کی کتابوں سے کوئی کافی شافی دلیل پیش نہیں کی۔ یہ مناظرہ موضع ہوسئی ضلع مردان میں مولانا مولوی میاں گل جان صاحب کے ایماء پر ہوا تھا جو ہم میں سب سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں بہت مخلص ہیں اور یہ کمزور بندہ بھی اس واقعہ میں حاضر تھا۔ مخالفین پر بہت بڑی مصیبت آن پڑی اور اس کمزور بندہ نے اُن کی رسوائی دیکھی (۱)۔“

(۱) یہ مناظرہ ۱۹۵۹ء میں ہماری مسجد میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ اس کی وجہ بنیادی طور پر یہ بنی تھی کہ ایک شخص جو اخوند بابا کے نام سے مشہور تھے اُس کا بھوسہ کسی نے چرا لیا تھا وہ ہر نماز کے بعد اعلان کرتا تھا کہ بھائیو! میرے حق میں دعاء کرو کہ جس شخص نے میرا بھوسہ چوری کیا ہے اسے اللہ تعالیٰ ایسی ایسی سزا دے۔ کئی روز تک تو یہ بددعاء ہوتی رہی ایک دن میرے چچا مولوی عبدالودود صاحب [وفات: ۱۱ فروری ۱۹۹۱ء] میرے والد مولوی عبدالعبود صاحب [وفات: ۲۵ دسمبر ۱۹۹۳ء] کی جگہ نماز کی امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

..... اخوند بابا نے نماز سے فراغت کے بعد حسب معمول بدوعاء کرنے کی درخواست کی جس پر میرے چچا مولوی عبدالودود صاحب نے اُن سے کہا کہ ہمارے اس علاقے میں جو بدعات سنتوں کے بعد رائج ہے اس کا کوئی شرعی ثبوت نہیں۔ اس پر اخوند بابا نے غصہ ہو کر قرآن مجید ہماری مسجد سے اٹھایا اور دوسری مسجد میں چل کر وہاں اعلان کیا کہ وہ لوگ تو بدعات نہیں مانتے۔ اس سے ایک بحث چڑ گئی اور ایک دن مولوی میان گل جان صاحب اور شیخ سید عبدالسلام صاحب رستی کا اس موضوع پر مباحثہ ہوا جس سے لوگوں میں یہ تاثر لیا کہ مولوی میان گل جان صاحب لا جواب ہو گئے اُن کے حلقہ اثر میں یہ خبر پھیلی تو انہوں نے اعلان کیا کہ ہم اپنے مولوی صاحب کو جتوائیں گے۔

طے یہ پایا کہ مولوی میان گل جان صاحب اور شیخ عبدالسلام صاحب کے مابین مناظرہ ہو لیکن بڑے بڑوں نے فیصلہ کیا کہ شیخ عبدالسلام صاحب کے بجائے شیخ القرآن محمد طاہر صاحب مناظرہ کریں گے۔ شیخ القرآن اُن دنوں سکندری مردان میں درس قرآن مجید دیا کرتے تھے۔ دارالعلوم تعلیم القرآن رستم کے سابقہ ناظم اور ہمارے گاؤں کے باشندہ مولانا عبدالرحمن صاحب محترم امین اللہ صاحب کی معیت میں مردان چلے گئے اور شام کو شیخ القرآن کی معیت میں طلباء کی ایک جم غفیر کے ساتھ ہوئی میں آوارہ ہوئے۔ میرے چچا مولوی عبدالودود صاحب رستم چلے گئے اور وہاں سے شیخ عبدالسلام صاحب کو اپنے ساتھ لائے۔ اس واقعہ کے چشم دید گواہ شیرین کاگا، جمنے کاگا اور شیر زادہ لالائیں (۱)۔ وہ کہتے ہیں کہ رات کا کھانا کھانے کے

(۱) محترم شیر زادہ لالائے امارچ ۲۰۱۵ء کو مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آئے۔ ابھی اقامت شروع نہیں ہوئی تھی کہ عارضہ قلب سے دوچار ہوئے اور گر کر جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

بعد ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ کل صبح شیخ القرآن کو ہاتھ میں قرآن مجید اٹھانے کا موقع نہ دو ورنہ وہ میدان مار لیں گے۔ یہ مشورہ بھی ہوا کہ ہم اُن سے پوچھیں گے کہ صلاۃ استقواء۔ جو سنت نماز ہے۔ کے بعد بدعات ثابت ہے کہ نہیں؟ اور جب یہ اثبات میں جواب دیں گے تو ہم شور مچا کر اعلان کریں گے کہ مناظرہ میں جیت ہماری ہوئی۔ وہی ہوا جس کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ سب سے پہلے صاحب حق مولوی عبدالحق سکندر گڑھی دولت زی مردان نے جن کا تعلق بریلوی مکتب فکر سے تھا ہاتھ پر ہاتھ مارا اور لوگوں کے شور و شغب میں اعلان کیا کہ ہمارے مولوی میان گل جان صاحب جیت گئے ہیں۔

یہ ہے اس مناظرے کی روداد جسے مولوی صاحب یہ رنگ دے رہے ہیں۔ یہ وہی مسجد ہے جس میں میرے والد صاحب اور میرے چچا صاحب فرائض امامت و خطابت انجام دیتے رہے ہیں اور اُن کے بعد آج تک میں اس میں فرائض امامت و خطابت انجام دیتا ہوں۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ مولوی میان گل جان صاحب نے اپنے اس موقف سے رجوع کر لیا تھا چنانچہ.....

مولوی صاحب آگے لکھتے ہیں: حرر العلماء فیہ رسائل، منها رسالۃ مولانا المعروف كالشمس فی نصف النهار مولانا الحاج شائستہ گل المتوی المسماة بالحجة المنقولة فی أحكام الأدعية المعمولة. [البصائر: ۱۳۶، پشاور ۱۷۷-۱۷۸ء ترکی]

”علماء نے اس مسئلہ سے متعلق کئی رسالے لکھے ہیں جن میں سے ایک رسالہ نصف النهار کے سورج کی طرح کے مشہور عالم مولانا الحاج شائستہ گل صاحب سکنتہ متہ [سنگاؤ، ضلع مردان] کا ہے جس کا نام الحجة المنقولة فی أحكام الأدعية المعمولة ہے۔“

مولوی صاحب کی اس عبارت سے اُن کے قلبی رجحان و میلان کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولوی

..... انہوں نے مجھے اُن سے ملنے کے لیے کہلا بھیجا۔ ۲۷ مئی ۱۹۸۳ء کو ایک مختصر سے مباحثہ کے بعد محترم صوبہ دار حبیب الرحمن صاحب نے مولوی صاحب کے حکم پر درج ذیل فیصلہ لکھا:

”دعاء مانگنا مستحب ہے اور فرض نماز کے بعد مسنون ہے۔ سنت و نوافل کے بعد دعاء کو لازمی قرار دینا بدعت ہے لیکن اگر کوئی دعاء مانگے تو اُس پر ملامت نہیں۔ دعاء بطور التزام شریعت سے ثابت نہیں۔“

متبعیہ: محترم محمد مطہر صاحب لکھتے ہیں: ”۱۹۵۹ء میں ہوئی نامی گاؤں میں عبدالرحمن خان نے بغرض تلاش حق شیخ القرآن اور اُن کے مخالف علماء کے درمیان ایک مناظرے کا اہتمام کیا۔..... عبدالرحمن خان نے آپ کی بڑی عزت کی۔ بعد میں بیچ پیر آکر آپ کی خدمت میں حاضری دی اور آپ کے ساتھی بنے۔“

[شیخ القرآن محمد طاہر۔ اذکار و آثار: ۱۷۶-۱۷۷]

اس عبارت میں کئی تسامحات ہیں۔ عبدالرحمن خان نے نہ تو مناظرے کا اہتمام کیا تھا اور نہ اُس نے حق کا ساتھ دیا تھا۔ وہ تو ابتدا ہی سے اس مسئلہ کے مخالف تھے اور آخر تک مخالف رہے بلکہ جب بھی اُس کا بس چلتا وہ حق اور اہل حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے۔ اس مناظرے کا سارا بندوبست حاجی حق نواز خان صاحب بن سرفراز خان صاحب نے کیا تھا اور جب مخالفین میں سے بعض شری پسندوں نے اسلحہ کے زور پر حالات کو خراب کرنا چاہا تو آں جناب نے مسجد کے چھت پر مسلح لوگوں کو بٹھایا اور انہیں حکم دیا کہ شری پسند اگر کوئی غلط حرکت کریں تو ان کو فوراً گولی مارا اُس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ شیخ القرآن اور اُن کے ساتھیوں کو کوئی تکلیف دے۔

رہا اُن کا بیچ پیر جانا سو عرض ہے کہ وہ بیچ پیر ضرور گئے تھے، لیکن کس مقصد کے لیے؟ کسی کو معلوم نہیں۔ وہ شیخ القرآن کو نہ بخون کہا کرتے تھے اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ بیچ پیر میں جب اُن کی خاطر تواضع کی گئی تو اپنے خادم [جباب کاگا] سے حقہ پلانے کی فرمائش کی، جس پر خادم نے کہا کہ علماء کے ہاں حقہ نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، مگر انہیں وہاں حقہ پینے کی اجازت دی گئی، جس پر وہ خوش ہو گئے۔

شائستہ گل صاحب کا تعلق بریلوی مکتب فکر سے تھا، اُن کی اولاد کا رجحان و تعلق بھی اسی مکتب فکر سے ہے۔ علمائے دیوبند میں سے مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے اس مسئلہ پر انفاکس المرغوبہ کے نام سے ایک مدلل کتاب لکھی ہے۔ معلوم نہیں مولوی صاحب اُن کا نام کیوں نہیں لیتے؟

مولوی صاحب لکھتے ہیں: وَأَمَّا الدُّعَاءُ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الْعَمَلِ الصَّالِحِ فَهِيَ قَاعِدَةٌ مُتَقَرَّرَةٌ فِي الشَّرْعِ، وَلِذَا ذَكَرَ الْعُلَمَاءُ أَنَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الْعِبَادَةِ قَاعِدَةٌ شَرْعِيَّةٌ، أَلَا تَرَى إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ لَمَّا فَرَغَا مِنْ بِنَاءِ الْكَعْبَةِ دَعَا حَيْثُ قَالَا: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، كَمَا هُوَ مَذْكُورٌ فِي الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ، وَكَذَا وَرَدَ بَعْدَ تِمَامِ الصَّوْمِ: اَللّٰهُمَّ اِنِّي لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اَمَنْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ فَاغْفِرْ لِي.

[البصائر: ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۷۹، ترکی]

”کسی نیک عمل سے فارغ ہونے کے بعد دعاء کرنا مقرر شرعی قاعدہ ہے، اس لیے علماء نے کہا ہے کہ عبادت سے فارغ ہونے کے بعد دعاء کرنا شرعی قاعدہ ہے، تم سوچتے نہیں کہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کعبہ کی تعمیر سے جب فارغ ہوئے تو انہوں نے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ والی دعاء مانگی، جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے اور اسی طرح روایات میں وارد ہے کہ جب روزہ پورا ہو جائے تو یہ دعاء پڑھی جائے: اَللّٰهُمَّ اِنِّي لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اَمَنْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ فَاغْفِرْ لِي۔“

ہمیں عبادات کے بعد اذکار و ادعیہ پڑھنے پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن اس مقصد کے لیے مولوی صاحب نے جو دلائل پیش فرمائے ہیں وہ نادرست ہیں۔

— قرآن مجید میں یہ بات کہیں بھی موجود نہیں کہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کعبہ سے فراغت کے بعد یہ دعاء مانگی تھی بلکہ انہوں نے خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے وقت یہ دعاء کی تھی۔ قرآنی الفاظ وَادَّيْرُقَهُمْ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِیْلُ اس کا واضح ثبوت ہے۔

رہی افطار کے وقت والی دعاء سے استدلال سو اس کی اسنادی حیثیت ایسی نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے۔ یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے:

طریق معاذ بن زہرہ: أن النبي ﷺ كان إذا أفطر قال: أَللّٰهُمَّ لَكَ صَمْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ. [سنن ابی داود، کتاب الصوم [۸] باب القول عند الإفطار [۲۲] رقم: ۲۳۵۸]

”نبی اکرم ﷺ جب روزہ افطار کرتے تو یہ دعاء پڑھتے: أَللّٰهُمَّ لَكَ صَمْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ۔“

اس روایت کا آخری راوی معاذ بن زہرہ ہے، جس کا ذکر حافظ ابن حبان نے الثقات ۷: ۲۸۲ میں تابعین کے ذیل میں کیا ہے۔ امام بخاری نے [تاریخ کبیر: ۲۲۷ ترجمہ: ۷: ۱۱۱] میں اس کا نام محمد بن معاذ لکھا ہے۔ اس کی وثاقت اور عدم وثاقت کا تذکرہ کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔ اصول کے لحاظ سے یہ راوی مجہول ہے۔

وہ کہتے ہیں: بلغني أن النبي ﷺ كان إذا أفطر قال.....

پس یہ روایت تابعی کی مرسل ہے اور مرسل حدیث دین میں حجت نہیں ہے۔ حدیث نبوی کے جمہور حفاظ و نقاد کی آخری و حتمی رائے یہی ہے اور اسی فیصلہ کو انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔

امام مسلم فرماتے ہیں: المرسل من الروایات في أصل قولنا وقول أهل العلم بالأخبار ليس بحجة. [صحیح مسلم، المقدمة: ۳۰]

”ہمارے اور محدثین کے اصل قول کے مطابق مرسل روایت حجت نہیں۔“

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: المرسل ضعيفٌ، لا حجة فيه.

[فتح الباری: ۲۲۵۱: ۵۱۷۵: ۱۱۱۹۰: ۲۶۷]

”مرسل ضعیف ہوتی ہے اور حجت نہیں ہوتی۔“

کیونکہ اس میں غیر معروف راوی کو حذف کیا جاتا ہے جو غیر ثقہ بھی ہو سکتا ہے جب کہ معتبر روایت وہ ہوتی ہے جس کا راوی ثقہ ہو اور مجہول حجت نہیں بن سکتا:

لأنه حُذِفَ منه راوٍ غير معروف وقد يكون غير ثقة، والعبرة في الرواية بالثقة واليقين، ولا حجة في المجهول. [الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث: ۵۸، هامش: ۱۰]

طریق سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ: کان النبی ﷺ إذا أفطر قال: بسم الله اللّٰهم لك صُمتُ و
على رزقك أفطرتُ. [معجم اوسط: ۵۳۴: ۳۴۴ برقم: ۵۴۹: معجم صغیر: ۵۲: ۲]
”رسول اللہ ﷺ جب روزہ افطار کرتے تو یہ دعاء پڑھتے: بسم الله اللّٰهم لك صُمتُ و على
رزقك أفطرتُ.“

— اس روایت کا ایک راوی اسماعیل بن عمر و یحییٰ ہے جو ضعیف تھا۔
[میزان الاعتدال: ۲۳۹: ۱ ترجمہ: ۹۲۲]

— اس کا ایک اور راوی داود بن زرقان رقاشی ہے جو متروک الحدیث تھا۔ امام ازودی نے اسے
کذاب کہا ہے۔ [تقریب التہذیب: ۲۳۳: ۲ ترجمہ: ۱۷۸۵]

طریق سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ: کان النبی ﷺ إذا أفطر قال: صُمتُ لك و على رزقك أفطرتُ
فتقبّل مني إنك أنت السميع العليم. [معجم کبیر: ۱۱۳: ۱۱۳ برقم: ۱۷۲۰]
”رسول اللہ ﷺ جب روزہ افطار کرتے تو یہ دعاء پڑھتے: صُمتُ لك و على رزقك أفطرتُ
فتقبّل مني إنك أنت السميع العليم.“

اس کا مرکز راوی عبد الملک بن ہارون بن عسّٰث عن ابیہ عن جدہ نقل کرتا ہے جب کہ امام حاکم
لکھتے ہیں: یہ اپنے باپ کی سند سے موضوع روایات نقل کرتا ہے۔

[المدخل الى معرفة الصحيح من السقيم: ۱۸۷: ۱ ترجمہ: ۱۳۰: لسان المیزان: ۷۲: ۲ ترجمہ: ۲۱۳]

امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں: کذاب تھا۔ امام ابو حاتم کہتے ہیں: متروک اور ذاہب الحدیث تھا۔
حافظ ابن حبان کہتے ہیں: احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ [میزان الاعتدال: ۶۶۶: ۲ ترجمہ: ۵۲۵۹]

طریق سیدنا علی رضی اللہ عنہ: یا علی! إذا كنت صائماً في شهر رمضان فقل بعد إفطارك: اللّٰهم
لك صُمتُ و عليك توكلتُ و على رزقك أفطرتُ يُكتبُ لك مثلُ مَنْ كان صائماً مِنْ
غير أن ينقص من أجورهم شيء. [المطالب العالیہ: ۲۹۰: ۲۹۱: حدیث: ۹۹۵]

”اے علی! تم جب رمضان میں روزہ رکھو تو افطار کرنے کے بعد یہ دعاء پڑھو: اللّٰهم لك صُمتُ
و عليك توكلتُ و على رزقك أفطرتُ تمہارے لیے سارے روزہ داروں کے روزہ کے برابر

اجرو ثواب لکھا جائے گا بغیر اس کے کہ اُن کے اجر و ثواب میں سے کوئی کٹوتی ہو۔“

— اس کا ایک راوی حماد بن عمرو نصیبی ہے جو متروک الحدیث، منکر الحدیث اور کذاب تھا۔ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ [میزان الاعتدال ۱: ۵۹۸ ترجمہ: ۲۲۶۲]

— ایک راوی سری بن خالد ہے جو غیر معروف ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے اُس کا نام لکھنے پر اکتفا کیا ہے اور لکھا ہے کہ حماد بن عمرو نصیبی سے روایت لیتا ہے۔ [الجرح والتعديل ۴: ۲۸۴ ترجمہ: ۱۲۲۱]

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہما^(۱) سے نماز فرض کے بعد دعاء کا حکم

[۱] ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: إن رسول الله ﷺ كان يقول إذا صلى الصبح حين يُسَلِّمُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ علماً نافعاً ورزقاً طيباً وعملاً متقبلاً.

[مسند احمد ۶: ۲۹۴، سنن ابن ماجہ، کتاب إقامة الصلوات والسنن فيها [۵] باب ما يقال بعد التسليم [۳۲] حدیث:

[۹۲۵]

”رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک یہ تھی کہ صبح کی فرض نماز کا سلام پھیرتے ہی یہ دعاء کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے نفع مند علم، پاکیزہ رزق اور مفید [مقبول] عمل کا طالب ہوں۔“

یہ روایت ضعیف ہے اس لیے کہ اس کو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرنے والے اُن کا آزاد کردہ غلام ہے جس کا نام نہیں لیا گیا ہے اس لیے مجہول ہونے کی وجہ سے مسند احمد اور سنن ابن ماجہ کی یہ روایت تو ضعیف ہے مگر حافظ طبرانی نے ایک دوسری صحیح سند سے شعبہ از سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سند سے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

۱

(۱) ہند بنت سہیل المعروف ابو امیہ [حذیفہ یازاد الرکب] بن مغیرہ قرشیہ مخزومیہ ام سلمہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا۔ مکہ معظمہ میں ۲۸ قبل ہجری ۵۹۶ء کو پیدا ہوئیں۔ قدیم الاسلام اور عقل و کمال کے لحاظ سے مکمل ترین خاتون تھیں۔ اپنے سابقہ شوہر سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد بن مغیرہ کی معیت میں حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی ہجرت کی۔ سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے ۴ ہجری کو رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ صلح حدیبیہ کے دوران اُن کے مشورہ سے رسول اللہ ﷺ نے اُن کے مشورہ سے قربانی کر کے احرام کھولا تھا۔ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ طویل عمر پائی۔ اُن سے ۳۷۸ احادیث مروی ہیں ۶۲ھ = ۶۸۱ء کو وفات پا گئیں۔

[اسد الغابہ ۵: ۶۰۶ ترجمہ: ۵: ۲۷۷، اعلام ۸: ۹۷]

كان النبي ﷺ يقول بعد صلاة الفجر: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ رِزْقًا طَیْبًا وَّعِلْمًا نَّافِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا. [مجمع صغیر: ۲۶۰ باب من اسمہ عامر]

”نبی اکرم ﷺ فجر کی نماز کے بعد یہ دُعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے پاکیزہ رزق، نفع مند علم اور مفید [مقبول] عمل کا طالب ہوں۔“

[۲] سیدنا ابوامامہ باہلیؓ (۱) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کن کن اوقات میں دُعا زیادہ مقبول ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: جَوْفُ اللَّیْلِ الْآخِرُو ذُبُرُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ. [سنن ترمذی، کتاب الدعوات [۳۹] باب [۷۹] حدیث: ۳۳۹۹، عمل الیوم واللیلۃ، نسائی، صفحہ ۱۸۷، حدیث: ۱۰۸]

”آخری رات کے درمیانی حصہ میں اور [تمام شیخ گانہ] فرض نمازوں کے متصل بعد جو دُعا کی جائے۔“

امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اور صحیح حدیث کی طرح حسن بھی قابل عمل ہوتی ہے جیسا کہ کتب اصول حدیث وفقہ میں بالتصریح مذکور ہے۔

[۳] سیدنا معاذؓ (۲) فرماتے ہیں: ”ایک روز رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ کی قسم! میرا تیرے ساتھ بہت پیار ہے تو معاذؓ نے فرمایا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں واللہ! میرا بھی آپ کے ساتھ بڑا پیار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! میں تجھے ایک وصیت کرتا ہوں کہ ہر فرض نماز کے بعد یہ الفاظ کبھی نہ چھوڑنا: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ. [سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ [۲] باب فی الاستغفار [۳۶۱] حدیث: ۱۵۲۲]

(۱) صدیق بن عجلان باہلیؓ۔ صحابی ہیں۔ جنگ صفین میں سیدنا علیؓ کی فوج میں تھے۔ شام میں رہائش پذیر تھے۔ شام کے حصص میں ۸۱ھ = ۷۰۰ء کو وفات ہوئے۔ [سیر اعلام النبلاء: ۳: ۳۵۹، الاعلام: ۳: ۲۰۳]

(۲) معاذ بن جبلؓ بن عمرو بن اوس انصاری خزرجی ابو عبد الرحمن، ۲۰ھ = ۶۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ حلال و حرام کے بہت بڑے عالم اور عہد نبویؐ کے چھ حفاظ کرام میں سے تھے۔ غزوہ تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں معلم کی حیثیت سے یمن بھیجا تھا۔ مرویات کی تعداد ۱۵۷ ہے۔ ۱۸ھ = ۶۷۹ء کو وفات پائی۔

[صفحة الصفوة ۱-۲: ۲۸۹ ترجمہ: ۵۱: الاعلام: ۷: ۲۵۸]

الادب المفرد: ۲۳۸ حدیث: ۲۹۰]

[۳] سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (۱) فرماتے ہیں کہ:

”رسول اللہ ﷺ جب پنج گانہ فرض میں سے کسی ایک نماز سے فارغ ہوتے اور سلام پھیر چکے تو یہ دُعاء پڑھتے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِي لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (۲)“

[صحیح بخاری، کتاب الاذان [۱۰] باب الذكر بعد الصلاة [۱۵۵] حدیث: ۸۴۴، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة [۵] باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته [۲۶] حدیث: ۱۳۷-۱۳۸، سنن نسائی، کتاب السهو [۱۳] باب القول عند انقضاء الصلاة [۸۵] حدیث: ۳۴۱، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة [۲] باب ما يقول الرجل اذا سلم [۳۶۰] حدیث: ۱۵۰۵]

[۴] سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (۳) سے روایت ہے: ”رسول اللہ ﷺ پنج گانہ نمازوں کے بعد یہ دُعاء پڑھتے تھے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ

(۱) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن مسعود ثقفی، ابو عبد اللہ طائف میں ۲۰ قبل ہجری، مطابق ۶۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۵۰ ہجری کو مشرف باسلام ہوئے۔ صلح حدیبیہ، جنگ یمامہ اور فتوحات شام میں شریک رہے۔ جنگ یرموک میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ جنگ قادسیہ، نہاوند اور ہمدان میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کی مرویات ۱۳۶ ہیں۔ ۵۰ھ = ۶۷۰ء کو کوفہ میں وفات پائی۔

[الاصابہ: ۳-۴۵۲، ۳۵۳-۳۵۴، الاعلام ۷: ۷۷۷]

(۲) مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دیوبند کی دہلوی لکھتے ہیں: ”لَقَدْ اِذَا سَلَّمْتُ مِنْ يَهْيُ ثَابِتٌ هُوَ تَابِتٌ مِنْ سُنَنِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ“

سے پہلے یہ دُعاء پڑھتے تھے۔ [کفایت المفتی: ۳: ۳۴۱]

(۳) عبد اللہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما، قرشی، اسدی، ابوبکر، ہجرت کے بعد مسلمانوں میں پہلے مولود ہیں۔ یکم ہجری = ۶۲۲ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتح افریقہ میں شریک تھے۔ ۶۴ ہجری کو یزید کی موت کے بعد ان کے لیے خلافت کی بیعت لی گئی۔ مصر، حجاز، یمن، خراسان، عراق اور شام پر حکومت کی۔ آپ کی مدت خلافت نو سال ہے۔ آپ کے عہد خلافت میں گول سکنوں کا اجراء ہوا

آپ سے ۳۳ حدیث مروی ہیں۔ ۷۳ھ = ۶۹۲ء کو شہید کر دیے گئے۔ [الاصابہ: ۲: ۳۰۹، الاعلام ۷: ۸۷۷]

الثناء الحمیل الحسن، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مخلصین له الدین ولو کره الکفرون۔

[صحیح مسلم: ۲۱۸]

[۵] سیدنا عبد الرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ (۱) فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد نائگیں موڑے بغیر جو شخص دس مرتبہ یہ دُعاء پڑھ لیا کرے تو اُس کے لیے ہر مرتبہ کے بدلے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اُس کے دس گناہ مٹا دیے جائیں گے اور اُس کے دس درجے بلند کر دیے جائیں گے اور ہر بری چیز سے اور شیطان مردود سے محفوظ رہے گا اور شرک کے سوا کوئی گناہ اُسے ہلاک نہ کر سکے گا اور وہ سب لوگوں سے افضل ہوگا ہاں اگر کوئی اس سے زیادہ پڑھ کر آگے بڑھ جائے تو اور بات ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد بيده الخير يحيي ويميت وهو على كل شيء قدير۔ [مسند احمد: ۲۷۲، سنن ترمذی، کتاب الدعوات [۳۹] باب [۶۳] حدیث ۳۴۷۲]

امام ترمذی لکھتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب اور صحیح ہے۔ [سنن ترمذی: ۵۸۱]

وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کا راوی شہر بن حوشب اشعری شامی صدوق ہونے کے باوجود کثیر الارسال اور کثیر الادہام تھے۔ [تقریب التہذیب: ۳۰۳، ترجمہ: ۲۸۳۰]

[۶] رسول اللہ ﷺ نے سیدنا مسلم بن الحارث رضی اللہ عنہ (۲) سے فرمایا: إِذَا انصرفت من صلاة المغرب فقل: اللَّهُمَّ أَجِرْنِي مِنَ النَّارِ، سبع مرات، فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ ذَلِكَ ثُمَّ مِتَّ فِي لَيْلَتِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَارُ مِنْهَا وَإِذَا صُلِيتِ الصُّبْحُ فَقُلْ كَذَلِكَ، فَإِنَّكَ إِنْ مِتَّ فِي يَوْمِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَارُ مِنْهَا۔ [سنن ابی داؤد، کتاب الادب [۳۵] باب ما یقول اذا صبح [۱۱۰] حدیث: ۵۰۷۹]

”نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد کسی سے بات کرنے سے پہلے سات مرتبہ اللَّهُمَّ أَجِرْنِي مِنَ

(۱) عبد الرحمن بن غنم بن کریم اشعری رضی اللہ عنہ۔ رسول اکرم ﷺ کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا مگر آپ ﷺ سے ملاقات نہیں کی تھی۔ اہل فلسطیب اور شام کے فیہ تھے۔ ۵۷۸ھ = ۶۹۷ء کو وفات پائی۔

[اسد الغابہ: ۲۴۴، ترجمہ: ۳۳۷۷، الاعلام: ۳۲۲، ۳]

(۲) مسلم بن حارث تميمی رضی اللہ عنہ، صحابی ہیں۔ سیدنا عثمان ذوالنورین کے دور خلافت میں وفات پائی۔ [تہذیب الکمال: ۶۷، ۲۹۸، ترجمہ: ۵۹۲۲]

النَّارِ پڑھ لیا کرو اگر اس دن یا رات مر جاؤ گے تو دوزخ سے ضرور تمہیں خلاصی اور نجات ہوگی۔“

[۷] سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنْ صَلَاتِهِ

فَلْيَدْعُ بِأَرْبَعِ ثَمَّ لِيَدْعَ بِمَا شَاءَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَ عَذَابِ الْقَبْرِ

وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَفِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَالِ. [سنن کبریٰ بیہقی ۲: ۱۵۴، الاعتقاد بیہقی: ۲۵۷]

”جب تم میں سے کوئی [فرض] نماز سے فارغ ہو جائے تو پہلے چار چیزوں سے پناہ مانگے، پھر اور

دُعاء مانگے: عذاب جہنم و قبر و فتنہ حیات و ممات اور [فتنہ] مسیح دجال سے۔“

[۸] سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ ^(۱) فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد تین بار استغفار کہتے اور

پھر یہ دعاء پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكَتْ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ.

[صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ [۵] باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ و بیان صفۃ [۲۶] حدیث: ۱۳۵-

[۵۹۱]

[۹] سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے جب کبھی ہمیں نماز پڑھائی تو آپ ہماری

طرف اپنے معصوم منور چہرہ پھیر کر یہ دعاء پڑھتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ عَمَلٍ

يُخْزِنُنِيْ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ صَاحِبٍ يُرْدِيْنِيْ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ يُلْهِمُنِيْ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ

كُلِّ فَقْرٍ يَنْسِبُنِيْ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ غَنًیْ يَطْغِيْنِيْ.

[مسند ابی یعلیٰ ۷: ۳۱۳-حدیث: ۱۵۹۷- [۳۳۵۲] الدعاء لطبرانی، حدیث: ۲۷۷۷]

یہ حدیث عقبہ بن عبد اللہ الاصم الرفاعی البصری کی ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے جو کبھی کبھار

تذلیس بھی کیا کرتا تھا۔ [تقریب التہذیب: ۳۲۵، ترجمہ: ۳۶۴۲]

حافظ ابن حجر عسقلانی اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں: وعقبه شبيه بیکرفي الضعف لكن

اتفاق روايتهما ترقي الحديث إلى درجة الضعيف الذي يُعْمَلُ بِهِ فِي الْفَضَائِلِ.

[نتائج الأفكار: ۳۱۶: ۲]

(۱) ثوبان بن جبر رضی اللہ عنہ ابو عبد اللہ۔ سراقہ سے تعلق تھا جو مکہ مکرمہ اور یمن کے مابین واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے

آزاد کردہ غلام تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد رملہ [فلسطین] اور پھر حمص تشریف لے گئے۔

وہاں گھر بنایا اور حمص ہی میں ۵۴ھ ۶۷۷ء کو وفات پائی۔ [الاستیعاب: ۱۳۷، ترجمہ: ۲۸۳، الاعلام: ۲: ۱۰۲]

”عقبہ بکر کی طرح کا ضعیف ہے لیکن ان دونوں کی ایک جیسی روایت حدیث کو اُس ضعیف روایت کے درجہ تک پہنچاتی ہے جس پر فضائل اعمال میں عمل کی جاتی ہے۔“

اس روایت کو امام ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ: ۶۳، حدیث: ۱۲۰ میں نقل کیا ہے۔

[۱۰] سیدنا علی ؑ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو یہ دُعاء پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ، اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَالْمُؤَخِّرُ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ.

[سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ [۲] باب ما یستفتح به الصلاۃ من الدعاء [۱۲۱] حدیث: ۷۶۰]

ان احادیث سے درج ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:

[۱] رسول اللہ ﷺ کی عام اور اکثری عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ پنج گانہ نمازوں میں سے ہر فرض نماز کے بعد ذکر کرتے اور دُعاء مانگتے تھے۔

[۲] ان پنج گانہ فرض میں سے ہر فرض کے بعد دعاء کی مقبولیت کی زیادہ امید ہے کیونکہ یہ وقت دُعاء کے مقبول ہونے کا ایک خاص وقت ہے۔

[۳] پنج گانہ نمازوں میں سے ہر فرض نماز کے بعد دُعاء مانگنا ان فرضوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جن کے بعد سنتیں نہ ہوں بلکہ بلا تخصیص ہر فرض نماز کے بعد دُعاء ثابت ہے۔ خواہ اُن کے بعد سنتیں ہوں یا نہ ہوں۔

[۴] فرضوں کا سلام پھیرنے کے بعد سنتیں ادا کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ کے علاوہ اور دُعائیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے جو مقدار میں اُس سے بڑی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کرتے ہوئے ہر فرض نماز کے بعد دُعاء مانگتے تھے کیونکہ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ کے اولین مخاطب اور اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیُّ الْاُمِّی کے مصداق اول ہیں یہی وجہ ہے کہ سیدنا معاویہ ؓ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ کو خط لکھا کہ رسول اکرم ﷺ فرض نماز کے بعد کون سی دُعاء پڑھا کرتے تھے؟ تو آپ نے جواب میں لکھا کہ آپ ﷺ

ہر فرض نماز کے بعد یہ دُعاء پڑھا کرتے تھے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، اللَّهُ الْمَلِكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ.

[صحیح بخاری، کتاب الاذان [۱۰] باب الذکر بعد الصلاۃ [۱۵۵] حدیث: ۸۴۳، صحیح مسلم، کتاب المساجد وموضع الصلاۃ [۵] باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ و بیان صفۃ [۲۶] حدیث: ۱۳۷- [۵۹۳] سنن نسائی، کتاب السبوح [۱۳] باب القول عند انقضاء الصلاۃ [۸۵] حدیث: ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ [۲] باب ما یقول الرجل اذا سلم [۳۶۰] حدیث: ۱۵۰۵]

صحیح بخاری کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ وَرَّادُ جِوَّاسِ حَدِيثِ كِرَامٍ رَوَى عَنْهُ: فرماتے ہیں:

ثُمَّ وَقَدْتُ بَعْدَ عَلَى مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَسَمِعْتَهُ يَقْرَأُ النَّاسَ بِذَلِكَ الْقَوْلِ.

[صحیح بخاری، کتاب القدر [۸۲] باب لا مانع لما أعطى الله [۱۲] حدیث: ۶۶۱۵]

”میں اس کے بھیجنے کے کچھ مدت بعد [سیدنا] معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو میں نے ان سے سنا کہ وہ لوگوں کو اس کے بارے میں حکم دیتے تھے۔“

آپ نے دیکھا کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہ بن صخر بن حرب [ابوسفیان] رضی اللہ عنہما کا سوال یہ نہ تھا کہ فرض نمازوں کے سلام پھیر چکنے کے بعد رسول اللہ ﷺ دُعاء کرتے تھے یا نہ؟ بلکہ سوال یقین دُعاء سے تھا یعنی مجھے اتنا تو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرائض کے بعد دُعاء مانگتے تھے لیکن میرا سوال آپ سے یہ ہے کہ وہ خاص دُعاء جو رسول اللہ ﷺ نے اپنا معمول بنا رکھا تھا وہ بتائیں اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ جب وہ دُعاء کرتے تھے اور عقل سلیم بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر ہم دُعاء کے محتاج ہیں۔

مولوی حمد اللہ صاحب کی رائے

مولانا حمد اللہ صاحب اور حافظ کفایت اللہ صاحب ڈاگئی ان احادیث کے بالکل برخلاف یوں لکھتے ہیں: قال في مراقي الفلاح: كل صلاة بعد هاستة يُكره القعود بعدها والدعاء

بل يشتغل بالسنة كيلا يفصل بين السنة والمكتوبة، فعلم من هذا أن الدعاء بين الفرض

والسنة مكروهة. [البصائر: ۱۲۸، پشاور ۱۷۹۹، ترکی الذخائر: ۲۸]

”مراتی الفلاح [شرح نور الایضاح] میں لکھا ہے کہ جس فرض نماز کے بعد سنتیں ہیں اُن کے بعد بیٹھنا اور دعاء پڑھنا مکروہ ہے بلکہ سنتیں پڑھنے میں مشغول ہونا چاہیے تاکہ سنن و فرائض کے مابین فصل وجدائی نہ ہو پس اس سے معلوم ہوا کہ فرائض و سنن کے مابین دعاء پڑھنا مکروہ ہے۔“
اور مفتی محمد فرید صاحب فرماتے ہیں: ”امام بقالی ^(۱) کے نزدیک جو کہ شروع میں حنفی ہے اور اصول میں معتزلی ہے فرائض کے ساتھ متصل دعاء کرنا بہتر ہے۔“ [الغلات: ۳۸]

مفتی صاحب اس سے بزعم خویش یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ فرائض کے متصل بعد دعاء کرنا معتزلہ کا مسلک ہے مگر یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں آپ ﷺ کی اقتداء میں عورتیں بھی نماز پڑھنے کے لیے مسجد نبوی میں آتی تھیں تو جب رسول اللہ ﷺ اپنی مکتوبہ نماز کا سلام پھیر چکے تو آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت تھوڑی دیر کے لیے اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہتے تھے۔

[صحیح بخاری، کتاب الاذان [۱۰] باب صلاة النساء خلف الرجال [۱۶۶] حدیث: ۸۷۵]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: تَوَرَّى - واللہ اعلم - اَنَّ ذَلِكَ كَانَ لِغِيٍّ يَنْصَرِفُ النِّسَاءُ قَبْلَ أَنْ يَذَرَ كَهَنَ الرِّجَالِ۔ [صحیح بخاری: ۲۳۷]
”اُن کے ٹھہرے کا مطلب - واللہ اعلم - یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں چلی جائیں تاکہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو۔“

محدثین فرماتے ہیں کہ اس دوران میں امام و مقتدی سب چپکے دعاء مانگتے ذکر کرتے اور تعلیمی صورت میں رسول اللہ ﷺ اُونچی آواز میں دعاء بھی مانگ لیتے تھے اور اُونچی آواز میں ذکر بھی کر لیتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی اسی جگہ پر جہاں نماز پڑھی گئی ہے۔ بیٹھ کر دیر تک ذکر و ادعیہ میں مشغول رہنے کی ترغیب دی ہے۔ [سنن الکبریٰ ۲: ۱۸۵]

(۱) محمد بن ابی القاسم بن بابجک بقالی خوارزمی، ابوالفضل زین المشائخ کے لقب سے مشہور تھے۔ ادیب، مفسر اور حنفی فقیہ تھے۔ اہل خوارزم میں سے تھے۔ ۳۹۰ھ = ۱۰۹۷ء کو پیدا ہوئے۔ کئی مفید کتابیں لکھیں۔ ۵۶۲ھ = ۱۱۶۷ء کو جرجانیہ میں وفات پائی۔ [بیغیۃ الوعاظ: ۱: ۲۱۵ ترجمہ: ۳۸۲، الاعلام: ۶: ۳۳۵]

خیال رہے کہ امام بقائی اگرچہ علامہ زختری^(۱) کے شاگرد تھے مگر ان کا عقیدہ درست تھا چنانچہ علامہ یاقوت حموی^(۲) اور علامہ داوودی^(۳) لکھتے ہیں:

وَكَانَ حَمَّ الْفَوَائِدِ حَسَنَ الْإِعْتِقَادِ. [معجم الادباء ۱۹: ۵ طبعات المفسرین ۲: ۲۳۲]

”کثیر الفوائد اور صحیح الاعتقاد تھے۔“

فقہاء کرام کے اقوال

[۱] شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: فَالرَّابِعُ مَنْ يَرْفَعُ يَدِيهِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى إِذَا فَرَّغَ مِنْ

صَلَاتِهِ الْمَكْتُوبَةِ. [الغنية لطالبي طريق الحق ۱۵۱: ۲]

”پس نفع کمانے والا شخص وہی ہے جو فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں دُعا کرنے کے لیے اٹھائے۔“

[۲] دسویں صدی ہجری کے مشہور عالم علامہ محمد جعفر ابوالکالی لکھتے ہیں:

(۱) محمود بن عمر بن محمد بن احمد خوارزمی، جارا اللہ ابوالقاسم خوارزم کے مضافاتی گاؤں زختری میں ۴۶۷ھ = ۱۰۷۵ء کو پیدا ہوئے۔ عرصہ دراز تک مکہ معظمہ میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے جارا اللہ کہلائے۔ خوارزم میں ۵۳۸ھ = ۱۱۴۴ء کو وفات پائی۔ لغوی ادیب، حنفی اور معتزلی تھے۔ [الجواهر المحمّدية ۳۹۴: ۳ ترجمہ ۱۵۷: ۷۷] حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: صالح، لكنه داعية الى الاعتزال، أجازنا الله منه فكن حذرًا من كشفه [ميزان الاعتدال ۸: ۴۷ ترجمہ ۸۳۶: ۷۷ لسان المیزان ۶: ۲ ترجمہ ۶۰]

”روایت حدیث کے سلسلے میں صالح اور داعی معتزلی تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اعتزال سے اپنے حفظ و امان میں رکھے [آمین] لہذا ان کی کشف کے بارے میں محتاط رہئے۔“

(۲) یاقوت بن عبد اللہ الرومی الحموی شہاب الدین ۵۷۷ھ = ۱۱۷۸ء کو بلا دروم میں پیدا ہوئے۔ صغریٰ میں اسیر ہو کر بغداد میں بطور غلام ایک مقامی تاجر مسکر بن ابراہیم حموی کے پاس پہنچے اُس نے اپنا حساب کتاب رکھنے کے لیے یاقوت کو تعلیم دلوائی۔ نحو و لغت اور جغرافیہ و تاریخ میں مہارت تامہ حاصل کی۔ ۵۹۶ھ کو انہیں آزادی ملی۔ کئی مفید کتابیں لکھیں۔ ۶۲۶ھ = ۱۲۲۹ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۶: ۱۲۷، الاعلام ۸: ۱۳۱]

(۳) محمد بن علی بن احمد، شمس الدین، داوودی، مالکی، مصری۔ اپنے زمانے میں علمائے حدیث کے سرخیل تھے۔ حافظ جلال الدین سیوطی کے شاگرد ہیں۔ ۹۴۵ھ = ۱۵۳۸ء کو قاہرہ میں فوت ہوئے۔

[شذرات الذہب ۸: ۲۶۴، الاعلام ۶: ۲۹۱]

و یغتتم الدعاء بعد المكتوبة فإنه مُستجاب. [المعانی: ۱۸۰: ۶۳۲]

”فرائض کے بعد دُعاء کو غنیمت سمجھے کیونکہ یہ دُعاء زیادہ قبول ہونے والی ہے۔“

[۳] مولانا عبدالحی صاحب لکھنؤی لکھتے ہیں: وفي خزانة الفقه عن البقالي: الأفضل أن

يشتغل بالدعاء ثم بالسنة. [السعاية: ۲: ۲۶۱]

”خزانہ الفقہ میں بقالی سے روایت ہے کہ افضل یہ ہے کہ [فرائض کے بعد] دُعاء کرنے میں

مشغول ہو جائے اس کے بعد سنتیں پڑھ لے۔“

[۴] شیخ الطائفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے ہیں: وهذا أثبت الدعاء برفع يديه كما

هو المعمول وإنكار الجهلة عليه مردود. [الکوکب الدرر: ۱: ۱۷۱]

”ان روایات سے [فرائض کے بعد] ہاتھ اٹھا کر دُعاء کرنا ثابت ہے۔ جیسا کہ [ہمارے اکابر] کا

معمول ہے اور جاہلوں کا اس سے انکار کرنا مردود ہے۔“

مزید ارشاد فرماتے ہیں: لا بُدَّ من إتيان الدعاء على حدة فيعزُرُ تارك الدعوات بعد

الصلوات ولا يُعذر على تركها. [الکوکب الدرر: ۲: ۲۹۱]

”فرائض کے بعد مستقل دُعاء کرنا چاہیے۔ فرض نمازوں کے بعد دُعاء کا چھوڑنے والا قابلِ تعزیر

ہے اور اس کے ترک کی وجہ سے وہ معذور نہ ہوگا۔“

[۵] مولانا محمد اللہ صاحب کے استاذ محترم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب لکھتے ہیں:

وفي شرح شرعة الإسلام: ويغتتم الدعاء بعد المكتوبة وقبل السنة على ما روي عن

البقالي من أنه قال: الأفضل أن يشتغل بالدعاء ثم بالسنة. [حاشية کوکب الدرر: ۲: ۲۹۱]

”شرح شرعۃ الاسلام (۱) میں ہے کہ فرائض کے بعد سنتیں پڑھنے سے پہلے دُعاء کو غنیمت جانے۔

بقالی سے بھی یہی منقول ہے کہ افضل یہی ہے کہ پہلے دُعاء میں مشغول رہے پھر اس کے بعد سنتیں

(۱) شیخ ابوالحسن رکن الاسلام محمد بن ابوبکر عرف امام زادہ سمرقندی کہتے ہیں: ويغتتم الدعاء بعد المكتوبة فإنه

مستجاب. [شرعۃ الاسلام: ۸۵] ”فرائض کے بعد دُعاء کو غنیمت سمجھے اس لیے کہ یہ مستجاب ہے۔“

سوال یہ ہے کہ کیا امام زادہ سمرقندی بھی معتزلی ہیں؟ ہمارا جواب تو نفی میں ہے۔

پڑھ لے۔“

[۶] مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی لکھتے ہیں: ”فروض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعاء کرنا اور بعد دُعاء کے منہ پر ہاتھ پھیرنا احادیث سے ثابت ہے، منکر اس کا جاہل اور بے خبر ہے سنت سے اور تارک سنت ہو کر مورد ملامت و طعن ہے۔“ [عزیز الفتاویٰ: ۱۶۹، سوال: ۱۱۵]

مفتی صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں: ”فروض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعاء کرنا اور بعد دُعاء کے منہ پر ہاتھ پھیرنا احادیث سے ثابت ہے، منکر اس کا جاہل اور بے خبر ہے سنت سے اور تارک سنت ہو کر مورد ملامت و طعن ہے۔“ [عزیز الفتاویٰ: ۱۶۹، سوال: ۱۱۵]

[۷] شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں:

فالإتيان بشيء من الأذكار والأدعية المأثورة بعد الفرائض متصلاً بها هو الراجح في نظري، فإنه يفيد فصلاً زمانياً بين الفريضة والنافلة، كما أنَّ التحول من موضع الفريضة يفيد فصلاً مكانياً. [فتح الملهم ۴: ۱۸۵، تحت حديث: تَسْبِحُونَ وَتُكْبِرُونَ وَتَحْمَدُونَ دبر كل صلاة ۱۳۴۶-۱۳۴۷]

”فرائض کے متصل بعد از کار اور مسنون دُعائیں پڑھنا میری نظر میں راجح ہے اس لیے کہ اس سے فرائض و سنن کے مابین فصلِ زمانی ہو جاتا ہے جیسا کہ فرائض کے بعد جگہ تبدیل کرنے سے فصلِ مکانی ہو جاتا ہے۔“

[۸] مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ لکھتے ہیں: ”فرائض کے بعد دُعاء مانگنا رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اور آپ کی سنت ہے اور اس کی مقبولیت کی اُمید بھی زیادہ ہے اور یہ کہ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ سے کسی قدر زیادہ مقدار کی دُعاء مانگنا بھی جائز ہے اور خود سرور کو نین شفیع

(۱) شبیر احمد عثمانی بن مولانا فضل الرحمن عثمانی۔ ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ = ۱۸۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا محمد قاسم کے ساتھ بنائے دارالعلوم دیوبند میں برابر کے شریک تھے جو مولانا کی پیدائش کے وقت بجنور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ مولانا کی تعلیم کا آغاز ۱۳۱۱ھ میں ہوا اور ۱۳۲۵ھ میں تمام طلبہ میں اول رہ کر تعلیم سے فارغ ہوئے ۱۹۱۱ء کی جنگِ بقتان و طرابلس سے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۴۰ء کے بعد مسلم لیگ میں شامل ہوئے ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے ممبر بھی رہے ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں وفات پائی اور کراچی میں اسلامیہ کالج کے احاطہ میں دفن ہوئے۔ [شاہ کار اسلامی انسائیکلو پیڈیا ۲: ۱۰۶۴]

المذنبین ﷺ سے ثابت ہے۔“ [کفایت المفتی ۳: ۳۳۴]

[۹] مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ فرماتے ہیں:

”سیدنا ابویوب انصاریؓ (۱) کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی اور آیت شہد اللہ اور قُلِ اللّٰهُمَّ مَلِکَ الْمُلْکِ سے بغیر حساب تک پڑھا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرمائیں گے اور جنت میں جگہ دیں گے اور اس کی ستر حاجتیں پوری فرمائیں گے جن میں کم سے کم حاجت اس کی مغفرت ہے۔“

[معارف القرآن ۲: ۳۵، بذیل تفسیر سورۃ آل عمران ۳: ۱۸ (۲)]

(۱) خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہؓ بنو نجار سے تعلق تھا۔ جلیل القدر صحابی ہیں۔ بدر اُحد خندق اور سارے غزوات میں شرکت کی۔ مدینہ منورہ سے شام چلے گئے، زید بن معاویہ نے جب قسطنطینیہ پر چڑھائی کی تو آپؐ نے بھی اُس کے زیرِ کمان اس غزوہ میں شرکت کی جہاں بیمار ہوئے اور ۵۲ھ = ۶۸۲ء کو وفات پا گئے۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ میری لاش دشمن کے علاقے میں دور تک لے جا کر دفن کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور انہیں قسطنطینیہ کے قلعہ کے فصیل کے قریب دفن کیا گیا۔ [الاصابہ: ۱، ۴۰۵، الاعلام: ۲: ۲۹۵]

(۲) اس روایت کو حافظ سیوطیؒ اور سید آلوسیؒ نے اس طرح نقل کیا ہے: أخرج الديلمي عن أبي يوب الأنصاريؓ بسرفوعاً لما نزلت الحمد لله رب العلمين وآية الكرسي، وشهد الله، وقل اللهم ملك الملك إلى بغير حساب تعلقن بالعرش وقلن: أنزلتنا على قوم يعملون بمعاصيك، فقال: وعزتي وجلالي وارتفاع مبكاني لا يتلو كن عبد عند دبر كل صلاة مكتوبة إلا غفر له ما كان فيه، وأسكنته جنة الفردوس، ونظرت له كل يوم سبعين مرة، وقضيت له سبعين حاجة أدناها المغفرة.

[در منثور ۲: ۱۶۲، اللآلی المصنوعة: ۱، ۲۰۹-۲۱۰، روح المعانی ۳-۴: ۱۴۱]

اس کی سند میں محمد بن عبد الرحمن بن مجبر بن عبد الرحمن بن معاویہ بن یحییٰ بن زبیر بن زبیران ہے جو ثقہ راویوں سے منکر روایات اور امام مالک سے باطل روایتیں نقل کرتا ہے۔ [الکافی فی ضعفاء الرجال ۷: ۵۴۷، ترجمہ: ۱۵۲-۱۷۷] اس قسم کی ایک اور روایت حافظ ابن السنیؒ نے عمل الیوم واللیلۃ: ۶۵، حدیث: ۱۲۵ میں نقل کی ہے مگر اُس کی اسنادی حالت بھی کچھ اچھی نہیں، اس لیے کہ اس کی سند میں حارث بن عبیدہ ہے جس کو بعض محدثین نے ثقہ کہا ہے لیکن امام حاکم لکھتے ہیں: اس کی کثرت ابو عبیدہ ہے۔ حمید الطویل اور جعفر بن محمد الصادق سے موضوع روایات نقل کرتا ہے۔ [المدخل إلى معرفة الصحيح من السقيم: ۱۳۴، ترجمہ: ۳۳]

حافظ ابن حبانؒ اور حافظ ذہبیؒ نے زیر بحث روایت کو اس کے ترجمہ میں نقل کر کے فرمایا ہے:

[۱۰] مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں: ”دعاء میں بقدر اللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ اختصار کرنا

ضروری نہیں بلکہ دعاء طویل بھی سنت کے موافق ہوگی۔“ [امداد الاحکام: ۱، ۲۳۷]

مزید ارشاد ہے کہ: ”فرض نمازوں کے بعد دعاء مانگنا آکد ہے کیونکہ حدیثوں میں اس کی ترغیب زیادہ ہے۔ باقی سنت و نوافل کے بعد دعاء مانگنا ضروری نہیں اگر مانگ لیا کرے تو اچھا ہے۔“

[امداد الاحکام: ۱، ۲۲۶]

[۱۱] مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی فرماتے ہیں: ”فرائض کے بعد دعاء حضور اقدس ﷺ

سے ثابت ہے اور فقہ میں اس کا جواز مصرح ہے، فرق فقط یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں

ان کے بعد دعاء طویل نہ چاہیے۔“ [احسن الفتاویٰ: ۱، ۳۳۶]

اعتراضات اور اُن کے جوابات

اعتراض ۱: بحر الرائق: ۴۹: ۳۰: ۲۹: ۳۱: ۵۰: فتح القدیر: ۴۴۰: ۴۴۱: ۲۴: ۲۵: بیروت میں ہے کہ فرائض کے متصل بعد سنتوں سے قبل اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ..... سے طویل دُعا کرنا مکروہ ہے؟
جواب ۱: مضمون کے ابتدائی حصہ میں جو احادیث نقل کی گئی ہیں، ان میں طویل طویل دُعائیں بھی ہیں جو مقدار میں اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ سے یقیناً لمبی ہیں، تو کیا ان احادیث پر عمل ترک کیا جائے؟
جواب ۲: فقہاء کرام کے اس قول کا جواب خود دوسرے فقہاء کرام نے دیا ہے۔ علامہ حلبی (۱)

شرح منیہ المصلیٰ میں فرماتے ہیں: نو قول عائشة رضي الله عنها: مقدار ما يقول، يفيد أن ليس المراد أنه كان يقول ذلك بعينه، بل كان يقعد زماناً يسع ذلك المقدار ونحوه من القول تقريباً، فلا ينافي ما في الصحيحين عن المغيرة رضي الله عنه أنه عليه السلام كان يقول في دبر كل صلاة مكتوبة لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد، لأن المقدار المذكور من حيث التقريب، دون التحديد، قد يسع كل واحد من نحو هذه الأذكار لعدم التفاوت الكثير بينهما، كون التقدير بالتقريب في التخمين دون التحديد والتحقيق. [کبیری: ۳۳۲ ط ۱ اور]

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد نہ بیٹھے تھے مگر اتنی مقدار کہ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ پڑھیں، اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مراد نہیں ہے کہ خاص یہی دُعا پڑھتے تھے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اتنی دیر بیٹھے تھے جس میں یہ دُعا یا اتنا ہی کوئی اور ذکر پڑھا جاسکے اور اس سے بھی تقریبی مقدار مراد ہے۔ اس صورت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اس حدیث کے مخالف نہ ہوگی جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

(۱) ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی، حنفی فقیہ ہیں۔ حلب سے تعلق تھا۔ حلب اور مصر میں حصول علم کیا۔ قسطنطنیہ میں مستقل رہائش اختیار کی اور وہیں ۹۵۶ھ = ۱۵۴۹ء کو ۹۰ سال سے زیادہ کی عمر میں وفات پائی۔
[كشف الظنون: ۲/ ۱۸۱۳، الاعلام: ۱/ ۶۶۱]

سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دُعا پڑھا کرتے تھے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ..... اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس حدیث کے مخالف نہ ہونا اس لیے ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں مقدار سے مراد تقریبی اور تخمینہ ہی ہے نہ حقیقی۔“

بالکل یہی بات شیخ احمد طحاوی حنفی (۱) نے بھی لکھی ہے۔ [حاشیہ الطحاوی: ۱: ۴۲۱-۴۲۲]

مولانا عبدالحی صاحب لکھنؤیؒ نے لکھا ہے: وَ سُنَّةُ الْوَصْلِ عِنْدَ الْمُتَأَخِّرِينَ وَلَمْ أَرْ لَهُمْ دَلِيلًا عَلَى ذَلِكَ إِلَّا ظَاهِرَ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَالْراجِعُ عِنْدِي مَا عِنْدَ الْمُتَقَدِّمِينَ وَ إِبَاحَةَ الْفَصْلِ بِنَحْوِ مَا وَرَدَ مِنَ الْأَدْعِيَةِ. [السعاية: ۲: ۲۶۲]

”فرائض کے بعد متصل طور پر سنتیں پڑھنا متأخرین علماء کے نزدیک ہے جب کہ میں نے ان کے پاس سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ظاہر روایت کے بغیر کوئی دلیل نہیں دیکھی میرے نزدیک وہی بات رائج ہے جو متقدمین کے نزدیک رائج ہے اور وہ یہ کہ مسنون دُعاؤں سے فرائض اور سنتیں و نوافل کے درمیان فصل اور جدائی کے استحباب کا قول کیا جائے۔“

مولانا عبدالحی صاحب لکھنؤیؒ کے نزدیک یہی متقدمین کا مذہب ہے اور یہی رائج ہے مگر درالعلوم حنفانہ کے سابق مفتی محمد فرید صاحب اسے بقالی مغزلی کا مذہب کہتے ہیں۔ [دیکھئے القالات: ۳۸]

جواب ۳: حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مَقْدَارَ مَا يَقُولُ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَ أَمَّا قَوْلُ عَائِشَةَ: كَانَ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مَقْدَارَ مَا يَقُولُ: أَللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ فَيَحْتَمِلُ وَ جَوْهًا: مِنْهَا: أَنَّهُ ﷺ كَانَ لَا يَقْعُدُ بَهَيْئَةِ الصَّلَاةِ إِلَّا هَذَا الْقَدْرَ وَلَكِنَّهُ كَانَ يَتِيَّامُنْ أَوْ يَتِيَّاسِرُ أَوْ يَقْبَلُ عَلَى الْقَوْمِ بِوَجْهِهِ فَيَأْتِي بِالْأَذْكَارِ لِقَالِ بِلْظَنِّ الْظَّانِّ أَنَّ الْأَذْكَارَ مِنَ الصَّلَاةِ. وَ مِنْهَا: أَنَّهُ ﷺ كَانَ حِينَئِذٍ بَعْدَ حِينَ يَتْرَكَ الْأَذْكَارَ غَيْرَ هَذِهِ الْكَلِمَاتِ يَعْلَمُهُمْ أَنَّهُ لَا يَسْتَفْرِضُ وَ إِنَّمَا مَقْتَضَى كَانَ وَ جُودَ هَذَا الْفِعْلِ كَثِيرًا لَا مَرَّةً وَلَا مَرَّتَيْنِ وَلَا

(۱) احمد بن محمد بن اسماعیل طحاوی [طہطاوی] حنفی فقیہ ہیں۔ مصر کے شہر سیوط کے قریب ”طہطا“ میں پیدا ہوئے آذر میں علم حاصل کیا۔ مصر میں شیخ الاحناف کے منصب پر فائز رہے ہیں۔ ۱۲۳۱ھ = ۱۸۱۶ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔ [الاعلام: ۱: ۲۳۵]

المواظبة والأصل في الرواتب أن يأتي بها في بيته والسرفي ذلك كله أن يقع الفصل بين الفرض والنوافل بماليس من جنسهما وأن يكون فصلاً معتدلاً به يدرك ببادي الرأي وهو قول عمر رضي الله عنه لمن أراد أن يشفع بعد المكتوبة: اجلس فإنهم لم يهلك أهل الكتاب إلا أنه لم يكن بين صلواتهم فصل فقال النبي ﷺ: أصاب الله بك يا ابن الخطاب. [تجويد الباقية: ۱۲-۱۳]

”رہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ جب رسول اللہ ﷺ سلام پھیرتے تو اس سے زیادہ نہیں بیٹھے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ پڑھیں تو اُس قول میں کئی احتمالات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ نماز کی ہیئت پر اس مقدار سے زیادہ نہیں بیٹھے تھے بلکہ دائیں یا بائیں طرف مڑ جاتے تھے یا لوگوں کی طرف منہ کر لیتے تھے تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اذکار و ادعیہ بھی نماز میں داخل ہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھی اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ کے سوا باقی دوسرے اذکار و ادعیہ چھوڑ دیتے تھے اور چھوڑنے سے یہ تعلیم مقصود تھی کہ اذکار و ادعیہ فرض نہیں ہیں اور سنتوں میں اصل حکم یہ ہے کہ گھروں میں ادا کی جائیں اور سب کا رازیہ ہے کہ فرضوں اور نفلوں میں ظاہر طور پر گھروں میں ادا کی جائیں اور اس سب کا رازیہ ہے کہ فرضوں اور نفلوں میں ظاہر طور پر فصل و جدائی اور فرق ہو جائے جو ظاہری نگاہ سے معلوم ہو سکے اور یہی مطلب ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمانے کا اس شخص سے جو فرضوں کے بعد متصل سنتیں پڑھنا چاہتا تھا کہ بیٹھ جاؤ کیونکہ پہلی اُمتوں کو اس بات نے ہلاک کیا کہ اُن کے فرائض و نوافل میں فرق نہ تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اے ابن خطاب! اللہ نے تمہیں درست طریقہ ہدایت فرمایا۔“

جواب ۴: مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی لکھتے ہیں: ”در مختار میں ہے: ويُكره تأخير السنة إلا بقدر اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ لیکن مطلب اس کا یہ ہے کہ یہ تقریبی امر ہے اگر کچھ اس سے زیادہ بھی دعاء وغیرہ ہو تو کچھ حرج نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ فصل بالأوراد [وظائف و اوراد کی وجہ سے تاخیر] میں کچھ مضائقہ نہیں، کما هو معمول مشایخنا قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد و اختاره الكمال [جیسا کہ ہمارے مشائخ کا معمول ہے۔ حلوانی کہتے ہیں: اوراد پڑھنے کی وجہ سے سنتوں میں

تاخیر کرنے کی کوئی پرواہ نہیں اور اسے کمال نے پسندیدہ قرار دیا ہے۔“

[فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل ۴: ۱۶۳، سوال ۱۷۰۲]

اعتراض ۲: مولانا مفتی محمد فرید صاحب لکھتے ہیں: ”دبر المکتوبات کا یہ مطلب نہیں کہ فرائض کے ساتھ متصل بلا حائل کیا جائے کیونکہ دبر ضد ہے قبل کا پس جو ذکر وغیرہ اختتام فرائض پر مقدم نہ ہوں تو وہ دبر ہوں گے نیز پیغمبر ﷺ نے تسبیحات کے متعلق بھی لفظ دبر کا اطلاق کیا ہے [جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ذکر کیا گیا] تو اگر یہ لفظ اتصال کا مقتضی ہو جائے تو دُعاء اور تسبیحات کے درمیان جمع خلاف سنت ہوگا کیونکہ دونوں کا بیک وقت ادا کرنا ناممکن ہے تو اگر پہلے تسبیحات پڑھی جائیں تو دبر المکتوبات نہ ہوگی اور اگر پہلے دُعاء کی جائے تو تسبیحات دبر المکتوبات نہ ہوں گی حالانکہ اس میں سے کوئی بھی خلاف سنت نہیں ہے۔ ہر ایک کا تقدیم دوسرے پر جائز ہے اسی طرح جب صلوٰۃ راتبہ [سنتوں] کے بعد دُعاء کی جائے تو فیصل غیر معتد بہ ہوگا۔“ [القاتلات ۳۲: ۳۱]

مفتی صاحب کے خدمت میں التماس ہے کہ محدث ہند شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے:

والأولى أن يأتي بهذه الأذكار قبل الرواتب فإنه جاء في بعض الأذكار ما يدل على ذلك نصاً كقوله: مَنْ قال قبل أن ينصرف ويثنى رجليه من صلاة المغرب والصبح: لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد بيده الخير يحيى ويميت وهو على كل شيء قدير، وكقول الرواي: كَانَ ﷺ إِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهِ يَقُولُ بِصَوْتِهِ الْأَعْلَى: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. [حجۃ اللہ البالغہ ۱۲: ۲]

”بہتر یہ ہے کہ ان اذکار کو سنن مؤکدہ سے پہلے ادا کرے کیونکہ بعض اذکار میں تو اس کی تصریح ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز مغرب اور صبح کے بعد لوٹے اور پاؤں موڑنے سے پہلے یہ کہے کہ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور جیسے راوی کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا سلام پھیرتے تو اپنی بلند آواز سے فرماتے لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔“

مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی لکھتے ہیں: ”فروضوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعاء کرنا اور بعد دُعاء کے منہ پر ہاتھ پھیرنا احادیث سے ثابت ہے۔ مگر اس کا جاہل اور بے خبر ہے سنت سے اور تارک

سنت ہو کر مورد ملامت و طعن ہے۔“ [عزیز الفتاویٰ: ۱۶۹ سوال: ۱۱۵]

یہ بھی ارشاد ہے کہ: ”جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ ہیں ان میں فرضوں کے بعد زیادہ تاخیر کرنے کو مکروہ لکھا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ کچھ حرج نہیں ہے پس بہتر ہے کہ امام جنتی دیر دُعاء مانگے اس کے ساتھ دُعاء مانگے۔“ [عزیز الفتاویٰ: ۳۱۸ سوال: ۳۸۹]

یہ بھی فرمایا: ”آیہ الکرسی اور تسبیحات کا پڑھنا قبل بھی جائز ہے اور معمول بہ اکابر کا ہے اور احادیث سے دونوں امر ثابت ہیں۔“ [فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل ۴: ۱۶۳ سوال: ۱۷۰۰]

ناظرین کرام سمجھ گئے ہوں گے کہ فرائض کے بعد دُعاء مکروہ ہے اور نہ ذکر واذکار بات صرف یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہوں ان کے بعد مسنون اوراد پر اضافہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ جو مسنون اوراد و ادعیہ ہیں ان پر اکتفا کی جائے۔

اعتراض ۳: علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں: ”فرائض کے بعد اذکار و ادعیہ کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں تو ان میں اس بات پر دلالت نہیں کہ اذکار کو سنتوں سے پہلے پڑھا جائے کیونکہ سنن تو ابعات نماز اور مکملات فرائض ہیں۔“ [شامی: ۱: ۳۹۴]

جواب ۱: علامہ شامی لکھتے ہیں: اَنْ هُنَا قَاعِدَةٌ مَّقْرَرَةٌ وَهِيَ اَنْ الْمَسَائِلَ الْفَقْهِيَّةَ اِنْ كَانَ مَا اخَذَهَا مَعْلُومًا مَشْهُورًا مِّنَ الْكِتَابِ وَالسَّنَةِ وَالْإِجْمَاعِ فَلَا نَزَاعَ فِيهَا لِأَحَدٍ وَإِلَّا بَأَن كَانَ اجْتِهَادِيَّةً يَنْظُرُ اِنْ نَقَلَهَا مَجْتَهِدٌ لَزِمَ اتِّبَاعُهُ بِالْمَطَالِبَةِ بِالْدَّلِيلِ وَإِلَّا فَإِنْ نَقَلَهَا عَنْ مَجْتَهِدٍ وَاثَبَتْ نَقْلَهُ فَكَذَلِكَ فَإِنْ كَانَ يَنْقُلُ مِنْ قَبْلِ نَفْسِهِ أَوْ مِنْ مَّقْلِدٍ آخَرَ أَوْ أَطْلَقَ فَإِنْ بَيَّنَّ ذَلِيلًا شَرْعِيًّا فَلَا كَلَامَ وَإِلَّا يُنْظَرُ فَإِنْ وَافَقَ الْأَصُولَ وَالْكِتَابَ الْمَعْتَبَرَةَ يَجُوزُ الْعَمَلُ بِهِ وَبِنَبْغِيٍّ لِلْعَالَمِ اَنْ يَطْلُبَ الدَّلِيلَ عَلَيْهِ وَإِنْ خَالَفَ مَا ذُكِرَ فَلَا يُلْتَفَتُ إِلَيْهِ فَقَدْ صَرَّحُوا اَنْ الْمَقْلِدَ اِنْ افْتَى بِلَا نَقْلِ عَنِ الْمَعْتَبَرَاتِ فَلَا يُنْظَرُ إِلَى فِتْوَاهِ.

[مجموعہ رسائل ابن عابدین: ۱: ۱۷۹]

”و فقہی مسائل کے بارے میں ایک مقررہ قاعدہ ہے کہ اگر قرآن و سنت اور اجماع سے اس کا ماخذ معلوم ہو تو اسے قبول کرنے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور اگر ایسا نہ ہو [یعنی قرآن و سنت اور اجماع

سے اس کا مآخذ معلوم نہ ہو] اور کوئی اجتہادی مسئلہ ہو تو دیکھا جائے گا۔ اگر مجتہد نے اسے نقل کیا ہو یا اور کسی نے مجتہد سے اسے نقل کیا ہو اور اس کی نقل درست ہو تو مطالبہ دلیل کے بغیر اس کی پیروی لازم ہے۔ اور اگر وہ اسے اپنی طرف سے یا کسی دوسرے مقلد کو منسوب کر کے بیان کرتا ہو اور کوئی شرعی دلیل اس پر پیش کی ہو تو اسے قبول کرنے میں کسی کو کوئی کلام نہیں اور اگر کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی ہو تو اب دیکھا جائے گا اگر شرعی اصول اور کتب معتبرہ کے موافق ہو تو اس پر عمل کرنا جائز ہے اور عالم کو چاہیے کہ دلیل کا مطالبہ کرے اور اگر مذکورہ شروط کے خلاف ہو تو پھر قابل التفات نہیں اس لیے کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی مقلد معتبر کتابوں سے نقل کیے بغیر کوئی فتویٰ دے تو اس کا فتویٰ ناقابل التفات ہے۔“

ہم علامہ شامیؒ سے دلیل پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اس قول پر کوئی دلیل شرعی پیش نہیں فرمائی اس لیے ناقابل التفات ہے۔

جواب ۲: اگر ان کی دلیل لَمْ يَقْعِدْ لِامْقَدَارِ مَا يَقُولُ حدیث سے ہے تو اس کا جواب ابھی ابھی محدث ہند حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ کی عبارت سے دیا گیا ہے جب کوئی دلیل شرعی موجود نہیں تو علامہ شامی کا یہ قول قابل التفات نہیں۔

جواب ۳: یہ درست ہے کہ سنن فرائض کے مکملات میں سے ہیں مگر کس حیثیت سے؟ اس کی وضاحت ایک حدیث سے سنئے جس میں وارد ہے: إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسِبُ النَّاسُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ أَعْمَالِهِمُ الصَّلَاةُ قَالَ يَقُولُ رَبَّنَا جَلَّ وَعِزُّ لِمَلَفَتِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ: أَنْظُرُوا فِي صَلَاةِ عَبْدِی أَتَمَّهَا أَمْ نَقَصَهَا؟ إِنْ كَانَتْ تَامَةً كَتَبْتُ لَهُ تَامَةً، وَإِنْ كَانَ انْتَقَصَ مِنْهَا شَيْئًا قَالَ: أَنْظُرُوا! هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ؟ إِنْ كَانَ لَهُ تَطَوُّعٌ قَالَ: أَتَمَّوْا الْعَبْدِي فَرِيضَتُهُ مِنْ تَطَوُّعِهِ.

[سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ ۲] باب قول النبی ﷺ: كُلُّ صَلَاةٍ لَا تَتِمُّهَا صَاحِبُهَا ثُمَّ مِنْ تَطَوُّعٍ [۱۳۹] حدیث:

[۸۶۴]

”روز قیامت لوگوں سے سب سے پہلے نماز کا حساب کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرمائے گا۔ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے۔ میرے بندہ کی نماز کو دیکھو کیا انہیں پورا کیا ہے یا ان میں نقصان کا

شکار ہوا ہے۔ اگر اس کی نمازیں پوری ہوں تو پورا لکھ دیا جائے گا اور اگر اس میں کچھ کمی واقع ہوئی ہو تو فرمائے گا: دیکھو! میرے بندہ کی کچھ تطوعات [نوافل وغیرہ] بھی ہیں؟ اگر تطوعات ہوں تو فرمائے گا کہ میرے بندے کے فرائض کی کمی تطوعات میں سے پورا کرو۔“

جواب ۴: مولوی صاحب تو دیوبندی ہونے کے مدعی ہیں، سودار العلوم دیوبند کے چوٹی کے محدث مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں: وشیخ مشائخنا رشید احمد الکنگوهی أفقہ عندی من الشامی۔ [فیض الباری ۲: ۳۰۷، بذیل حدیث: ۷۳۲]

”اور ہمارے شیخ المشائخ رشید احمد کنگوهیؒ میرے نزدیک علامہ شامیؒ سے بڑھ کر فقیہ ہیں۔“
وہی أفقہ من الشامی شیخ الطائفہ مولانا رشید احمد صاحب کنگوهیؒ فرماتے ہیں:

قد تاهت العلماء بحديث عائشة رضي الله عنها هذا فاضطروا إلى تأويلات فيما ورد أنه ﷺ كان يقول أزيد من هذا، وحكموا أن الزيادة على هذا المقدار في الجلوس بعد الفريضة قبل أداء السنن لا تجوز إلا أن بعضهم لمّا تنبّه على صحة الروايات المبثّة للزيادة في الجلوس قال: لا تجوز الزيادة في الجلوس على مقدار الركعتين، وهذا هو القول الصحيح الذي لا يتعدى عن الحق الصريح، فإن حديث عائشة رضي الله عنها يمكن أن يقال فيه أن النبي ﷺ كان يقول هذه الكلمات أحياناً فانفتحت الروايات وكل ما ورد عن النبي ﷺ أنه كان يقولها بعد الصلاة لا يتعدى عن مقدار الركعتين.

[الکوکب الدرر ۱: ۱۳۰-۱۳۱]

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی وجہ سے علماء سوچ میں پڑ گئے اور اسی وجہ سے مختلف تاویلات کرنے لگے۔ ان روایات میں جن میں اسی مقدار سے زیادہ دیر تک بیٹھنا بیان ہوا ہے اور اسی وجہ سے یہ فیصلہ کیا کہ فرائض کے بعد اللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَام سے زیادہ دیر کرنا جائز نہیں لیکن ان میں سے بعض کو جب معلوم ہوا کہ بعض صحیح احادیث میں اللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَام کے علاوہ اور بھی اذکار و ادعیہ ہیں تو انہوں نے یہ قول اختیار کیا کہ فرائض کے بعد سنن سے پہلے دو رکعت سے زیادہ مقدار بیٹھنا جائز نہیں اور یہ نہایت کامیاب اور صحیح قول ہے کیونکہ اسی وجہ سے روایات میں

تقلیق کی صورت پیدا ہوتی ہے۔“

اعتراض ۴: محدث بیہقی نے عبد اللہ بن فروخ کے طریق سے سیدنا انس بن مالک ؓ سے روایت کی ہے کہ: ”نبی اکرام ﷺ کی عادت مبارک یہ تھی کہ جوں ہی آپ سلام پھیرتے تھے فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوتے تھے پھر خلیفہ بلا فصل سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی بھی یہی عادت تھی کہ جوں ہی آپ سلام پھیر چکے فوراً اپنی جگہ سے اٹھتے جسے کوئی گرم پتھر سے اٹھاتا ہو۔“ [السنن الکبریٰ ۲: ۱۸۲]

جواب: اس روایت سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ خود امام بیہقی ہی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: تفرّد به عبد اللہ بن فروخ المصري وله أفراد. [السنن الکبریٰ ۲: ۱۸۲]

”اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن فروخ راوی اس روایت کے بیان کرنے میں متفرد ہے [یعنی: اس کے ہم سبق ساتھیوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو یہ روایت بیان کرتا ہو] اور وہ مزید کئی روایات میں متفرد ہے۔“

عبد اللہ بن فروخ خراسانی یا یامی وہ شخص ہے جس کے بارے میں حافظ ابن عدی فرماتے ہیں: اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں کیونکہ یہ شخص ثقہ راویوں کے خلاف روایات نقل کرنے کا عادی ہے اور امام بخاری نے فرمایا ہے کہ یہ شخص معروف و منکر ہر قسم کی روایت بیان کرتا رہتا ہے۔

[الکامل فی ضعفاء الرجال ۵: ۳۳۳ ترجمہ: ۳۳- [۱۰۱۰] میزان الاعتدال ۲: ۴۷۱-۴۷۲ ترجمہ: ۳۵۰۷]

فرائض کے بعد نبی اکرم ﷺ کیا کرتے؟

[۱] سیدنا سمرہ بن جندب ؓ (۱) فرماتے ہیں: کان النبی ﷺ إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه. [صحیح بخاری، کتاب الاذان [۱۰] باب مستقبل الامام الناس اذا سلم [۱۵۶] حدیث: ۸۳۵، کتاب

الجماعة [۲۳] باب [۹۳] حدیث: ۱۳۸۶]

”جب بھی رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تو اپنا چہرہ انور ہماری طرف پھیر دیتے تھے۔“

(۱) سمرہ بن جندب بن ہلال فزاری ؓ۔ شجاع اور نڈر صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ میں پلے بڑھے۔ بصرہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ حروریہ کے شدید مخالف تھے۔ ۶۰ھ = ۶۷۹ء کو کوفہ یا بصرہ میں وفات پائی۔

[اسد الغابہ ۲: ۳۳۱ ترجمہ: ۲۲۳۳، الاعلام ۳: ۱۳۹]

[۲] سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: إِنْ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ إِذَا سَلَّمَ يَمُكِّثُ فِي مَكَانِهِ يَسِيرًا.

[صحیح بخاری، کتاب الاذان [۱۰] باب صلاة النساء خلف الرجال [۱۶۷] حدیث: ۸۷۵]

”جب رسول اللہ ﷺ [فرائض سے] سلام پھیرتے تو اپنی جگہ میں کچھ وقت کے لیے ٹھہر جاتے۔“

[۳] سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر چار رکعت کے

بجائے پانچ رکعت پڑھائی۔ نماز ختم ہونے کے بعد کسی نے کہا کہ نماز میں کوئی تبدیلی کی گئی؟ آپ

نے پوچھا کیا؟ تو آپ سے کہا گیا کہ چار رکعت کے بجائے آپ نے پانچ رکعت پڑھائی۔ آپ

قعدہ کی حالت میں گئے اور دو سجدے کیے سلام پھیرنے کے بعد:

أَقْبَلَ عَلَيْنَا بوجْهِهِ. [صحیح بخاری، کتاب الصلاة [۸] باب التوضؤ نحو القبلة [۳۱] حدیث: ۴۰۱]

”آپ نے اپنا چہرہ انور ہماری طرف پھیر دیا۔“

[۴] سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز بڑی دیر سے پڑھائی:

ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بوجْهِهِ.

[صحیح بخاری، کتاب الاذان [۱۰] باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة [۳۶] حدیث: ۶۶۱]

”آپ نے سلام پھیرنے کے بعد اپنا چہرہ انور ہماری طرف کر لیا۔“

[۵] غزوہ بن جری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب فرائض کا سلام پھیر

لیتے تو: فَيَحْرُكُ شَفْتَيْهِ فَلَا نَدْرِي مَا يَقُولُ، ثُمَّ يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ، وَ

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، ثُمَّ يَقْبَلُ عَلَى الْقَوْمِ بوجْهِهِ، وَلَا يَبَالِي عَنْ يَمِينِهِ

أَنصَرَفَ أَوْ عَنِ شِمَالِهِ. [سنن کبریٰ، ج ۲: ۲۹۰-۳۰۰ کنز العمال، حدیث: ۲۲۰۹۶]

”آپ اپنے ہونٹوں کو ہلاتے اور ہم آپ کی بات پوری طرح نہ سمجھتے تھے پھر آپ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

وحدہ پڑھتے اور اس کے بعد قوم کی طرف منہ موڑ لیتے اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ

دائیں طرف سے مڑا جائے یا بائیں طرف سے۔“

[۶] سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں: إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ إِذَا سَلَّمَ الْإِمَامُ أَنْ لَا يَقُومَ فِي مَوْضِعِهِ

الَّذِي صَلَّى فِيهِ فَيُصَلِّي تَطَوُّعًا حَتَّى يَنْحَرَفَ. [سنن دارقطنی: ۳۸۲۱]

”سنت یہ ہے کہ جب امام سلام پھیر لے تو وہ اپنی جگہ میں جہاں [فرض] نماز پڑھی ہے، سنن و نوافل ادا کرنے کے لیے نہ ٹھہرنے بلکہ وہاں سے ہٹ جائے۔“
ان احادیث سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ آپ بھی ایک محدث کی زبانی سنئے:

إستدلوا أيضاً بعموم أحاديث رفع اليدين في الدعاء قالوا: إن الدعاء بعد الصلاة المكتوبة مستحب ورغب فيه، وأنه قد ثبت عن رسول الله ﷺ رفع اليدين في كثير من الدعاء وإنه لم يثبت المنع عن رفع اليدين في الدعاء بعد الصلاة المكتوبة، بل جاء في ثبوته الأحاديث الضعاف، قالوا: فبعد الأمور الأربعة وعدم ثبوت المنع لا يكون رفع اليدين بعد الصلاة المكتوبة بدعة سيئة. [تحفة الاحوذى: ۱: ۲۳۵]

”ان لوگوں نے احادیث کے عموم سے بھی استدلال کیا ہے جو دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ فرائض کے بعد دعاء مستحب ہے اور اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے اکثر دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے اور رسول اکرم ﷺ سے دعاء میں ہاتھ اٹھانے سے منع بھی ثابت نہیں بلکہ دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں ضعیف احادیث موجود ہیں اس لیے ان چار باتوں کی وجہ سے فرائض کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانا بدعت سیئہ نہیں بلکہ جائز ہے اور اس کے کرنے والے پر کوئی ملامت نہیں۔“

مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں: رفع اليدين بعد الصلاة للدعاء قُلْ ثبوته فعلاً و كثر فضله قولاً، فلا يكون بدعة أصلاً. [فيض الباری: ۲: ۵۸۳، بذیل حدیث: ۱۱۷۸]

”نمازوں کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں فعلی احادیث کم ہیں اور قولی احادیث میں کثرت سے اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ پس یہ اصلاً بدعت نہیں۔“

سوال: فقہاء کرام نے فرمایا: الإشتغال بالسنة عقيب الفرض أفضل من الدعاء.

[الاشباه والنظائر: ۱۲۷-۱۲۸]

”فرض کے بعد دعاء میں مشغول ہونے سے سنت پڑھنے میں مشغول ہونا بہتر ہے۔“

ولكن عندنا السنة مقدمة على الدعاء الذي هو عقب الفراغ. [بحر الرائق: ۱: ۳۰۴]

”لیکن ہمارے نزدیک سنت پڑھنا اس دعاء سے مقدم ہیں جو فرائض کے بعد ہے۔“
جواب: دونوں حوالے علامہ ابن نجیم کے ہیں اور انہوں نے اپنی رائے پر کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی اس لیے ناقابل استدلال ہے۔

بیت اجتماعی کے ساتھ علی سبیل الإلتزام دعاء بعد السنن

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: أفضل صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة.
[صحیح بخاری، کتاب الاذان [۱۰] باب صلاة الليل [۸۱] حدیث: ۷۳۱، کتاب الادب [۷۸] باب ما يجوز من الغضب والشدّة لأمرك الله [۷۵] حدیث: ۶۱۱۳، کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة [۹۷] باب ماكره من كثرة السؤال [۳] حدیث: ۷۲۹۰، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين [۶] باب استحباب صلاة النافلة في بيته وجواز هاني المسجد [۲۹] حدیث: ۲۱۳- [۷۸۱]

”آدمیٰ افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھے سوائے فرض نماز کے۔“

یعنی فرض نماز کے سوا باقی نمازیں گھر میں پڑھنا بہتر ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن سعد انصاری رحمہ اللہ (۱) فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:

أيما أفضل: الصلاة في بيتي أو الصلاة في المسجد؟ قال: ألا ترى إلى بيتي؟ ما أقربه من المسجد! فلأن أصلي في بيتي أحب إلي من أن أصلي في المسجد إلا أن تكون صلاة مكتوبة. [سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة [۲] باب ما جاء في الطوع في البيت [۱۸۶] حدیث: ۱۳۷۸]

”نماز میرے گھر میں افضل ہے یا مسجد میں افضل ہے؟ فرمایا کہ مجھے گھر میں پڑھنا زیادہ محبوب ہے مسجد میں نماز پڑھنے سے مگر یہ کہ نماز فرض ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے؟“

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا حال پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

”آپ ﷺ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے پھر باہر تشریف لے جاتے اور لوگوں

(۱) عبد اللہ بن سعد انصاری رحمہ اللہ غزوہ قادسیہ میں شریک رہے ہیں۔ ان کا شمار شامیین میں ہوتا ہے۔

[اسد الغابہ ۳: ۷۲، ترجمہ: ۲۹۷۵]

کو ظہر کی نماز پڑھاتے، پھر اندر تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے، پھر عصر کے وقت باہر جاتے اور عصر کی نماز پڑھاتے اور [مغرب کے وقت] مغرب کی نماز پڑھاتے، پھر اندر آ کر دو رکعتیں پڑھتے، پھر لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور میرے گھر میں آ کر دو رکعتیں پڑھتے۔“

[صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین [۶] باب جواز النافلة قائماً [۱۶] حدیث: ۱۰۵- [۷۳۰]

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ عہد نبوی میں یہ دستور تھا اور رسول اللہ ﷺ اکثر اس پر عمل پیرا تھے کہ سنن و نوافل اپنے اپنے گھروں میں جا کر ادا کرتے تھے اس کے بعد اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ سنن و نوافل ادا کرنے کے بعد اجتماعی صورت میں دعاء مانگنے کے لیے پھر سے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے مقتدی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے گھروں سے نکل کر مسجد نبوی جمع ہوتے ہوں۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہ طریقہ نہ تھا کہ امام و مقتدی سنن و نوافل کے بعد اجتماعی دعاء میں شریک ہوں، لہذا اس کے بدعت ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اس طرز استدلال کے چند نظائر ملاحظہ ہوں۔

[۱] نافع [سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما] کے مولیٰ [روایت کرتے ہیں کہ: ”ایک شخص نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں چھینک ماری تو اُس شخص نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وَاَنَا قَوْل: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ و لیس ہکذا عَلَّمَنا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلَّمَنا اَنْ نَقُول: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔

[سنن ترمذی، کتاب الادب [۴۴] باب ما یقول العاطس اذا عطس [۲] حدیث: ۲۷۳۸]

”اس کا تو میں بھی قائل ہوں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ لیکن ہمیں رسول اکرم ﷺ نے اس کی تعلیم نہیں دی ہے، ہمیں اس موقع پر اس کی تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ کہیں۔“

آپ نے دیکھا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ سے منع کیا۔ آپ گستاخ رسول نہ تھے اور نہ رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجنا گناہ ہے، انہوں نے منع کیوں فرمایا؟ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ اس موقع پر یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔

[۲] سیدنا سالم بن عبیدؓ (۱) کے پاس ایک شخص نے چھینک ماری اور کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔ سیدنا سالمؓ نے جواب دیا: تم پر اور تمہاری ماں پر سلام! اس جملہ سے وہ شخص ناراض ہو گیا۔ سیدنا سالمؓ نے فرمایا: بہر حال میں نے صرف وہی کچھ کہا ہے جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا۔

[سنن ترمذی، کتاب الادب [۴۴] باب ما یقول العاطس اذا عطس [۲] حدیث: ۲۷۴۰، سنن ابی داؤد، کتاب الادب [۳۵] باب ما جاء فی تسمیة العاطس [۹۹] حدیث: ۳۰۵۱]

کیا السلام علیکم کہنا گناہ تھا کہ ایک صحابی اس سے منع کر رہے ہیں؟ نہیں گناہ تو نہیں، تو پھر اس سے منع کیوں کیا جا رہا ہے؟ اس کا بس ایک جواب ہے کہ اس موقع محل میں یہ ثابت نہیں۔

[۳] امام مجاہدؒ فرماتے ہیں: ”میں ایک دفعہ سیدنا ابن عمرؓ کے ساتھ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے داخل ہوا۔ اذان ہو چکی تھی۔ ایک شخص نے تحویب شروع کر دی تو سیدنا ابن عمرؓ نے مجھ سے فرمایا: اُخْرِجْ بِنَا، فَإِنَّ هَذِهِ بَدْعَةٌ۔

[سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ [۲] باب فی التَّوْبِیْب [۴۵] حدیث: ۵۳۸]

”مجھے یہاں سے لے چل اس لیے کہ یہ بدعت ہے (۲)۔“

سیدنا ابن عمرؓ اس مسجد سے چلے گئے اور نماز تک وہاں ادا نہ کی چنانچہ دوسری روایت میں ہے:

أُخْرِجَ بِنَا مِنْ عِنْدِ هَذَا الْمُبْتَدِعِ وَلَمْ يُصَلِّ فِيهِ۔

[سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی التَّوْبِیْب فی الفجر [۱۹۸] تحت حدیث: ۱۹۸]

”مجھے اس بدعتی کے ہاں سے لے چل، اور اس مسجد میں نماز نہ پڑھی۔“

آپ نے ملاحظہ کیا کہ سیدنا ابن عمرؓ نے بدعت اور اہل بدعت سے کیسی نفرت کی کہ انہوں نے ان کی مسجد میں نماز پڑھنی بھی گوارا نہ کی۔ آج کل کا دور ہوتا تو لوگ کہہ دیتے کہ تحویب کرنے والا

(۱) سالم بن عبید اشجعیؓ صحابی ہیں۔ اہل صفہ میں سے تھے۔ [تقریب التہذیب: ۲۶۱، ترجمہ: ۲۱۸۱]

(۲) امام نوویؒ لکھتے ہیں: نزواہ أبو داؤد، ولیس إسناده بقوی۔ [المجموع شرح المہذب: ۱۶۱: ۴]

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ایک راوی ابو یحییٰ القنات لین الحدیث ہے۔

[تقریب التہذیب: ۷۰۶، ترجمہ: ۸۴۴۴]

نماز کے لیے بلارہا ہے یہ کوئی گناہ تو نہیں کر رہا بلکہ اجر کا مستحق ہے مگر صحابہ کرام ؓ تو رمزشناس رسول ﷺ تھے ان کی دور رس نگاہیں بدعات کی ظاہری چمک میں الجھ کر نہیں رہ جاتی تھیں وہ ہدایت کے اصل منبع اور سرچشمہ تک رسائی کر لیتی تھی۔

[۴] امام نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں: ”سیدنا علی ؓ نے ایک مؤذن کو عشاء کی نماز کے لیے تنویہ کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو (۱)۔“

16

[المبسوط: ۱۳۰-۱۳۱، بحر الرائق: ۲۶۱:۱]

[۵] چاشت کی نماز مستحب ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے خود پڑھی اور صحابہ کرام ؓ کو ترغیب بھی دی اور وصیت بھی کی۔ [صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين [۶] باب استحباب صلاة الضحیٰ [۱۳] حدیث: ۸۰- [۳۳۶] فجمہور العلماء علی استحباب الضحیٰ. [شرح صحیح مسلم نووی: ۵: ۲۳۰]

”اور جمہور علماء اسے مستحب سمجھتے ہیں۔“

مگر مع ہذا ایک بلند پایہ صحابی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسی چاشت کی نماز کو بدعت کہتے ہیں۔ [صحیح بخاری، کتاب العمرۃ [۲۶] باب کم اعتمر النبی ﷺ [۳] حدیث: ۱۷۷۵، صحیح مسلم، کتاب الحج [۱۵] باب بیان عدد عمر النبی ﷺ [۳۵] حدیث: ۲۲۰- [۱۲۵۵]

کیوں؟ کیا جو کام رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو وہ بھی بدعت ہے؟ اس کا مفہوم علماء کرام نے یہ بتایا ہے کہ سیدنا ابن عمر ؓ کبھی ایسے کام کو بدعت نہیں کہہ سکتے جس کو نبی کریم ﷺ نے کیا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی ہو اور اس کی وصیت کی ہو۔ دراصل بات یہ تھی کہ سیدنا ابن عمر ؓ نے جب لوگوں کو دیکھا کہ ایک مستحب کے ساتھ فرض کا معاملہ کرنے لگ گئے ہیں اور فرائض کی طرح اس نماز کی مواظبت شروع کر دی، پھر گھروں کی بجائے مسجد میں اس کی ادائیگی شروع کر دی یہ سب باتیں دیکھ کر اس پر بدعت کا فتویٰ دیا۔ [شرح صحیح مسلم نووی: ۵: ۲۳۰]

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ:

[۱] کیا بیعت اجتماعی کے ساتھ مروجہ عشاء بعد السنن مستحب ہے؟

(۱) امام نووی کی یہ عبارت المصنوع شرح المہذب میں مجھے نہ مل سکی۔

[۲] اس کے مستحب ہونے کی دلیل کیا ہے؟

[۳] کیا رسول اللہ ﷺ سے ساری عمر میں ایک دفعہ ثابت ہے یا کیا آپ ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے؟

[۴] کیا خلفائے راشدین رحمہم اللہ کے عمل سے ثابت ہے؟

[۵] کیا دوسرے صحابہ کرام رحمہم اللہ اس پر عمل پیرا تھے؟

[۶] کیا تابعین یا اتباع تابعین اس پر عامل تھے؟

[۷] کیا کسی مجتہد کے قیاس سے اس کا ثبوت ملتا ہے؟

اگر نہیں اور جواب یقیناً نفی میں ہے تو:

[۱] کیا اس مردود دعا کو لازمی قرار نہیں دیا گیا ہے؟

[۲] اسے باعث ثواب اور مستحب نہیں گردانا جاتا جیسا کہ البصائر: ۹۷۱ میں ہے؟

[۳] اس کے تارک کو وہابی اور خارجی کے طعنے نہیں دیے جاتے؟

[۴] کیا اس پر التزام نہیں کیا جاتا؟

اگر جواب ہاں میں ہے اور یقیناً جواب ہاں میں ہے تو اس کے بدعت نہ ہونے کی دلیل کیا ہے؟

فقہ میں اس استدلال کے نظائر

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی^(۱) لکھتے ہیں:

[۱] ویکره أن يتنفل بعد طلوع الفجر بأكثر من ركعتي الفجر، لأنه الصلوة لم يزد عليهما

مع حرصه على الصلاة. [ہدایہ اولین: ۷۷]

”طلوع فجر کے بعد صبح کی دو رکعت سنتوں کے علاوہ نفل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے

ثابت اور منقول نہیں، باوجودے کہ آپ ﷺ نماز پڑھنے کے بہت حریص تھے۔“

(۱) علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل فرغانی مرغینانی ابوالحسن برہان الدین۔ فقہائے احناف کے اکابر میں سے تھے۔

۵۳۰ھ = ۱۱۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ فرغانہ کے نواحی علاقے مرغینان کی طرف نسبت ہے۔ حافظ مفسر، محقق اور

ادیب تھے۔ ۵۹۳ھ = ۱۱۹۷ء کو وفات پائی۔ [الجواہر المہدیۃ: ۲۳۸، ترجمہ: ۹۷۱، اعلام: ۲۶۶: ۲۶۶]

[۲] وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمَصَلَّى قَبْلَ صَلَاةِ الْعِيدِ لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مَعَ حَرَصِهِ عَلَى

الصَّلَاةِ. [ہدایہ اولین: ۱۵۳]

”عید گاہ میں نماز عید پڑھنے سے پہلے نفل نہ پڑھیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے باوجود نماز پر حرص ہونے کے نہیں پڑھے ہیں۔“

[۳] وَلَيْسَ فِي الْكُسُوفِ خُطْبَةٌ لِأَنَّهُ لَمْ يَنْقُلْ. [ہدایہ اولین: ۱۵۶]

”نماز کسوف کے وقت خطبہ نہیں، کیونکہ اس کا نقل اور ثبوت نہیں۔“

[۴] وَلَا يَقْلِبُ الْقَوْمَ أَرْضِيَّتَهُمْ لِأَنَّهُ لَمْ يَنْقُلْ أَنَّهُ ﷺ أَمَرَ هُمْ بِذَلِكَ. [ہدایہ اولین: ۱۵۷]

”[نماز استسقاء میں] قوم اپنی چادریں نہ پٹیں کیونکہ اس کا ثبوت موجود نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کا حکم دیا ہو [باوجودے کہ خود اپنی چادر پٹ دی تھی]۔“
آپ نے دیکھ لیا کہ عدم نقل، دلیل ہے کراہت کی اسی لیے ملا علی قاری لکھتے ہیں:

وَالْمَتَابَعَةُ كَمَا تَكُونُ فِي الْفِعْلِ تَكُونُ فِي التَّرْكِ أَيْضاً فَمَنْ وَاضَّ عَلَى فِعْلٍ لَمْ يَفْعَلْهُ

الشارع ﷺ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ. [مرآة المفاتيح: ۹۵؛ بذیل حدیث: ۱]

”اتباع جس طرح کرنے میں ہوتی ہے بالکل اسی طرح کسی چیز کے ترک کرنے میں بھی ہوتی

ہے پس جو کوئی کسی ایسے کام پر مداومت کرے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہو تو وہ بدعتی ہے۔“

سوال: جب رسول اللہ ﷺ نے سنن و نوافل مسجد میں ادا نہیں کیں تو اُن کا مسجد میں ادا کرنے والا بھی بدعتی ٹھہرا؟

جواب: یہ کس نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام سنن و نوافل گھر میں پڑھے ہیں۔ ہمیں اچھی طرح علم ہے کہ آپ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے رہے اور تمام عمر میں اعتکافوں کے دوران یہ بات کہیں ثابت نہیں کہ آپ سنن و نوافل کے لیے مسجد سے باہر تشریف لے گئے ہوں پس یہ تو ثبوت ہوا مسجد میں سنتیں پڑھنے کے جواز کا، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھئے کہ مسجد میں سنن پڑھنے کے باوجود کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے سنتوں کے بعد اجتماعی دعاء مانگی ہو۔

جب کہ ایک حدیث میں وارد ہے: کان رسول اللہ ﷺ يطيل القراءة في الركعتين بعد المغرب حتى يتفرق أهل المسجد.

[سنن ابی داؤد کتاب الصلاة [۲] باب رکعتی المغرب ابن تصلیان [۳۰۴] حدیث: [۱۳۰۱]
”رسول اللہ ﷺ مغرب کی سنتوں کا قیام اتنا طویل کرتے کہ نمازی گھروں کو واپس لوٹے ہوئے ہوتے۔“

لیکن یہ روایت ضعیف ہے اس لیے کہ اس کی سند میں یعقوب بن عبد اللہ مفتی ہے جس کی کنیت ابوالحسن ہے۔ صدوق تھا اور وہم کا شکار ہوا کرتا تھا۔ [تقریب التہذیب: ۶۳۹، ترجمہ: ۷۸۲۲]

مروجہ دعاء بعد السنن کے بارے میں علمائے دیوبند کی عبارات

[۱] مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

”احادیث و فقہ سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتی کہ قرون ثلاثہ میں دعاء کا یہ طریقہ تھا کہ سنتیں، نفلیں پڑھ کر ساری جماعت دعاء مانگتی ہو اور جب اس پر یہ قیود اور بڑھ جائیں کہ امام لوگوں کے فارغ ہونے تک ان کا انتظار کر لے اور پھر الفااتحہ بلند آواز سے کہہ کر دعاء شروع کرے تو اس طریقہ کا طریقہ جدیدہ و محدثہ ہونا اور بھی پختہ ہو جاتا ہے پھر اس پر اگر اس التزام کا بھی لحاظ کر لیا جائے جو بعض اطراف میں مشاہدہ ہے کہ اس طریقہ دعاء کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو ملامت کرتے ہیں تو پھر اس کے بدعت ہونے میں کسی طرح کا شک و شبہ باقی نہیں رہتا کیونکہ شریعت مقدسہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی امرِ مباح یا مستحب کو بھی ضروری سمجھ لیا جائے اور اس پر اصرار کیا جائے تو وہ بدعت ہو جاتا ہے۔“ [کفایۃ المفتی ۳: ۳۳۷، جواب: ۵۵۸، النفاکس المرغوبہ: ۴]

[۲] مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں: ”دُعَاء بعد السنن بالھیئۃ

الاجتماعیۃ پر نہ تعامل ثابت ہے اور نہ کسی حدیث و اثر سے اس کا ثبوت ہے تو اس پر اجتماع اور اس کا التزام بلاشبہ بدعت کی حد میں آ جاتا ہے۔“ [امداد المفتیین: ۱۹۵، سوال: ۸۹]

[۳] مولانا محمد یوسف صاحب بنوری لکھتے ہیں: إنه بدعةٌ تَصَمَّنَتْ بدعاتٍ کثیرۃ لا أری

لمثل هذا وجهة من السنة. [معارف السنن ۳: ۱۲۵]

”یہ ایک ایسی بدعت ہے جس نے کئی بدعات اپنے اندر لپیٹ لیے ہیں۔ میں اس کو سنت نہیں جانتا۔“

[۴] مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں: ”یہ بدعت ہے اس کی کچھ اصل نہیں بالخصوص التزام اور اصرار کی وجہ سے یہ بدعت سینہ میں داخل ہے۔“ [امداد الاحکام: ۸۷]

[۵] مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر لکھتے ہیں: ”بعض علاقوں میں سنتوں اور نوافل کے بعد اجتماعی طور پر دعا کا خاصا اور خوب اہتمام کیا جاتا ہے اور دعائے کرنے والے کو بنظر حقارت دیکھا جاتا ہے حالانکہ یہ کارروائی نری بدعت ہے۔ علماء کو اس سے سختی کے ساتھ گریز کرنا چاہیے اور علی الخصوص علماء حق کو جو بعض علاقوں میں رسمی اور رواجی طور پر اس بدعت اور مکروہ فعل میں مبتلا ہیں۔“ [حکم الذکر بالجبر: ۱۵۱]

[۶] مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی لکھتے ہیں:

”اس میں کوئی شک نہیں کہ نوافل کے بعد دعائے مانگنا احادیث سے ثابت ہے اور کبھی اتفاقاً کسی نے امام کے ساتھ دعائے مانگ لی تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، کلام تو اس میں ہے کہ ساری جماعت امام کے فارغ ہونے تک منتظر بیٹھی رہتی ہے اور اس کا اس قدر التزام کیا جاتا ہے کہ پہلے اٹھ جانے کو معیوب سمجھا جاتا ہے اور اس پر انکار اور لعن طعن کیا جاتا ہے اگر امام زیادہ دیر تک نوافل میں مشغول رہا تو بھی کافی دیر تک انتظار کی زحمت اٹھائی جاتی ہے۔ امام بھی اس قدر التزام کرتا ہے کہ اگر زیادہ دیر تک نوافل ادا بین وغیرہ پڑھنا چاہتا ہے تو پہلے دعائے مانگ کر مقتدیوں کو فارغ کر کے مزید نوافل میں مشغول ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ امام اور مقتدیوں دونوں کی طرف سے مثل واجب اس کا اہتمام کیا جاتا ہے پھر دعاء میں بھی مخصوص طریق کا التزام کیا جاتا ہے امام کے ساتھ بیہمت اجتماعیہ دعائے مانگنا رسول اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں، جس کا وجود ہی ثابت نہ ہو اسے وجوب کا درجہ دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ جو امر رسول اللہ ﷺ اور قرون مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہ ہو اسے ثواب تصور کرنا یہ سمجھنے کے مترادف ہے کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دین کو سمجھا نہیں یا پوری طرح پہنچایا

نہیں اس لیے دین ناقص رہا جس کی تکمیل آج ہم کر رہے ہیں حالانکہ ارشاد ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ یہ لوگ اپنے عمل سے اس آئیہ کریمہ کی تکذیب کر رہے ہیں چونکہ اکمال دین اور اتمام نعمت ہو چکا ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ اُحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هَذَا فَهُوَ رَدٌّ، دعاء مَبْثُوثٌ عنہا میں عدم جواز کے دونوں سبب موجود ہیں التزام بھی اور موہم زیادہ بھی اگر یہ دعاء ثابت ہوتی اور مندوب بھی ہوتی تب بھی ناجائز ہو جاتی چہ جائے کہ اس کا ثبوت اور وجود ہی نہیں۔“ [احسن الفتاویٰ: ۳۳۱]

مولوی حمد اللہ صاحب اور حافظ کفایت اللہ صاحب ڈاگئی کی رائے

[۱] مولوی حمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: إن الدعاء بالهيئة الاجتماعية المعمولة مستحب.

[البصائر المنكري التوسل بابل القابر: ۱۵۵]

”بے شک مروجہ دعاء ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ مستحب ہے۔“

[۲] حافظ کفایت اللہ صاحب ڈاگئی لکھتے ہیں: ”دعاء بعد السنن بالهيئة الاجتماعية بدعت نہیں بلکہ

فقہاء اسے مستحب اور واجب کہتے ہیں۔“ [الذخائر: ۳۲]

اب اگر کوئی یہ پوچھے کہ اس کے مستحب ہونے کا دلیل کیا ہے؟ اور کس مجتہد اور کس فقیہ نے اس دعاء کو مستحب اور واجب کہا ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری عمر میں اس پر عمل کیا ہے؟ یا کیا کسی صحابی کے عمل سے ثابت ہے؟ یا کسی تابعی، تبع تابعی اور کسی امام فقیہ اور مجتہد کے قول و عمل میں اس کا ثبوت موجود ہے؟ اگر موجود ہے تو بیان کیجئے۔ بات لگی پلٹی نہ ہو۔ دلوک ہو۔ صریح اور صحیح سند سے ثابت ہو۔

علماء دیوبند کے آراء آپ نے ملاحظہ کیں جو سارے کے سارے اس دعاء کو بدعت کہتے ہیں کیا یہ فقہاء نہیں جو اس دعاء کو بدعت کہتے ہیں اس سے منع کرتے ہیں اور اسے مکروہ قرار دیتے ہیں؟

مفتی محمد فرید صاحب کا انکشاف

مفتی محمد فرید صاحب نے فرمایا ہے: ”ہندوستان اور انک کے اُس پار والے علماء دعاء بعد السنن

ہیئت اجتماعی اور حیلہ استقاط میں خفی مسلک کے خلاف ہیں۔“ [تجلیات فریدی: ۲۱۸]

اس پر سوائے اِنَّا لِلّٰہ اور لا حولَ ولا قوۃَ اِلَّا بِاللّٰہ العلی العظیم پڑھنے کے اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ سارے علمائے دیوبند کو فقہ حنفی کے خلاف جاننا مفتی صاحب کر سکتے ہیں، مجھ جیسا چھوٹا شخص اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

دعاء کے لیے تین بار ہاتھ اٹھانا

مولوی حمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: نو ذکر الإمام مسلم في واقعة بقیع الغرقد أنه رفع يديه ثلاثاً قال الإمام النووي: فيه استحباب إطالة الدعاء وتكرار رفع اليدين.

[البصائر المنكرى التوسل بابل القاهر: ۱۴۹؛ پشاور ۱۸۱۸ ترکی]

”اور امام مسلمؒ نے واقعہ بقیع الغرقد میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعاء کے لیے تین مرتبہ ہاتھ اٹھائے، امام نوویؒ نے کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طویل دعاء کرنا اور دعاء میں بار بار ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔“

حافظ کفایت اللہ صاحب ڈاگئی لکھتے ہیں: ”مشکوٰۃ ص: ۱۳۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین دفعہ دعاء کے لیے ہاتھ اٹھائے۔“ [الذخائر لائل البصائر: ۳۱]

مولوی صاحب! ہمیں معلوم ہے کہ یہ حدیث صحیح مسلم [کتاب الجنائز: ۱۱] باب ما یقال عند دخول القبور والدعاء لابیہا [۳۵] رقم: ۱۰۳- [۹۷۴] کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بقیع میں تین دفعہ ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگی۔ اس کے بارے میں مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی لکھتے ہیں:

”بقیع والی حدیث کے مندرجہ ذیل جوابات دیے جاسکتے ہیں:

[۱] واقعہ واحدہ اتفاقیہ سے التزام پر استدلال درست نہیں زیادہ سے زیادہ جواز بلا التزام پر استدلال ثابت ہوگا۔ التزام بہر حال ناجائز ہے۔

[۲] ممکن ہے کہ مختلف قبور پر متعدد دفعہ رفع ایدی [ہاتھ اٹھانا] ہوا ہو۔

[۳] یہ بھی احتمال ہے کہ ایک دفعہ دعاء ختم کرنے کے بعد جدید دعاء کا کوئی خاص داعیہ، مثلاً مزید رقتِ قلب و شانِ رحمت پیدا ہوا یا اسی طرح دوسری دعاء ختم کرنے کے بعد تیسری دفعہ رفع ایدی خاص داعیہ کے تحت ہو۔

[۳] ممکن ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہو یا اس طور کہ پہلے خصوصی شفاعت کے طور پر دعاء فرمائی ہو۔ ختم کرنے پھر مزید دعاء کرنے کا امر الہی ہوتا گیا۔

ان توجیہات کی ضرورت اس لیے ہے کہ اصل میں حدیث کا مفہوم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے صحابہ تابعین اور ائمہ کے قول و عمل کا ملاحظہ ضروری ہے جو کام عبادت سمجھ کر رسول اللہ ﷺ نے ہزاروں صحابہ کے روبرو کیا ہو پھر دعاء کا واقعہ کوئی عمر بھر میں ایک آدھ نہیں بلکہ دن میں کئی مرتبہ کا ہے پس اگر تثلیث دعاء کا کوئی ثبوت ہوتا اور صحابہ اسے ثواب سمجھتے تو ضرور وہ اسے نقل کرتے اور خود بھی اس پر عمل کرتے حالانکہ امت میں سے کسی نے نہ اسے نقل کیا اور نہ ہی اس کے مطابق عمل کیا۔“ [احسن الفتاویٰ: ۱/۳۴۳]

مفتی محمد رفیع صاحب لکھتے ہیں: ”چونکہ یہ تثلیث عوام کے لیے اس کے مسنون ہونے کے اعتقاد کی طرف پہنچانے والے ہے لہذا قواعد کی رو سے یہ تثلیث مکروہ ہے۔“ [المقالات: ۴۳]

ایک اور اعتراض

یہ لوگ استدلال میں یہ عبارت بھی پیش کرتے ہیں: یستحب للإمام بعد سلامه أن يتحول إلى يساره للتطوع بعد الفرض؛ وأن يستقل بعده الناس..... ثم يدعون لأنفسهم.

[نور الایضاح: ۸۰]

”امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ فرض کا سلام پھیرنے کے بعد سنن پڑھنے کے لیے بائیں طرف ہٹ جائے اور اس کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے پھر سب اپنے لیے دعاء مانگیں۔“

ان لوگوں کا کہنا کہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دعاء بعد السنن بالهيئة الاجتماعية المروجة مستحب ہے لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ کیا صاحب نور الایضاح نبی ہیں یا صحابی تابعی یا مجتہد؟ کہ ان کی بات بلا دلیل مانی جائے کیونکہ کسی کام کو مستحب کہنے کے لیے دلیل شرعی کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ کتب اصول فقہ میں مصرح ہے۔ نور الایضاح کے مصنف نے استحباب کا حکم لگانے پر کون سی شرعی دلیل پیش کی ہے؟ صرف عبارت پیش کرنے کا نام دلیل نہیں ہوتا بلکہ:

الأصل في الأحكام التمسك بالكتاب والسنة ومحاربة الهوى والبدعة، ولزوم طريق

السنة والجماعة“الذي كان عليه الصحابة والتابعون؛ ومضى عليه الصالحون؛ والقياس المعنى المُستنبط من هذه الأصول. [اصول يزدوی: ۵۳]

”شرعی احکام میں اصل بات یہ ہے کہ قرآن و سنت کو مضبوط پکڑا جائے۔ خواہشات کی پیروی اور بدعت سے اجتناب کر لے اہل سنت اور جماعت کے طریقے کو مضبوط پکڑے جو سب صحابہ اور تابعین کی راہ تھی اور مجتہد کا وہ قیاس جو ان اصول سے مستنبط ہو۔“

صاحب نور الایضاح نے ان میں کون سی دلیل پیش کی ہے؟ اور جب دلیل پیش نہیں کی تو ان کی بات پر کاہ کے برابر نہیں چہ جائے کہ وہ حجت بن جائے، حالانکہ علامہ ابن عابدین شامیؒ اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

إن إبراهيم بن يوسف روى عن أبي يوسف عن أبي حنيفة أنه قال: لا يحل لأحد أن يفتي بقولنا ما لم يعرف مأخذ من الكتاب والسنة.

[رسائل ابن عابدین: ۱۳۵، ۲۸: ۱ الفوائد البيرية: ۳۰؛ تحت ترجمہ: ۸]

”ابراہیم بن یوسفؒ امام ابو یوسفؒ سے اور وہ امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتویٰ دے جب تک وہ اس کے لیے قرآن و سنت کی دلیل نہ پائے۔“

جب امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ کا یہ ارشاد ہے کہ میرا قول بغیر شرعی دلیل و برہان کے قبول نہ کرو تو باقی رہتا کون ہے کہ اس کی بات بلا دلیل تسلیم کی جائے؟

[۲] صاحب نور الایضاح کا قول نص نہیں بلکہ محتمل ہے کیونکہ انہوں نے اذکار و اوردہ بعد الفرض کے عنوان کے نیچے یہ عبارت لکھی ہے چنانچہ مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

”نور الایضاح کی عبارت میں صرف دعاء بعد النوافل کا ذکر ہے یہ نہیں لکھا کہ امام اور مقتدی مل کر دعاء کریں، یعنی سب لوگ دعاء کریں، مگر امام کے ساتھ مقتدیوں کا تعلق ہو اس کا کوئی ثبوت نہیں مثلاً نماز فجر کے بعد متعدد لوگ بیک وقت تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے ہیں بظاہر یہ تلاوت اجتماعی ہوتی ہے مگر درحقیقت ہر شخص اپنے طور پر اپنی تلاوت میں مشغول ہے کسی کا دوسرے کے

ساتھ کوئی تعلق نہیں، نہ ابتداء ایک ساتھ کرنے کا اہتمام ہوتا ہے اور نہ انتہا، بلکہ ہر شخص اپنی فرصت اور ہمت کے مطابق تلاوت کر کے فارغ ہو جاتا ہے اسی طرح فرض کے بعد والی دعاء بھی امام کے ساتھ مل کر کرنا ثابت نہیں، اگر اتفاقاً امام کے ساتھ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، التزام کی وجہ سے یہ فعل بدعت ہو جائے گا۔“ [احسن الفتاویٰ ۱: ۳۴۵]

ایک اور اعتراض

یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ حاشیۃ الخطاوی علی مراقی الفلاح میں دعاء بعد السنن بالہیئة الاجتماعیۃ کے استحباب کی تصریح موجود ہے اس کا جواب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے سنیے جو لکھتے ہیں: ”علامہ طحاویؒ کی عبارت احقر کی نظر سے بھی گزری ہے لیکن اس کی تو کوئی توجیہ میری سمجھ نہیں آئی اور قواعد مسلمہ کے خلاف صرف ان کی یہ تصریح ہمارے مشائخ کے نزدیک قابل تقلید و اتباع نہیں ہے۔“ [امداد المفتیین: ۱۹۵، سوال: ۸۹]

[۴] چوتھی بحث: حیلہ اسقاط

مولوی صاحب نے حیلہ اسقاط کے اثبات اے مستحب و مستحسن قرار دینے اور اس سے متعلقہ مباحث پر البصائر لمنکری التوسل بأهل المقابر کے صفحات: ۱۵۵-۱۶۳ سیاہ کیے ہیں۔ مگر وائے بے بختی! علمائے دیوبند میں سے چوٹی کے عالم مفتی کفایت اللہ صاحب نے حیلہ اسقاط مروج کی تردید میں دلیل الخیرات فی ترک المنکرات کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ نیز علمائے دیوبند کے مختلف ادوار میں دیے گئے ان گنت فتاویٰ میں مروج حیلہ اسقاط کو بدعت ہی کہا گیا ہے۔

مولوی صاحب لکھتے ہیں: ذکر فی الفتاوی السمرقندیۃ دوران أجزاء القرآن و کذا الواقدي فی فتوح الشام فقال: أخبرہ أبو عاصم عن ابن جریج عن ابن شہاب عن أبي سلمة عن أبي موسى قال: فعل عمر رضی اللہ عنہ أي: دوران أجزاء القرآن. [البصائر لمنکری التوسل بأهل المقابر: ۱۶۶، پشاور ۲۰۰۳، ترکی]

”فتاویٰ سمرقندیہ میں [حیلہ اسقاط میں] قرآن مجید کے اجزاء کا دور ثابت ہے اسی طرح واقدی نے

فتوح الشام میں ابو عاصم عن ابن جریج عن ابن شہاب عن ابی موسیٰ کے سند سے لکھا ہے کہ سیدنا عمر ؓ نے [جلد اسقاط میں] قرآن مجید کے اجزاء کا دور کیا تھا۔

اس بارے میں عرض ہے:

۱: مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں: ”امیر المؤمنین فاروق اعظم ؓ اور ان کے سوا اور حضرات سے جو کچھ روایات بے سرو و پا اس عبارت میں مذکور ہیں سب باطل و افتراء ہیں۔ نہ یہ عبارت فتاویٰ سمرقندیہ میں ہے، اُس پر بھی افتراء ہے اور بے چارہ افتراء کرنے والا عربی عبارت بھی باقاعدہ نہ بنا سکا، اپنی ٹوٹی پھوٹی جاہلانہ خرافات کو صحابہ و ائمہ کی طرف منسوب کیا۔“

[فتاویٰ رضویہ ۸: ۱۷۵]

۲: فتوح الشام اور فتاویٰ سمرقندیہ دونوں بازار میں دستیاب ہیں۔ ہمت ہے تو یہ عبارت ان میں سے دکھائی جائے۔

۳: اس روایت میں ابو عاصم کون ہے؟ کچھ علم نہیں۔

۴: ابن جریج: عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج مکی فقیہ حجاز۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: بدترین اور قبیح ترین تدلیس ابن جریج کی ہے اس لیے کہ وہ ہمیشہ مجروح راوی کی روایت میں تدلیس کرتا ہے۔ [تعریف اہل التقدیس: ۹۵، ترجمہ: ۸۳-۱۷۷] اور اُس کی یہ روایت معنعن ہے۔

۵: ابن شہاب: محمد بن مسلم زہری مدلس ہیں۔ [تعریف اہل التقدیس: ۱۰۹، ترجمہ: ۱۰۲-۱۳۶] اور ان کی یہ روایت معنعن ہے۔

۶: حافظ ذہبیؒ واقعی کے بارے میں اپنے ربیما رکس ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

وقد تَقَرَّرَ أَنَّ الْوَاقِدِيَّ ضَعِيفٌ يُحْتَاجُ إِلَيْهِ فِي الْغَزَوَاتِ وَالتَّارِيخِ وَنُورُ دُائِرَتِهِ مِنْ غَيْرِ احْتِجَاجٍ أَمَّا فِي الْفَرَائِضِ فَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُذَكَّرَ، فَهَذِهِ الْكُتُبُ السِّتَةُ وَمُسْنَدُ أَحْمَدَ وَعَامَّةُ مَنْ جُمِعَ فِي الْأَحْكَامِ نَرَاهُمْ يَتَرَخَّصُونَ فِي اخْرَاجِ أَحَادِيثِ أَنْاسٍ ضُعَفَاءُ، بَلْ وَ مَتْرُوكِينَ، وَمَعَ هَذَا لَا يُخْرِجُونَ لِمُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ شَيْئًا مَعَ أَنَّ وَزَنَهُ عِنْدِي أَنَّهُ مَعَ ضَعْفِهِ يُكْتَبُ حَدِيثُهُ وَيُرْوَى، لِأَنِّي لَا أَنْتَهُم بِالْوَضْعِ، وَقَوْلُ مَنْ أَهْدَرَهُ فِيهِ مَجَازَفَةٌ مِنْ بَعْضِ الْوُجُوهِ، كَمَا أَنَّهُ لَا عِبْرَةَ بِتَوْثِيقِ مَنْ وَثَّقَهُ كِزِيدُ، وَأَبِي عُبَيْدٍ، وَالصَّاعَانِيُّ، وَالْحَرَبِيُّ، وَمَعْنُ

وَتَمَامَ عَشْرَةِ مَحْدُثِينَ إِذْ قَدْ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ الْيَوْمَ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ بِحُجَّةٍ وَأَنَّ حَدِيثَهُ فِي عِدَادِ الْوَاهِي. [سیر اعلام النبلاء ۹: ۳۶۹]

”یہ بات ہر کسی کو معلوم ہے کہ واقدی ضعیف تھے۔ ہم تاریخ اور غزوات میں اُن کی روایات کے محتاج ہیں۔ ہم استدلال و احتجاج کیے بغیر اُن کی روایات نقل کرتے ہیں اگرچہ فرائض کے سلسلے میں اُن کی روایات کو ذکر کرنا غیر مناسب ہے مگر اس کے باوجود اُن کا مرتبہ میرے نزدیک یہ ہے کہ ضعیف ہونے کے باوجود اُن کی روایات لکھی اور نقل کی جائیں کیونکہ میرے نزدیک وہ حدیث گھڑنے سے بدنام نہیں ہے لیکن جن محدثین مثلاً: یزید، ابوعبید، صاعانی، حربی، معن اور دیگر چند لوگوں نے واقدی کی جو توثیق کی ہے وہ قطعاً بے اعتبار ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ واقدی حجت نہیں اور اُن کی روایات وانی [کزور] روایات کی ذیل میں آتی ہیں۔“

امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں: واقدیؒ متروک الحدیث تھا۔

[تاریخ کبیرا: ۱۷۸، تاریخ اوسط ۲: ۲۲۰، تاریخ صغیر ۲: ۲۸۳، ضعفاء صغیر، بخاری ترجمہ: ۳۳۳، الضعفاء و

الترک و کین نسائی ترجمہ: ۳۳۳]

امام احمدؒ فرماتے ہیں: کان یقلبها یعنی: احادیث. [العلل و معرفة الرجال ۳: ۲۶۳، فقرہ: ۵۱۶۶]

”احادیث میں ہیر پھیر کیا کرتے تھے۔“

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: کتب الواقدي کلها کذب. [الجرح والتعديل ۸: ۲۱]

”واقدی کی ساری کتابیں جھوٹی ہیں۔“

امام اسحاق بن راہویہؒ فرماتے ہیں: إنه عندي ممن يضع الحديث.

[الجرح والتعديل ۸: ۲۱، سیر اعلام النبلاء ۹: ۳۶۲]

”میرے نزدیک اس کا شمار واضعین حدیث میں ہوتا ہے۔“

امام نسائیؒ فرماتے ہیں: چار شخص وضع احادیث میں بہت مشہور ہیں: مدینہ منورہ میں ابن ابی یحییٰ، بغداد میں واقدی، خراسان میں مقاتل بن سلیمان اور شام میں محمد بن سعید۔

[سیر اعلام النبلاء ۹: ۳۶۳]

امام ابن معینؒ فرماتے ہیں: ہم نے واقدی کی روایات کا جائزہ لیا، اُن کی وہ سب روایات

منکر ہیں جو انہوں نے مدنی مجہول رِوَاۃ سے لی ہیں۔ پھر ہم نے جائزہ لیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ ممکن ہے کہ یہ منکر روایات اس کی ہوں، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اُن کے مجہول اساتذہ کی ہوں پھر اس کی اُن روایات کا جائزہ لیا جو ابن ابی ذئب اور معمر کی سند سے تھیں، اس لیے کہ اُن کی روایات کو بھی یہ ضبط کیا کرتا تھا مگر ہم جلد ہی اس نتیجہ پر پہنچے کہ اُن سے نقل کردہ روایات میں بھی نکارت ہی ہے اس لیے ہم نے اُس سے روایت لینا ہی چھوڑ دیا۔ [الجرح والتعديل ۸: ۲۱]

اس روایت سے استدلال کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں، یہ الگ بات ہے کہ مولانا صاحب اور اُن کے حواریوں کو اس جھوٹی روایت پر ناز ہے۔



البصائر کی تَذْنِیْب

مولوی حمد اللہ صاحب نے تَذْنِیْب میں کئی مسائل کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے چند ایک کے متعلق ذیل میں بحث کی جاتی ہے۔

[۱]

مولوی صاحب نے سب سے پہلے حافظ ابن تیمیہؒ کو تحتہ مشق بنایا ہے۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں:
 ظهر ابن تیمیہ فی ۷۰۵ھ وکان یقول بكون الله تعالى مجسماً، تعالى الله عن ذلك علواً كبيراً، ویقول بحرمة السفر بقصد الزیارة النبویة، وکان طریقہ تحقیق بعض الخلفاء الراشدين، و توهين الأئمة المجتهدين، و الدلیل علی ذلك کتابہ المسمى بصراط مستقیم. [البصائر لمکری التوکل بابل القایر: ۱۷۸]

”ابن تیمیہ ۷۰۵ھ میں ظاہر ہوئے، اُن کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہیں، یہ بھی کہا کرتے تھے کہ زیارت نبوی کے ارادہ سے سفر کا حرام ہے۔ بعض خلفائے راشدینؓ کی تحقیر اور ائمہ مجتہدین کی توہین کا مرتکب ہوئے۔ اُن کی کتاب صراط مستقیم اس کا واضح ثبوت ہے۔“

مجھے یقین ہے کہ مولوی صاحب نے حافظ ابن تیمیہؒ کی کوئی کتاب خود نہیں پڑھی ہے بلکہ محض سنی سنائی باتوں یا اُن کے مخالفین کے منفی پروپیگنڈہ سے متاثر ہوئے ہیں۔ اُن کی کسی بھی کتاب میں خلفائے راشدینؓ اور ائمہ مجتہدین کی توہین و تحقیر نہیں کی گئی ہے اور نہ وہ تجسیم الہی کے قائل ہیں اُن کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم سو وہ بنیادی طور پر قبروں سے متعلق بدعات و رسومات کے رد میں لکھی گئی ہے۔ عام ملتی ہے۔ متداول ہے۔ اُس میں کسی صحابی یا امام مجتہد کی تضحیک و توہین نہیں کی گئی۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: أقول صانعهما الله [ابن تیمیہ و ابن القیم] عن هذه السمة الشنيعة و النسبة الفظيعة [یعنی التذنیب] رَسَن طالع شرح منازل السائرین لنديم الباری الشيخ

عبد اللہ الأنصاري الحنبلي، وهو شيخ الإسلام عند الصوفية حال الإطلاق بالإتفاق، تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُمَا كَانَا مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، بَلْ وَمِنْ أَوْلِيَاءِ هَذِهِ الْأُمَّةِ.

[مرقاۃ المفاتیح: ۸: ۱۳۸-۱۳۹، بذیل حدیث: ۴۳۴۰]

”میں [ملا علی قاری] کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے ان دونوں [حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم] کو اس شیعہ نام اور بدنام نسبت [تجسیم] سے محفوظ رکھا ہے۔ جس شخص نے شیخ عبد اللہ انصاری حنبلی - جو صوفیاء کے نزدیک بالاتفاق شیخ الاسلام ہیں - کی کتاب شرح منازل السائرین پڑھی ہے اُس پر یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی ہوگی کہ وہ دونوں [حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم] اہل سنت و جماعت میں سے تھے بلکہ اس امت کے اولیاء میں سے تھے۔“

[۲]

مولوی صاحب نے علامہ محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

وهو كان من الخوارج كما ذكر العلامة الشامي ۳: ۳۳۷، باب البغاة. [البصائر: ۱۷۹]
 ”آپ خوارج میں سے تھے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے ۳: ۳۳۷ میں باب البغاة میں ذکر کیا ہے۔“
 اور آگے لکھا ہے: فنقول قد عرفت حال محمد بن عبد الوهاب النجدي أنه كان من الخوارج؛ وخرج من النجد، وتغلب على الحرمين الشريفين؛ وكان يدعي الحنبلية، وكانت عقيدته أن ينسب الشرك إلى من كان مخالفاً عن عقيدته ويبيح قتل علماء أهل السنة ويبيح أكل أموال المسلمين وسفك دماهم إلى أن كسر الله شوكتهم، ذكر في عقائد علماء الديوبند أن عقيدتنا في حقه ما قال صاحب الدر المختار ومثل هذا ذكر العلامة الشامي في ۳: ۳۳۷ باب البغاة، ومثل ذلك ذكر في التنقيح الحامدية في ۱: ۱۰۳ باب الردة. [البصائر: ۱۸۷، جاء الحق، مفتي احمد يار خان نعي بریلوی: ۴]

”آپ نے محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ کا حال تو پڑھ ہی لیا، جو خوارج میں سے تھے۔ نجد سے نمودار ہوئے تھے۔ حرین شریفین پر غلبہ حاصل کیا۔ حنبلی المسلک ہونے کے مدعی تھے اُن کا عقیدہ تھا کہ ہر وہ شخص مشرک ہے جو اُن جیسے عقائد نہیں رکھتا۔ اہل سنت و جماعت کے علماء کو حلال الدم کہتے تھے اور مسلمانوں کے اموال کو اپنے لیے جائز خیال کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے

رعب و بدبہ کو ختم کر ڈالا۔ عقائد علمائے دیوبند میں لکھا ہے کہ اُن [شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی] کے بارے میں ہمارا وہی عقیدہ ہے جسے صاحب درمختار علامہ شامیؒ نے بیان کیا ہے اور جو تنقیح الحامد یہ میں درج ہے (۱)۔“

مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے بارے میں علامہ محمد امین ابن عابدین شامیؒ [رد المحتار ۳: ۳۳۹] کے یہ ریمارکس قطعاً غلط بے اصل اور بے بنیاد ہیں، اور مخالف سیاسی پروپیگنڈہ پر مبنی ہیں اس لیے کہ انہوں نے عبدالوہابؒ کے پیروکاروں کے بارے میں یہ سب کچھ لکھا ہے جب کہ وہابی تحریک انہوں نے نہیں بلکہ اُن کے فرزند محمدؒ نے برپا کی تھی۔ رہی المہند علی المہند اور دوسرے علمائے دیوبند کی شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف عبارتیں، سو اُن کی حقیقت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دیوبندی کی کتاب ”شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان کے علمائے حق“ میں پڑھی جاسکتی ہے جو متداول ہے۔

شیخ الطائفہ مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: عبدالوہاب نجدی کیسے شخص ہیں؟

(۱) مفتی عبدالحمید صاحب حقانی نے بھی اپنی کتاب اظہار الحق للمتمسکین بالحق کے صفحات ۲۳۳-۳۱ میں ”وہابیت کی مختصر تاریخ“ کے زیر عنوان یہی باتیں لکھی ہیں۔ مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہی مولانا منظور صاحب جن کی معارف الحدیث کے حوالے اُن کی اس کتاب میں جا بجا موجود ہیں، انہوں نے ”شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان کے علمائے حق“ کے نام سے ۱۳۰ صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے جسے قدیمی کتب خانہ کراچی نے شائع کیا ہے۔ مفتی صاحب کو چاہیے کہ اس کتاب کا ٹھنڈے دل سے بغور مطالعہ کریں اس میں انہیں معلوم ہو جائے گا کہ علامہ شامیؒ کی رد المحتار علمائے دیوبند کی تصدیقات [عرف عام میں المہند علی المہند یا عقائد علمائے دیوبند] محترم مولانا شاہ محمد انور صاحب کشمیری کی فیض الباری اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے الشہاب الثاقب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب صاحب نجدی کے بارے میں جو فتاویٰ درج ہیں، وہ حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ شیخ کے سیاسی مخالفین کے پروپیگنڈہ پر مبنی ہیں، اور جب المہند علی المہند کے مرتب مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور الشہاب الثاقب کے لکھنے والے مولانا حسین احمد صاحب مدنی کو حقیقت حال معلوم ہوئی تو انہوں نے شیخ کے بارے میں اپنی رائے اور موقف سے رجوع کر لیا۔ رہا فقہی فکری اختلاف سودہ نہ تو کوئی گناہ ہے اور نہ جرم!

جواب: محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا۔ سنا ہے کہ مذہب جنہی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا۔ بدعت و شرک سے روکتا تھا۔ مگر تشدید اس کے مزاج میں تھی۔

سوال: وہابی کون لوگ ہیں اور عبدالوہاب نجدی کا کیا عقیدہ تھا اور کون مذہب تھا اور وہ کیسا شخص تھا اور اہل نجد کے عقائد میں اور سنی حنفیوں کے عقائد میں کیا فرق ہے؟

جواب: محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب اُن کا جنہی تھا البتہ اُن کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ہوں اُن میں فساد آ گیا ہے اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی شافعی مالکی جنہی کا ہے۔ [تالیفات رشیدیہ: ۲۳۱-۲۳۲]

[۳]

مولوی صاحب لکھتے ہیں: کلا بل قول القائل یا رسول اللہ ویا محمد بطریق الاستعانة جائزٌ كما في المواهب اللدنية. [البصائر: ۱۸۰]

”نہیں! بلکہ کہنے والے کا استعانت کے طور پر یا رسول اللہ اور یا محمد کہنا جائز ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ہے۔“

مولوی صاحب! احناف کا مذہب ہے کہ عقیدہ کے باب میں صحیح خبر واحد بھی ناقابل قبول ہے تو کیا مواہب لدنیہ کے حوالے سے جو بات آپ نے لکھی ہے، کیا وہ درست ہے؟ مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ:

غائبانہ پکار عبادت ہے

اللہ تعالیٰ سے عاجزی و انکسار کے ساتھ گرو، گروا کر مانگنا نہ صرف عبادت بلکہ تمام عبادات کا نچوڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ. [سورۃ حم المؤمن: ۴۰: ۶۰]

”تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ مجھے ہی پکارا کرو میں تمہاری پکار کو پہنچوں گا اور تمہاری دعاء اور پکار کو قبول کروں گا“ واقعی جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عن قریب ذلیل ہو کر جہنم

میں داخل ہوں گے۔“

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ؛ ثُمَّ قَرَأَ: وَقَالَ رَبِّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ.
[سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ [۲] باب الدعاء [۳۵۸] حدیث: ۱۴۷۹، سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن [۳۸]

باب تفسیر سورۃ المؤمن [۴۱] حدیث: ۳۲۴۷]

”پکارنا عبادت ہے پھر آپ ﷺ نے قرآن عزیز کی یہی آیت کریمہ استشہاد کے طور پر پڑھی کہ
پکارنا عبادت ہے۔“

سیدنا ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ: لیس شیئاً اکرم علی اللہ من الدعاء.

[سنن ترمذی، حدیث: ۳۳۷۰، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۳۸۲۹]

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک پکار اور دعاء سے بڑھ کر پیاری اور عزیز چیز کوئی نہیں۔“

سیدنا ابو ہریرہؓ کی ایک اور روایت میں ہے کہ: مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللَّهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ.

[سنن ترمذی، کتاب الدعوات [۴۹] باب [۲] حدیث: ۳۳۷۳، المستدرک [۴۹۱:۱]

”جو اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اُس پر ناراض ہو جاتے ہیں۔“

غائبانہ طور پر کسے پکارا جائے؟

اس مختصر سے سوال کا جواب تو انتہائی مختصر ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا جائے اس لیے کہ وہ
ہر جگہ سے سنتا ہے ہر کسی کی زبان اور اُس کی تکلیف کو جانتا ہے اور ہر کسی کا سوال پورا کرنے پر قادر
ہے۔ اُس اللہ سے دعاء مانگنی چاہئے جو ساری کائنات کا مالک ہے وہ جس سے انبیائے کرام اور
اولیائے عظام مانگا کرتے تھے اُسی کے سامنے گویا گواتے، روتے اور اپنی حاجتیں طلب کرتے
تھے اُسی رب العلمین، رحمان و رحیم اور مالک الملک اور خلاق و علیم کو پکارنا چاہئے جس کے سامنے
سیدنا آدم اور سیدہ حوا علیہما السلام نے گویا گوا کر سوال کیا تھا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ. [سورۃ الاعراف: ۷: ۲۳]

”اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم

ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“

ہمیں اُس رب العالمین کے پاس اپنی حاجات لے جانے اور اُن کا حل تلاش کرنے کا حکم دیا گیا جس کے سامنے سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنی تکلیف بیان کی تھی:

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ. [سورة يوسف: ۸۶]

”بے شک میں اپنے غم و الم کی فریاد اللہ تعالیٰ ہی سے کرتا ہوں۔“

سیدنا زکریا علیہ السلام کو زینہ اولاد کے نہ ہونے کی شکایت تھی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی:

رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا..... وَكَانَتْ أَمْرًا تُبَىٰ عَلَيْهِ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا. [سورة مريم: ۳-۵]

”اے میرے رب! میرے اندر سے میری ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں اور میرا سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا اور اے میرے رب! میں تجھے پکار کے کبھی محروم نہیں رہا..... اور میری بیوی بانجھ ہے تو تو اپنے پاس سے مجھے ایک وارث بخش دے۔“

سیدنا ایوب علیہ السلام عرصہ دراز تک بیمار رہے انہوں نے اپنے پروردگار کو یوں پکارا:

أَنِّي مَسْنِي الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ. [سورة الانبياء: ۸۳]

”میں دکھ میں مبتلا ہوں اور تُو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“

ہم اُس اللہ رب العالمین سے دعاء کرتے ہیں جس کے سامنے سیدنا لوط علیہ السلام نے ان الفاظ میں دعاء کی تھی: رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ. [سورة العنكبوت: ۲۹-۳۰]

”اے میرے رب! ان شریر لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما۔“

انبیائے کرام علیہم السلام ہی کی اتباع اور پیروی میں مسلمان ہر نماز کی ہر رکعت میں اپنے رب سے یہ عہد کرتے ہیں: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ نَعْبُدُكَ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ. [سورة الفاتحة: ۴]

”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔“

اور ہمیں معلوم ہے کہ

[۱] جو کوئی مشکلات و مصائب میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو پکارے اسی طور پر کہ وہ پاس موجود نہ ہو نہ وہ اُس کی پکار اور آواز کو سنتا ہو اور نہ وہ چیز عادتاً اُس کے دائرہ اختیار میں داخل ہو تو

ایسا شخص اسلام کے دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے: قُلْ اَنْدَعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰی اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰنَا اللّٰهُ. [سورة الانعام ۶: ۷۱]

”آپ کہہ دیجئے: کیا ہم اللہ کے سوا اُن کو پکاریں جو ہم کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اور کیا ہم اس کے بعد بھی اُلٹے پاؤں پھر جاویں کہ اللہ نے ہم کو سیدھی راہ دکھا دی ہے۔“

[۲] ایسا شخص ظلم کا مرتکب ہو جاتا ہے: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. [سورة یونس ۱۰: ۱۰۶]

”اور اللہ کے سوا کسی ایسے کو مت پکارو جو تیرا بھلا یا برائہ کرے اور اگر تُو ایسا کرے گا تو تُو اُس وقت ظالموں میں سے ہوگا۔“

[۳] ایسا کرنا کفر ہے: لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ لَا يَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كِبَاسِطٌ كَفِيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاةً وَمَا هُوَ بِاِلَیْهِ وَمَادَعَاءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فُیْ ضَلٰلٍ.

[سورة الرعد ۱۳: ۱۴]

”حقیقی پکارنا تو صرف اُس [اللہ] کو پکارنا ہے رہے وہ جن کو یہ اُس کے سوا پکارتے ہیں تو اُن کی بھی کوئی دادرسی نہیں کر سکتے اُن کو پکارنا ایسا ہی ہے کہ کوئی اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف بڑھائے کہ وہ اُس کے منہ تک پہنچ جائے درآں حال یہ کہ وہ کسی طرح اُس کے منہ تک پہنچنے والا نہ ہو۔ اِن کافروں کی فریاد محض صدا بصر ہے۔“

[۴] ایسا کرنا شرک ہے: اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دَعْوَاكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ

الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ. [سورة فاطر ۳۵: ۱۳]

”اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری فریاد نہیں سنیں گے اور اگر سنیں گے بھی تو تمہاری فریاد سے نہ کریں گے اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے اور ایک باخبر کی طرح کوئی دوسرا تمہیں آگاہ نہیں کر سکتا۔“

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”یعنی جن معبودوں کا سہارا ڈھونڈتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور توجہ کرتے بھی تو کچھ کام نہ آسکتے بلکہ قیامت کے دن

تمہاری مشرکانہ حرکات سے علانیہ بے زاری کا اظہار کریں گے اور بجائے مددگار بننے کے دشمن ثابت ہوں گے۔“ [تفسیر عثمانی: ۵۸۲]

[۵] ایسا کرنا صریح اور کھلی ہوئی گمراہی ہے: وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَلَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْبَيْعَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفْلُونَ ﴿۱﴾ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كُفْرِينَ ﴿۲﴾ [سورة الاحقاف ۴۶: ۵-۶]

”اور ان سے بڑھ کر گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوا ان کو دہائی دیتے ہیں جو تاقیامت ان کا جواب دینے والے نہیں ہیں اور وہ ان کی دعاؤں سے بے خبر بھی ہیں اور جب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔“

[۶] ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے: إِنْ أَصَابَكَ ضَرْفُ دَعْوَتِهِ كَشَفَهُ عَنْكَ، وَإِنْ أَصَابَكَ سَنَةٌ فَدَعْوَتُهُ أَنْبَتَهَا لَكَ، وَإِنْ كُنْتَ بِأَرْضٍ قَفِرٍ أَوْ فَلَاقٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعْوَتُهُ رَدَّهَا رَدَّهَا عَلَيْكَ. [سنن ابی داؤد حدیث: ۴۰۸۴]

”جب تمہیں تکلیف پہنچے اور اُس [اللہ] کو پکارے تو وہی تم سے تکلیف ہٹا دے گا اگر تمہیں خط سالی کا سامنا کرنا ہو اور تو اُس کو پکارے تو وہی تمہارے لیے غلہ اگائے گا اور اگر تو جنگل میں ہو اور تمہاری سواری کا جانور گم ہو جائے اور تو اُس [اللہ] کو پکارے تو وہی تم کو اُسے واپس لوٹا دے گا۔“

مولانا صاحب سے ایک سوال

ہم مولانا صاحب سے پوچھتے ہیں کہ از روئے قرآن کریم کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ یا محمد ﷺ کہے؟ ہمارا جواب تو نفی میں ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا. [سورة النور: ۲۳: ۶۳]

”تم لوگ رسول کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ سمجھو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔“
امام ابن ابی حاتم اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: لَا تُسَمُّوْهُ إِذَا دَعَا تَمُوْهُ يَامُ مُحَمَّدٍ.

[تفسیر ابن ابی حاتم ۸: ۲۶۵۳-۲۶۵۵، برقم: ۱۳۹۲۳، ۱۳۹۲۵، تفسیر ابن کثیر ۱۰: ۲۷۹، واللفظ لہ]

”تم جب انہیں پکارتے ہو تو یا محمد نہ کہو۔“

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ. [سورۃ الحجرات ۳: ۴۹]

”اور نہ اُس کو اس طرح آواز دے کر پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، مبادا تمہارے اعمال ڈھسے [اکارت و برباد ہو] جائیں اور تم کو احساس بھی نہ ہو۔“
اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسر فراء^(۱) نے لکھا ہے کہ: ”یا محمد نہ کہا کرو۔“
[معانی القرآن، فراء ۳: ۷۰]

[۴]

مولانا محمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: نو کون المیلاد قریبہ وغیر ذلک مما هو من المسلمات عند الدیوبندیین. [البصائر: ۱۸۷]

”میلاد النبی ﷺ وغیرہ دیوبندیوں کے نزدیک مسلم نیکیوں میں سے ہے۔“
مولانا صاحب کی عبارت پر تبصرہ کرنے کے بجائے اصل مسئلہ کی تحقیق پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

عید میلاد النبی ﷺ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ. [سورۃ المائدہ ۳: ۵۵]
”آج ہی کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر لیا۔“
مگر آہ! اسی کامل ترین اور مکمل ترین دین کو عجی فنکار ناقص و نامکمل سمجھ کر اس میں روز بروز نئے اضافے کرتے رہتے ہیں ان اضافوں میں ایک اضافہ ”عید میلاد“ کا ہے۔
رسول اللہ ﷺ تریبٹھ برس تک اسی عالم آب و گل میں رہے، لیکن یقین کیجئے کہ انہوں نے ایک دفعہ بھی اپنی سالگرہ نہیں منائی نہ کسی کو اس کا حکم دیا اور نہ کسی کو ایسا کرنے کی ترغیب دی اب اگر عید

(۱) یحییٰ بن زیاد بن عبد اللہ بن منظور الدیلمی، مولیٰ بنی اسد ابوزکریا المعروف بالفراء، نحو لغت اور فنون ادب میں اہل کوفہ کے امام ہیں۔ کوفہ میں ۱۴۳ھ = ۷۶۱ء کو پیدا ہوئے۔ بغداد منتقل ہوئے۔ مامون کے دونوں بیٹوں کے استاذ اور اتالیق رہے ہیں۔ ۲۰۷ھ = ۸۲۳ء کو مکہ مکرمہ جاتے ہوئے وفات پائی۔

[معجم الادباء ۲: ۹۰، الاعلام ۸: ۱۳۵]

میلا دمنانا باعث اجر و ثواب ہے تو لامحالہ اسے دین کہا جائے گا اور کسی کام کے دین اور باعث ثواب ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ قرآن عزیز اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہو اور چونکہ عید میلاد منانے کا کوئی شرعی ثبوت موجود نہیں لہذا یہ کام باعث اجر و ثواب نہیں بلکہ یہ قرآن مجید کی صریح مخالفت ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ [وفات: ۷۹ھ = ۷۷۵ء] فرماتے ہیں: مَنْ ابْتَدَعَ فِي الْإِسْلَامِ بَدْعًا يَرَاهَا حَسَنَةً فَقَدْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ خَانَ الرِّسَالَةَ، لَأَنَّ اللَّهَ يَقُولُ: الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ، فَمَا لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِينًا فَلَئِمَّا يَكُونُ الْيَوْمَ دِينًا. [الاعتصام: ۴۹]

”جس نے اسلام میں کوئی ایسی بدعت نکالی جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے تو گویا اُس نے گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے رسالت کی ادائیگی میں خیانت کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کیا پس جو چیز اُس وقت دین نہ تھا وہ آج بھی ہرگز دین نہیں ہو سکتا۔“

پوری چھ صدیوں تک مسلمانوں میں کہیں بھی اس ”بدعت“ کا رواج نہ تھا بلکہ کسی صحابی، تابعی یا تبع تابعی کے عمل سے ثابت نہیں اور نہ کسی امام، مجتہد، محدث اور فقیہ نے اس کا اجراء کیا۔ یہ بدعت اگر سوچھی تو صرف ایک مسرف، بے دین اور عیار بادشاہ کو اور اس کے ایک زیر پرست مولوی کو۔ اس بادشاہ کا نام ابوسعید کوکبوری (۱) بن ابی الحسن علی بن سبکتگین بن محمد تھا۔ الملک المعظم مظفر الدین اور صاحب اربل جیسے القاب سے ملقب تھا۔

ابوسعید کوکبوری ۶۰۳ ہجری کو اپنے والد زین الدین علی بن کو جبک الترمکمانی کی وفات کے بعد چودہ برس کی عمر میں اربل کا بادشاہ بنے ان کے اتابک (۲) مجاہد الدین قیماز نے ان کے خلاف ایک

(۱) یہ ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں: لطیف القد۔ [تاریخ الاسلام حافظ ذہبی: ۱۳: ۴۶۰]

اس کے حالات کے لیے دیکھئے: وفیات الاعیان، ابن خلکان: ۱۱۳-۱۲۱، البصر فی خبر من غیر، حافظ ذہبی: ۴: ۲۰۸

[تاریخ الاسلام حافظ ذہبی: ۱۳: ۴۶۰، ترجمہ: ۲۴۸۱۱، سیر اعلام النبلاء، حافظ ذہبی: ۲۲: ۳۳۴]

(۲) اتابک [اتابیک] سلجوقیوں کے عہد میں ایک بلند مرتبہ عہدے دار کا خطاب، یہ ترکی زبان کی اصطلاح ہے اور اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ سلجوقیوں کے عہد میں استعمال ہوئی۔ [اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۹۵۷]

مخضر میں لکھا کہ یہ صغریٰ کی وجہ سے سلطنت کے اہل نہیں، اور ان کے بھائی یوسف کو ان کا قائم مقام بنایا۔ کوکبوری بعد ازاں حران چلے گئے اور پھر سلطان صلاح الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے ہاں ٹھہرے اور ان کے بہن ربیعہ سے شادی کی۔ سلطان کے ساتھ کئی معرکوں میں شریک ہوئے اور دادِ شجاعت حاصل کی، ان دنوں یہ حران اور رہا کے ملک تھے۔ اپنے بھائی کی وفات کے بعد اربل اور شہر زور کے ملک بنے۔ [تاریخ الاسلام ۱۳: ۶۶۰]

یہ بادشاہ ”عید میلاد“ کا بہت دلدادہ تھا۔ ایک دنیا پرست مولوی نے ۶۰۴ ہجری میں اس کو علمی طور پر مسلح کرنے کے لیے ایک کتاب لکھی، جس کا نام اس نے کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر رکھا۔ [وفیات الاعیان ۳: ۴۳۹-۴۵۰]

اس زر پرست مولوی نے جب اپنی یہ کتاب شاہ اربل کے سامنے پیش کی تو اس نے اس کے صلہ میں اسے ایک ہزار پونڈ انعام دیا۔ [البدایہ والنہایہ ۱۳: ۱۳۱، حوادث: ۶۳۰، ہجری وفیات الاعیان ۳: ۴۵۰، ۱۱۹: ۱۳، تاریخ الاسلام ۱۳: ۶۶۲]

شاہ اربل بڑا چالاک تھا، چونکہ رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت کے بارے میں مؤرخین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے، اسی لیے وہ ایک سال آٹھ ربیع الاول کو اور اگلے سال بارہ ربیع الاول کو عید میلاد مناتا: وکان یعملہ سنۃ فی ثامن الشهر، و سنۃ فی الثانی عشر لأجل الاختلاف الذی فیہ۔ [وفیات الاعیان ۴: ۱۱۸، تاریخ اسلام ۱۳: ۶۶۱]

یہ مسرف بادشاہ ہر سال بیت المال اور رعایا کی لاکھوں رقم اس بدعت پر صرف کر دیتا تھا، چنانچہ حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ: وہ ہر سال میلاد پر تقریباً تین لاکھ پونڈ خرچ کرتا تھا:

و کان یصرف علی المولد فی کل سنة ثلاث مائة ألف دينار.

[تاریخ الاسلام ۱۳: ۶۶۲، سیر اعلام النبلاء ۲۲: ۳۳۶، البدایہ والنہایہ ۱۳: ۱۳۲]

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس دن ”شاہ اربل“ ایک نیا دسترخوان بچھا دیتا جس پر پانچ ہزار بھنے ہوئے سر، دس ہزار مرغیاں، ایک لاکھ کھن بھری ہوئی مٹی کے پیالے اور تیس ہزار حلوے کے پلیٹ چنے جاتے: حکى بعض من حضر سماء المظفر فی بعض الموالد کان یمد

ذلک السماء: خمسہ آلاف رأس مشوي، و عشر آلاف دجاجة و مائة ألف زبدية و

ثلاثین ألف صحن حلوی۔ [البدایہ والنہایہ ۱۳: ۱۳۲]

صرف یہی نہیں بلکہ چار ایسی شمعیں تیار کر دئے جن میں سے ہر ایک بمشکل ایک فخر پر لا کر لایا جا سکتا تھا: وفي حملتها شمعتان أو أربع - أشك في ذلك - من الشموع الموكية، التي تحمل كل واحدة منها على بغل أو من ورائها رجل يسندها، وهي مربوطه على ظهر البغل حتى ينتهي إلى الخانقاه. [وفيات الاعيان ۴: ۱۱۸، تاریخ الاسلام ۱۳: ۳۶۱]

شاہ ار بل اسی کے ساتھ صوفیوں کے لیے ظہر سے فجر تک مجلس سماع [راگ و قوالی] منعقد کرتا اور خود بھی ان کے ساتھ بھنگڑا ڈالتا تھا: ويعمل للصوفية سماعا من الظهر إلى الفجر ويرقص بنفسه معهم. [البدلية والنهاية ۱۳: ۱۳۲]

معلوم ہوا کہ یہ محفل ایک رسمی تقریب تھی جو سستی شہرت کے لیے رچائی گئی تھی اور اس کا مقصد خوشنودی طبع اور ہوا پرستی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا ورنہ باجوں گاجوں کے بارے میں تو رسول اللہ ﷺ کا صاف اور صریح حکم موجود ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں گاجوں کو حلال اور جائز کہیں گے: لیکونن من امتي اقوام يستحلون الحرَّو الحرير والحرير والخمر والمعازف. [صحیح بخاری، کتاب الاثرية ۷۴] باب ماجاء فیمن يستحل الخمر وسمیه بغیر اسمہ [۶] حدیث: ۵۵۹۰، سنن ابی داؤد کتاب اللباس [۲۶] باب ماجاء فی الخمر [۹] حدیث: ۴۰۳۹

جس زر پرست مولوی نے اس جشن کی دلدادہ شاہ ار بل کے لیے عید میلاد کے جواز پر مواد اکٹھا کر دیا تھا اس کا نام ابو الخطاب عمر بن الحسن بن علی تھا۔ اپنے آپ کو ابن دحیہ النکھی، یعنی: دحیہ بن خلیفہ بکلیؒ کا پوتا کہلاتا تھا حالانکہ اس کا یہ دعویٰ سراسر غلط اور جھوٹ ہے کیونکہ دحیہؒ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، تو ان کا پوتا یا نواسا کہاں سے آیا؟ وہ تو لا ولد فوت ہوئے تھے: فہذا نسب باطل بوجہ: أحدها: أن دحیة لم یعقب. [میزان الاعتدال ۳: ۱۸۶، لسان المیزان ۴: ۲۹۲]

اس کذاب نے جو کتاب لکھی ہوگی اور جو مواد اکٹھے کئے ہوں گے اس کے بارے میں ناظرین خود ہی فیصلہ فرمائیں، جو آدمی نسبی تفوق کے لیے جھوٹ بولنے سے نہیں کتراتا۔ شرعی طور پر بدعت کے جواز پر اس کی پیش کردہ دلیل کی کیا حیثیت ہوگی؟

حافظ ذہبیؒ اسی ابن دحیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ شیخ، علامہ، محدث، کثرت سے حصول علم کے لیے سفر کرنے والا اور ہر فن مولا تھا: الشيخ، العلامة، المحدث، الرّحّال، المتفتن.

آگے فرماتے ہیں: کان بصیراً بالحديث معتنياً بتقييده، مكباً على سماعه، حسن الخط، معروفاً بالضبط، له حظاً وافراً من اللغة ومشاركة في العربية وغيرها. [سير اعلام النبلاء ۲۲: ۳۹۰] ”وہ حدیث کا علم رکھنے والا تھا۔ حدیث کے سننے کا شوقین تھا۔ نہایت خوش خط تھا۔ حسن ضبط میں مشہور تھا اور عربی لغت میں خوب دسترس حاصل تھی۔“

مزید لکھتے ہیں: کان له معرفة حسنة بالنحو واللغة وأنسة بالحديث، فقیهاً علی مذهب مالک، وکان یقال: أنه حفظ صحيح مسلم جميعه. [سير اعلام النبلاء ۲۲: ۳۹۱] ”علم نحو اور لغت میں بہت بڑا ماہر تھا، حدیث کا دلدادہ اور مالکی مذہب کا فقیہ تھا اور صحیح مسلم اسے زبانی یاد تھی۔“

علامہ ابن نقطہ فرماتے ہیں: کان موصوفاً بالمعرفة والفضل، ولم أره إلا أنه کان يدعي أشياء لا حقيقة لها. [سير اعلام النبلاء ۲۲: ۳۹۱] ”صاحب علم وفضل تھا مگر کچھ بے حقیقت اشیاء کا مدعی تھا۔“

ان کے شاگرد ابن النجار فرماتے ہیں: ونسبه ليس بصحيح، کان حافظاً، ماہراً تام المعرفة بالنحو واللغة، ظاهري المذهب، كثير الوقیعة في السلف، أحقق تشديد الكبير، حيث اللسان، متهاوناً في دينه، کان یخضب بالسواد.

[سير اعلام النبلاء ۲۲: ۳۹۳-۳۹۵، لسان المیزان ۴: ۲۹۵]

”اس کا نسب جو اس نے بیان کیا ہے صحیح نہیں۔ حافظ و ماہر تھا، نحو اور لغت میں معرفت تامہ کا مالک تھا، ظاہری مذہب رکھتا تھا، سلف کی شان میں بہت زیادہ گستاخیاں کیا کرتا تھا، اس کی زبان بڑی گندی تھی، بڑا احمق، خود سر اور متکبر تھا۔ دین کے کاموں میں بڑا بے پرواہ اور ست تھا اور کالا خضاب لگاتا تھا۔“

یہ زبردست مولوی کبھی کبھار ایک غلط فتویٰ صادر کر دیتا، جب اس سے دلیل کا مطالبہ کیا جاتا تو یہ فوراً ایک جعلی حدیث بنا کر پیش کرتا۔ حافظ سیوطی لکھتے ہیں: وضرب يلحنون إلى إقامة دليل على ما افتوا به بأرائهم، وقيل: إن الحافظ أبا الخطاب ابن دحية كان يفعل ذلك، وكأنه

الذي وضع الحديث في قصر المغرب. [تدريب الراوي ۱: ۲۳۲، نوع ۲۱: ۲۱]

”واعظین حدیث میں ایک گروہ اُن لوگوں کا ہے جو اپنے فتویٰ کے لیے جھوٹی حدیث وضع کرتے

تھے۔ حافظ ابو الخطاب ابن دحیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے دورانِ سفر مغرب کی نماز کو قصر سے پڑھنے کی روایت وضع کی۔“

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: قلت: وقد تكلم الناس فيه بأنواع من الكلام، ونسبه بعضهم إلى وضع حديث في قصر صلاة المغرب، وكنْتُ أَوَدُّ أن أَقِفَ على إسناده لنعلم كيف رجاله. [البدایۃ والنہایۃ ۱۳: ۱۳۹، حالات: ۶۳۳ ہجری]

”لوگ اس کے متعلق کئی باتیں کرتے ہیں، جب کہ بعض لوگوں نے اس کی نسبت یہاں تک کہا ہے کہ اس نے نماز مغرب کے قصر کے بارے میں حدیث وضع کی ہے۔ میری بڑی خواہش ہے کہ مجھے اس کی سند مل جائے تاکہ اس کے رجال کا علم ہو سکے۔“

حافظ ابوالحسن بن المفضلؒ [جو ائمہ کبار میں سے تھے] کہتے ہیں: کنا بحضرة السلطان في مجلس عام وهناك ابن دحية، فسألني السلطان عن حديث فذكرته له، فقال لي: من رواه؟ فلم يحضرني في الحال، فانفصلنا، فاجتمع بي ابن دحية في الطريق فقال لي: ما ضرك لما سألك السلطان عن إسناده ذلك الحديث لم تذكر له أي إسناد ثبت؟ فإنه ومن حضر مجلسه لا يعلمون هل هو صحيح أم لا، وقد كنت وبَّختُ قولك: لا أعلم، وتعظم في عينيه وعين الحاضرين، قال: فعلمت أنه متهاون جري على الكذب.

[لسان المیزان ۴: ۲۹۴]

”ایک دن ہم بادشاہ کے مجلس عام میں بیٹھے ہوئے تھے یہ زر پرست مولوی بھی بیٹھا ہوا تھا، مجھ سے بادشاہ نے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا، مگر مجھے اُس وقت راوی یاد نہ تھے اس لیے لاعلمی ظاہر کر دی، جب کچھ دیر بعد ہم مجلس سے اٹھے تو راستہ میں ابن دحیہ نے مجھ سے پوچھا: تم سے جب بادشاہ نے سند کے بارے میں پوچھا تو اپنی طرف سے حدیث کی کوئی سند بنا کر کیوں نہ پیش کر دی؟ بادشاہ اور دوسرے لوگ کیا جانیں کہ یہ سند صحیح ہے یا غلط؟ ایسا کرنے سے تمہیں بادشاہ اور حاضرین کی نظروں میں مزید احترام اور عزت حاصل ہوتا۔ حافظ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ یہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ یہ آدمی دین کے سلسلے میں لاپرواہ اور ست ہے اور جھوٹ بولنے میں بڑا ماہر ہے۔“

امام ابن حسن اصمہائی فرماتے ہیں: لما قدم ابن دحية علينا أصفهان نزل علي أبي في

الخانقاہ فکان یکرّمه ویبجلّہ فدخل علی والدی یوماو معہ سجادة فقبلّہا و وضعها بین یدیه وقال: صلیت علی هذه السجادة کذا و کذا ألف رکعة 'ختمت القرآن فی جوف الکعبة مرات' قال: فأخذها والدی وقبلّہا و وضعها علی رأسه وقبلّہا ممتہجاً بها فلما کان آخر النهار حضر عندنا رجل من أهل أصبهان فتحدث عندنا إلی أن اتفق أن قال: کان الفقیہ المغربی الذی عندکم الیوم فی السوق اشترى سجادة حسنة بکذا و کذا فأمر والدی بإحضار السجادة فقال الرجل: إی واللّٰه هذه ففسکت والدی و سقط ابن دحیة من عینه. [لسان المیزان ۳: ۲۹۶]

”ایک دفعہ ابن دحیہ کا ہمارے شہر سے گزر ہوا وہ خانقاہ میں فروکش ہوا۔ میرے والد نے اس کی خوب خاطر تواضع کی۔ اتنے میں ابن دحیہ نے ایک مصلیٰ [جائے نماز] نکالا اور اسے چوم کر کہا: اللہ کی قسم! اس جائے نماز پر میں بیت اللہ میں ہزار سے زائد نفل نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھ چکا ہوں۔ بارہا اس مصلیٰ پر بیٹھ کر قرآن عزیز ختم کیا ہے وہ مصلیٰ میرے والد نے اس سے لے لیا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے چوما اور سر پر رکھا اسی دن اصہبان سے عصر کے بعد ایک شخص والد صاحب کے پاس آیا۔ اتفاقاً ابن دحیہ کا ذکر بھی آگیا۔ نووارد نے کہا: کل ابن دحیہ نے بڑا قیمتی مصلیٰ خریدا ہے۔ والد صاحب نے وہی مصلیٰ پیش کر دیا اس شخص نے دیکھتے ہی کہا: اللہ کی قسم! یہ وہی جائے نماز ہے۔ والد ماجد یہ سن کر خاموش ہو گئے اور ابن دحیہ ان کی نظروں سے گر گیا۔“

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عید میلا د کے جواز کا فتویٰ دینے والا پیٹ پرست زر پرست خوشامدی، کذاب و ضاع اور خبیث اللسان تھا۔ کیا ایسے دروغ گو ہرزہ سرا اور یادہ گو مولوی کا فتویٰ شریعت میں قابلِ حجت اور قابلِ استناد و احتجاج بن سکتا ہے؟ ہرگز نہیں:

خلاف پیغمبر کے راہ گزید ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ناظرین کرام! عید میلا د اور اس کو رائج کرنے والے اور اس کے لیے علمی مواد جمع کرنے والے بادشاہ اور عالم کی تاریخ۔ ہم اس پر مزید تبصرہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

رہے عید میلا د کے جلوس کہ یہ کب اور کیوں کر نکلنے شروع ہوئے؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر نے ایک سائل کے اس قسم کے سوال کے جواب میں

لکھا ہے کہ:

”معلوم نہیں کہ آپ کی عمر کیا ہے؟ راقمِ اِشیم جوان تھا۔ ۱۹۲۹ کے لگ بھگ جناب حاجی عنایت اللہ صاحب قادری جو پہلے ہندو تھے پھر مسلمان ہوئے، جب ہندو تھے تو رام لیلیٰ کا جلوس نکالتے تھے جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے میلاد النبی ﷺ کا جلوس ایجاد کیا، اس کے موجد جناب قادری صاحب تانہوز لاہور میں زندہ ہیں، ان کی اس کارروائی میں دست راست مولوی عبد المجید صاحب ساکن پٹی جو ”ایمان“ رسالہ بھی نکالتے تھے اور دست چپ سابق میئر لاہور میاں شجاع الرحمن کے والد الحاج عبد القادر صاحب تھے جو دونوں بزرگ وفات پا چکے ہیں۔ باقی ابھی تک زندہ ہیں۔ عجیب بات ہے کہ یہ جلوس بریلوی مسلک کے علماء مشائخ اور مفتیوں کو حتیٰ کہ ان کے اعلیٰ حضرت کو بھی نہیں سوجھا، مگر ایک نو مسلم ہندو کی یہ کارروائی اب عشق، محبت اور دین بن گئی ہے اور جلوس نہ نکالنے والوں پر آوازے کسے جاتے ہیں اور ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔“

[ماہنامہ نغمہ توحید گجرات، بابت ماہ مارچ ۱۹۹۵، صفحہ ۴۶، جلد ۶، شمارہ ۱۰]

آگے بڑھئے اور وہابیوں اور دیوبندیوں کی بات چھوڑیئے۔ ہفت روزہ فیملی میگزین کا شمار اٹھائیے، جس میں چوہدری محمد رفیع کی بھولی بسری یادیں شائع ہوئی ہیں۔ یاسین صاحب گوریچہ نے چوہدری محمد رفیع صاحب کا انٹرویو کیا جو اس انٹرویو میں کہتے ہیں:

”عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس میرے سامنے نکلنے شروع ہوئے۔ ہمارے ہی بازار کے ایک مشہور شخصیت فیروز الدین احمد انہوں نے دیکھا کہ ہندو کرشن جنم اور دسہرہ وغیرہ تہواروں کے موقع پر جھانکیاں (۱) نکالتے ہیں۔ خوب میلے کا سماں ہوتا تھا، اوپر نواب صاحب کی حویلی سے تعزیے کے جلوس نکلتے، تو سنی مسلمانوں کی طرف سے فیروز صاحب نے درخواست دے دی اور عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس بھی اس طرح گڈوں پر نکلتے گئے، ورنہ اس سے پہلے بارہ وفات کا ختم دلایا جاتا تھا، جلوس وغیرہ نہیں نکلتے تھے یہ سلسلہ غالباً ۱۹۳۵ میں شروع ہوا، پھر تکیہ سادھواں سے یہ جلوس

(۱) جاہلیاں: ہندو لوگ گڈوں کو خوب سجاتے بناتے، ارد گرد ریشمی پردے لگاتے، جیسے سٹیج بنا ہو۔ سٹیج بنا کر اس میں خوب صورت لڑکوں کو کرشن یا رام ہیبتا بنا کر کھڑا کرتے، ارد گرد ڈھول ڈھمکے چھینے بجاتے اور بھجن گانے گاتے راتوں کو نکلتے تھے۔

[ہفت روزہ فیلی میگزین، جلد ۴، شمارہ ۳۶، صفحہ ۱۹۲۱-۲۵ جون ۱۹۹۴]

قارئین کرام! اندازہ کر لیجئے کہ میلاد کے یہ جلوس کس کی نقل میں نکالے جا رہے ہیں؟ کیا ہندوؤں کی نقالی میں اجر ہے؟ کیا غیر مسلموں کے طور طریقوں میں ثواب مل سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، قطعاً نہیں، بلکہ اجر و ثواب تو رہا ایک طرف، کائنات کے سب سے بڑے اور سب سے سچے انسان ﷺ کہ جس نے زندگی میں ایک بار بھی جھوٹ نہیں بولا اور جن کے بارے میں ان کے کٹر مخالفین نے کہا: مَا وَجَدْنَا فِيكَ إِلَّا صِدْقًا یعنی: ”ہم نے آپ میں سچ کے سوا کچھ نہیں پایا۔“ اُسی صادق و مصدوق نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ [سنن ابی داؤد حدیث، کتاب اللباس [۲۶]

باب فی لبس الشہرة [۵] حدیث: ۴۰۳۱، مسند احمد: ۲، ۹۲۵۰

”جس نے کسی دوسری قوم کی مشابہت اختیار کی وہ اسی قوم میں سے ہے۔“

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: اس کی سند جدید ہے۔ [مجموع الفتاویٰ: ۲۵: ۱۴۹]

لہذا بصدا احترام التماس ہے کہ ان بدعات و رسومات سے اجتناب کریں۔ یہی نجات اور یہی سلامتی کی راہ ہے۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ، لیکن دور حاضر میں بظاہر یہ ناممکن نظر آتا ہے، اس لیے کہ بقول علامہ اقبال:

در عجم گردیدم وہم در عرب مصطفیٰ نایاب و ارزاں بولہب

[کلیات اقبال فارسی: ۸۳۵]

شبہات اور اُن کے جواب

[۱] قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات پر اُس کا شکر ادا کیا کرو۔ ارشادِ باری ہے: فَكُلُوا مِنْ ثَمَرِ مَا رَزَقَكُمْ اللّٰهُ حُلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا لِنِعْمَةِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُونَ۔ [سورۃ النحل: ۱۶: ۱۱۳]

”پس اُس رزق میں سے کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے جو حلال اور طیب ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ: فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَہٗ اِلَيْہٖ تُرْجَعُونَ۔

[سورۃ العنکبوت: ۲۹: ۱۷]

”پس اللہ تعالیٰ سے رزق کو طلب کیا کرو اور اُس کی عبادت کیا کرو اور اُس کا شکر ادا کیا کرو اُس کی طرف تم لوٹنا چاہو گے۔“

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو بھی مختلف دل نشین اسالیب سے بیان فرمایا ہے کہ اگر تم اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرو تو اللہ تعالیٰ اُن میں اور اضافہ کر دے گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو اُس کے شدید عذاب میں مبتلا کر دیے جاؤ گے۔ ارشادِ باری ہے: **وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ**۔ [سورۃ ابراہیم: ۷۴]

”اور جب تمہارے رب نے تمہیں مطلع کیا کہ اگر تم احسانات پر شکر ادا کرو گے تو میں اضافہ کر دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقیناً میرا عذاب شدید ہے۔“ [ضیاء النبی ﷺ: ۲۳۲-۲۳۳]

جواب: ان آیات کا مروجہ میلاد النبی ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی۔ نبوت کی نعمت ملنے کے بعد ۲۳ مرتبہ اُن کی زندگی میں یہ دن آیا انہوں نے اپنی ولادت کا دن اس طرح نہیں منایا اور نہ ان آیات کو وہی مراد لیا جو پیر صاحب لے رہے ہیں۔ خلفائے راشدین ﷺ نبی اکرم ﷺ سے بڑی محبت کرنے والے تھے۔ ۱۰ ہجری کو رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو ۱۳ ہجری تک سیدنا ابو بکر صدیق خلیفہ رہے اُن کی خلافت میں یہ دن دو مرتبہ آیا۔ ۱۳ سے ۲۲ ہجری تک سیدنا عمر ﷺ کی خلافت میں دس مرتبہ یہ دن آیا۔ ۲۴ سے ۳۵ ہجری تک سیدنا عثمان ﷺ کی خلافت میں گیارہ مرتبہ یہ دن آیا۔ ۳۵ سے ۴۰ ہجری تک پانچ مرتبہ سیدنا علی ﷺ کی خلافت میں یہ دن آیا۔

سیدنا حسن ﷺ اپنے والد محترم سیدنا علی ﷺ کی شہادت [۷ رمضان ۴۰ھ] کے بعد سات ماہ تک خلیفہ رہے۔ [أسد الغابۃ: ۵۱۱: ترجمہ: ۱۱۶۵] اُن کی خلافت میں یہ دن ایک بار آیا۔

سیدنا معاویہ ﷺ سیدنا ابوسفیان ﷺ [صحہ بن حرب] ربیع الاول ۴۱ ہجری میں خلیفہ منتخب ہوئے اور ۲۲ رجب ۵۹ ہجری کو دمشق میں ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اُن کی خلافت ۱۹ سال ۳ ماہ اور ۲۰ دن رہی۔ [الاستیعاب: ۶۷۷: ترجمہ: ۱۲۳۸]

اُن کی خلافت میں یہ دن ۱۹ بار آیا۔

صحابہ کرام ﷺ میں سے سیدنا عمر بن واثلہ ﷺ سب سے آخر میں وفات پائی۔ امام مسلم اور مؤرخ خلیفہ بن خیاط فرماتے ہیں کہ اُن کی وفات ۱۰۰ ہجری کو مکہ معظمہ میں ہوئی۔ ایک قول یہ بھی

ہے کہ اُن کی وفات ۱۰۷ ہجری کو ہوئی اور وہ ب بن جریر بن حازم کہتے ہیں کہ اُن کی وفات ۱۱۰ھ کو ہوئی۔ [تہذیب الکمال ۸: ۱۱۳ فتح المغیث ۳: ۱۲۷]

مگر خلفائے راشدین میں سے کسی نے یہ دن نہیں منایا اور نہ ہی کسی صحابی نے ان آیات کریمات سے عید میلاد النبی ﷺ منانے کا استدلال کیا اور نہ اسے محبت رسول ﷺ کا تقاضا بتایا حالانکہ وہ ہم سے زیادہ نبی ﷺ سے محبت کرنے والے تھے۔

قرآن مجید سیدنا آدم علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر موجود ہے، پھر بھی نبی اکرم ﷺ نے کسی کے تذکرہ میلاد کے لیے کوئی تاریخ مقرر نہیں فرمائی، نہ جشن منایا، نہ جھنڈیاں لگائیں اور نہ چراغاں کیا۔ آج ہم سب مل کر نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی کی محبت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر واقعی ایسے جشن میلاد النبی ﷺ کی کوئی جواز کی صورت ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ۱۸۰ ہجری تک تابعین اور ۲۲۰ ہجری تک اتباع تابعین کا دور رہا مگر اس سارے زمانے میں میلاد منانے والا کوئی نہ تھا۔ اب فقہائے امت کے دور میں آئیے۔
امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ ہجری میں فوت ہوئے۔
امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۹۳ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ ہجری میں فوت ہوئے۔
امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ ہجری میں فوت ہوئے۔
امام احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۶۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ ہجری میں فوت ہوئے۔
ان میں سے کسی فقیہ نے عید میلاد النبی ﷺ نہیں منائی اور ان گنت فقہی مسائل کے استنباط کے باوجود اس عمل کو نہ تو مستحب مانا اور نہ اسے شکرِ نعمت کا تقاضا سمجھا۔

[۲] بعض مدعیانِ علم و دانش فرزندِ انِ اسلام کے ان مظاہرِ تشکر و مسرت کو دیکھ کر غصہ سے بے قابو ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان شکر گزار بندوں پر طعن و تشنیع کے تیروں کی موسلا دھار بارش شروع کر دیتے ہیں۔ کیا ان حضرات نے کبھی اس فرمانِ الہی کا بدقت نظر مطالعہ فرمایا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ [سورۃ یونس: ۵۸]

”اے حبیب! آپ فرمائیے اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت سے اور پس چاہئے کہ اس پر خوشی منائیں یہ بہتر ہے ان تمام چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں۔“

اس آیت کریمہ میں حکم دیا جا رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمت ہو تو منہ بسور کرنے بیٹھ جایا کرو۔ اپنی ہانڈیوں کو اوندھانہ کیا کرو۔ جو چراغ جل رہا ہے اس کو بھی نہ بجھا دیا کرو کیونکہ یہ اظہارِ تشکر نہیں بلکہ کفرانِ نعمت ہے، ایسا نہ کرو بلکہ فَلْيَفْرَحُوا خوشی اور مسرت کا مظاہرہ کیا کرو۔
[ضیاء النبی ﷺ: ۲۷۳]

18

جواب: اس آیت کریمہ سے جشن میلاد کا استدلال نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس آیت سے پہلے یہ ہے: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تَكْمُلُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ**۔ [سورۃ یونس: ۱۰: ۵۷]

”اے لوگو! تم کو تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے اور تمہارے دل کے روگ چٹکے کرنے کو اور راہِ سمجھانے کو اور یقین کرنے والوں کے لیے مہربانی ہے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بِذَلِكَ [اسی پر] میں اشارہ ہے نصیحت، شفاء، ہدایت اور رحمت آنے کی طرف اور اسی پر خوش ہونے کا حکم ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ:

”فرما دیجیے کہ نصیحت، شفاء، ہدایت اور رحمت تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کے محض فضل و رحمت سے آچکے ہیں، سو اس چیز کے آجانے پر تمہیں تو خوش ہو جانا چاہیے۔“

اس میں ولادت کا ذکر نہیں۔ اگر پیر صاحب اور اُن کے ہم مشربوں کی بات مان لیں کہ اشارہ فضل و رحمت کی طرف ہے تب بھی اُن کا مدعی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ اس فضل و رحمت کا تعلق اولیٰ [اول تعلق] اسی مَجِئِ مَوْعِظَتِ [نصیحت آنے] سے ہے نہ کہ ولادت سے اس لیے یہ استدلال بے معنی ہے اور اگر فضل و رحمت کو عام کیا جائے تب بھی ولادت کی تخصیص بے معنی ہے بلکہ ہر ایک فضل و رحمت پر جشن و میلاد منانا چاہیے۔

نیز فَلْيَفْرَحُوا کے معنی ہیں: ”خوش ہو جاؤ۔“ اور خوش ہونا دل سے متعلق ہے جو طبعی کیفیت ہے اور کسی خوشی والے واقعہ کے وقت پیدا ہوتی ہے نہ کہ خوشی مناتے وقت جس کا تعلق جشن منانے سے ہے پس فَلْيَفْرَحُوا کے معنی ہوئے کہ ان کو اس سے خوش ہونا چاہیے نہ کہ اس کی خوشی کرنی اور بطورِ جشن کے خوشی منانی چاہیے جیسا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں۔ اور اگر اس کے معنی جشن اور عید میلاد منانے کے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، اتباعِ تابعین اور ائمہ مجتہدین نے اس آیت پر عمل نہیں کیا۔

پھر اس کے مخاطب عامۃ الناس ہیں نہ کہ خاص مؤمنین کیونکہ اس سے پہلی آیت میں یٰٰہَا النَّاسُ فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ فَلْيَفَرُّ حَوْكُہ کے معنی جشن منانے کے نہیں اور نہ ہی محض سرور قلبی کے ہیں بلکہ اس کے لازمی [الترای] معنی مراد ہیں یعنی: فَلْيَتَقَبَّلُوْهُ بِطَلِیْبِ النَّفْسِ یعنی اس کو بہ طیب خاطر قبول کرو۔ اس صورت میں بنائے استدلال ہی منہدم ہے۔

[۵]

مولانا صاحب برعم خویش حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں ”وہابی تحریک“ کی مذمت ثابت کرنے کی کوشش ان الفاظ میں کرتے ہیں: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ: اللھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمیننا قالوا: یا رسول اللہ! وفی نجدنا قال: اللھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمیننا قالوا: یا رسول اللہ! وفی نجدنا فأظنہ قال فی الثالثة: هناك الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان رواہ البخاری. [المبصر: ۱۸۸]

”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دعاء فرمائی: ہمارے لیے ملک شام اور ملک یمن میں برکت ڈال دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: اور ہمارے نجد میں بھی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ہمارے لیے ملک شام اور ملک یمن میں برکت ڈال دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: اور ہمارے نجد میں بھی۔ میرا خیال ہے کہ اُن کے تیسرے بار مطالبہ کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں شیطان کا سینگ نکلے گا“ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔“

مولوی صاحب! آپ نے ایک صحیح حدیث کو شیخ محمد بن عبد الوہابؒ پر فٹ کر کے کچھ اچھا کام نہیں کیا اس مجمل حدیث سے اس قسم کا استدلال مولوی صاحب سے بہت پہلے مولوی احمد یار خان صاحب نعیمی بریلوی نے ان الفاظ میں کیا ہے: ”بھلا میرے آقا و مولاً محبوب کبریا ﷺ کا معجزہ دیکھو کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہاں سے قُرْنُ الشَّیْطَان یعنی شیطانی گروہ نکلے گا اردو میں قُرْنُ الشَّیْطَان کا ترجمہ ہے: دیوبند (۱)۔“ ”دیو“ اردو میں شیطان کو کہتے ہیں اور ”بند“ بمعنی گروہ

(۱) مفتی محمد فرید صاحب نے فرمایا ہے: ”مولانا احمد اللہ جان صاحب واجوی کا مظاہر العلوم سہارنپور میں طالب علمی کے دوران پاؤں ٹوٹ گیا تھا جس کی وجہ سے امتحان نہیں دے سکے تھے۔ قابلیت کی وجہ سے ان کو.....

تابع دار۔ یا یہ اضافت مقلوبی ہے، یعنی: بندِ دیو شیطان کی جگہ، لیکن ان دونوں فرقوں کے عقیدے بالکل ایک ہیں، اعمال میں کچھ ظاہری اختلاف ہے، دونوں محمد بن عبد الوہاب کو اچھا جانتے ہیں۔“
[جاء الحق وزهق الباطل ۶:۱]

یہ روایت ان الفاظ میں صحیح بخاری [حدیث: ۷۰۹۳۱، ۷۰۹۳۲] میں موجود ہے، جب کہ:
- دوسری روایات میں اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

وهو مستقبل المشرق يقول: ألا إنَّ الفتنه هاهنا من حيث يطلع قرن الشيطان.
[صحیح بخاری، حدیث: ۷۰۹۳۳، صحیح مسلم، حدیث: ۴۵-۲۹۰۵]

”آپ ﷺ کا رخ انور مشرق کی طرف تھا، فرما رہے تھے کہ یہاں سے شیطان کا سینک نکلتے گا۔“
- مسند احمد: ۲: ۹۰ کی روایت میں نَجْدِنَا کے بجائے مَشْرِقِنَا کے الفاظ وارد ہیں۔
- معجم کبیر طبرانی ۱۲: ۶۶ [حدیث: ۱۲۵۵۳] میں نَجْدِنَا کے بجائے عِرَاقِنَا کے الفاظ آئے ہیں۔
- مسجد نبوی میں کوئی شخص مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جائے تو نجد اور درعیہ اس کے دائیں طرف ہوگا اور اُس کے مشرق میں نجد عراق ہوگا۔
اس روایت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن عبد البر قرطبی^(۱) لکھتے ہیں:

دَعَاؤُهُ لِلشَّامِ، یعنی: لأهلها كتوقيته لأهل الشام الجحفة ولأهل اليمن يللمهم علماء منه بأن الشام ينتقل إليها الإسلام، وكذلك وقت لأهل نجد قرنًا، یعنی: علماء منه بأن العراق ستكون كذلك وهذا من أعلام نبوته. [المتمم ۲۳۴، بذیل حدیث: ۱۳-۷]

..... اعزازی سند سے نواز گیا تھا۔“ [تجلیات فریدی: ۲۲۳]

ہاں! مولوی صاحب حدیث میں بڑے قابل ہیں کہ ایک حدیث کی نہ تو صحیح تحقیق کی اور نہ اس کا صحیح مصداق بتایا یہ لوگ من ترا حاجی، بگویم تو مرا حاجی، بگو کے شکار ہیں۔ تحقیق و تدقیق نام کی کوئی چیز ان کے ہاں ناپید ہے۔

(۱) یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، قرطبی، مالکی، ابو عمرو، حافظ حدیث، مؤرخ اور ادیب تھے۔ اپنے دور میں حافظ مغرب کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ قرطبہ میں ۳۶۸ھ = ۹۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے اندلس کے مشرقی اور مغربی علاقے چھان مارے۔ شہوت اور شترین کے قاضی رہے ہیں۔ شاہدہ میں ۴۶۳ھ = ۱۰۷۱ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۷: ۶۶، تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۲۸، الاعلام ۸: ۲۴۰]

”ابو عمر [امام ابن عبدالبر] کہتا ہے: آپ ﷺ نے اہل شام و یمن کے لیے دعاء فرمائی جیسا کہ اہل شام کے لیے جھہ اور اہل یمن کے لیے یتلمم کو میقات مقرر فرمایا۔ آپ ﷺ کو [اللہ تعالیٰ کی طرف سے] اس بات کا علم حاصل تھا کہ شام اور یمن کو اسلام کی روشنی پہنچے گی اور اسی طرح آپ ﷺ نے اہل نجد کے لیے بھی ایک چیز مقرر فرمائی یعنی علم کی بنیاد پر کہ عراق میں ضرور ایسا ہی ہوگا اور [یہ قبل از وقت اعلان] آپ ﷺ کے نبوت کی ایک نشانی اور دلیل ہے۔

مولوی صاحب حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے نہایت قبیح جرم کے مرتکب ہوئے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کا غلط مطلب لے کر ایک مسلمان گروہ کو خواہ مخواہ شیطانی چیلے قرار دیتے ہیں۔



بِفَضْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَمَنْبِهِ وَكَرَمِهِ آج ۱۲ - رَجَبِ الْاَوَّلِ ۱۴۳۳ھ = ۲۳ جنوری ۲۰۱۳ء کو تحقیقی جائزے کا زیرِ نظر ایڈیشن تیار ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء کہ اسے شرف قبولیت سے نوازے اور اسے میرے لیے دنیاوی اور اخروی کامیابیوں کا ذریعہ بنادے۔ آمین۔

اس میں اگر کوئی خوبی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی خامی ہے تو شیطان مردود اور میری کوتاہی کی وجہ سے جس کی میں اپنے کریم رب سے معافی کا خواست گار ہوں۔

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف
تَعَمَّدَ اللَّهُ بِرَحْمَتِهِ وَرِضْوَانِهِ
۱۲ رَجَبِ الْاَوَّلِ ۱۴۳۳ھ = ۲۳ جنوری ۲۰۱۳ء

علمی فہارس

— فہرس آیات: ۲۷۸

— فہرس احادیث و آثار: ۲۸۱

— فہرس اعلام [جن کے مختصر تراجم لکھے گئے]: ۲۸۳

— فہرس رِوَاۃ [جن کی جرح یا تعدیل کی گئی]: ۲۸۶

— فہرس مصادر و مراجع: ۲۸۹

فہرس آیات

فَتَدَّبَّرَ الْقُرْآنَ إِنَّ رُمَتْ الْهَدَى
فَالْعِلْمُ تَحْتَ تَدْبِيرِ الْقُرْآنِ

- [سورة الفاتحة ۱: ۴] اِيَّاكَ نَعْبُدُوَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ: ۲۵۹
[سورة البقرة ۲: ۲۸] كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اٰمُوْنًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ: ۱۵۳، ۱۵۴
[سورة البقرة ۲: ۳۷] فَتَلَقٰى اٰدَمَ مِنْ رَّبِّهِ كَلِمَتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ: ۱۵۰
[سورة البقرة ۲: ۸۹] وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلٰى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: ۱۱۵
[سورة البقرة ۲: ۱۵۴] وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ: ۷۵
[سورة البقرة ۲: ۲۵۵] الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ: ۷۷
[سورة آل عمران ۳: ۸۱] وَاِذَا خَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّۦۙنَ: ۱۷۲
[سورة آل عمران ۳: ۱۰۲] يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تَقٰىهِ وَلَا تَمُوْنُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ: ۱۲۹
[سورة آل عمران ۳: ۱۰۳] وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا: ۹۸
[سورة آل عمران ۳: ۱۱۲] ضَرَبْتَ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ اَيْنَ مَا تَقِفُوْا اِلَّا بِحَبْلِ مِنَ اللّٰهِ وَحَبْلِ مِنَ النَّاسِ وَبَآءَ وَاِ
بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ وَضَرَبْتَ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةَ: ۹۹
[سورة آل عمران ۳: ۱۶۹] وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا: ۷۵
[سورة النساء ۴: ۱۰] يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا: ۱۲۹
[سورة النساء ۴: ۵۹] فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ: ۱۳۶
[سورة النساء ۴: ۶۴] وَلَوْ اَنْهَمُ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءَ وَكَ فَاَسْتَغْفِرُوْا اللّٰهَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرّسُوْلُ: ۱۳۵
[سورة المائدة ۵: ۳] الْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنََكُمْ: ۲۶۲
[سورة المائدة ۵: ۳۵] يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِىْ سَبِيْلِهِ: ۹۸
[سورة الانعام ۶: ۷۱] قُلْ اَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ اَوْ تَرُدُّوْا عَلٰى اَعْقَابِنَا: ۲۶۰
[سورة الانعام ۶: ۱۲۲] اَوْ مِنْ كَانَ مِيْثَاقًا حَيِّثُہٗ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا يَمْشِىْ بِہِ فِى النَّاسِ: ۷۷
[سورة الاعراف ۷: ۲۳] فَلَا رِبَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ: ۱۵۰
[سورة الاعراف ۷: ۵۵] اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً اِنَّہٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِلِيْنَ: ۱۱۰

- [سورة الاعراف ٤: ١٨٠] وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا: ١٠١
- [سورة الانفال ٨: ٢٣] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ: ٤٨
- [سورة يونس ١٠: ١٨] وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ: ٥٦
- [سورة يونس ١٠: ٣١] قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ: ٣٣
- [سورة يونس ١٠: ٥٤] يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تَكُفُّكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا: ٢٤٣
- [سورة يونس ١٠: ٥٨] قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ: ٢٤٢
- [سورة يونس ١٠: ١٠٦] وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا: ٢٦٠
- [سورة يوسف ١٢: ٣٢] وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ: ٥١
- [سورة يوسف ١٢: ٣٥] وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ: ٥٣
- [سورة يوسف ١٢: ٨٦] إِنَّمَا أَشْكُوا بَثْنِي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ: ٢٥٩
- [سورة الرعد ١٣: ١٤] لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ: ٢٦٠
- [سورة ابراهيم ١٤: ٤] وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ: ٥٥
- [سورة النحل ١٦: ١١٣] فَكُلُوا مِن مَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ خَلَائِقِيًّا وَاشْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ: ٢٤٠
- [سورة بني اسرائيل ١٧: ٥٤] أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ: ١٠٩
- [سورة الكهف ١٨: ٩] أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِن آيَاتِنَا عَجَبًا: ٨٣
- [سورة مريم ١٩: ٥] رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ: ٢٥٩
- [سورة الانبياء ٢١: ٨٣] إِنِّي مَسْنِي الصُّرُوتِ وَارْحَمِ الرَّاحِمِينَ: ٢٥٩
- [سورة النور ٢٤: ٦٣] لَا تَجْعَلُوا دَعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدَعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا: ٢٦١
- [سورة النمل ٢٤: ٨٠] إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ: ٦٣
- [سورة العنكبوت ٢٩: ١٤] فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ: ٢٤٠
- [سورة العنكبوت ٢٩: ٣٠] رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ: ٢٥٩
- [سورة الروم ٣٠: ٥٢] فَإِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ: ٦٣
- [سورة الاحزاب ٣٣: ٦] النَّبِيُّ أَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ: ١٨٥
- [سورة الاحزاب ٣٣: ٢٣] مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ: ٨١
- [سورة الاحزاب ٣٣: ٥٣] وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنَاصِبُوا أُولَئِكَ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا: ١٨٥
- [سورة الاحزاب ٣٣: ٤٠] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا: ١٢٩
- [سورة الاحزاب ٣٣: ٤١] يُضِلِّحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ: ١٢٩
- [سورة سبا ٣٣: ١٣] فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ: ٣٣

[سورة سبأ: ٣٤] وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ
[سورة فاطر: ٣٥] إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ
[سورة فاطر: ٣٥] وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ
مَنْ فِي الْقُبُورِ: ٤١

[سورة فاطر: ٣٥] وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ: ٤٨
[سورة يس: ٣٦] أَلَمْ يَرَوْا كَمَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ: ٣٩
[سورة الزمر: ٣٩] أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا
[سورة الزمر: ٣٩] إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ: ١٥٤
[سورة الزمر: ٣٩] وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصُيِقَ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ: ١٥٩
[سورة حم المؤمن: ٤٠] رَبَّنَا آمَنَّا أَلْتُنِيتِنَّ وَأَخْيَبْتِنَا أَلْتُنِيتِنَّ: ١٥٣
[سورة المؤمن: ٤٠] وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ: ٢٥٥
[سورة الزخرف: ٣٣] وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ
[سورة الاحقاف: ٢٦] وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ: ٢٦١
[سورة الاحقاف: ٢٦] وَإِذَا حِشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ: ٢٦١
[سورة الحجرات: ٣٩] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْلُدُوا بِهِنِ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ: ٣٣
[سورة الحجرات: ٣٩] وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ: ٢٦٢
[سورة الحديد: ٥٤] اِغْلُظْ أَلَّ اللَّهُ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا: ٤٨
[سورة الفجر: ٨٩] يَقُولُ يَلِيَّتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي: ٤٨

فهرس احاديث وآثار

- ابغوني الضعفاء، فإنما تُرزقون وتُنصرون بضعفائكم: ١٣٦
- إذا سألتم الله فاسألوا بجاهي فإن جاهي عند الله عظيم: ١٥٠
- اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ بِحَقِّ نَبِيِّكَ الَّذِي وَعَدْتَنَا أَنْ تَبْعَهُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ أَنْ تَنْصُرَنَا عَلَى عَدُوِّنَا الْيَوْمَ: ١١٦
- اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مَشَايِئِي فَإِنِّي لَمْ أَخْرُجْ لِحَبْرَةٍ وَلَا لِطَرَأٍ وَلَا لِرِيَاءٍ وَلَا سَمْعَةٍ، خَرَجْتُ اتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ: ١٢٦
- أَنَا رَسُولُ اللَّهِ الَّذِي إِنْ أَصَابَكَ ضَرْفُ دَعْوَتِهِ كَشَفَهُ عَنْكَ وَإِنْ أَصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعْوَتُهُ أَتَيْتَهَا لَكَ وَإِنْ كُنْتَ بِأَرْضٍ قَفْرٍ أَوْ فَلَاحٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعْوَتُهُ رَدَّهَا عَلَيْكَ: ١١٥
- إِنْ أَصْدَقَ الْحَدِيثُ كِتَابَ اللَّهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ: ١٢١٠
- إِنْ الْمَيِّتَ إِذَا وَضَعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قُرْعَ نَعَالِهِمْ قَالَ: يَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيَقْعَدَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: ٤٢٠
- إِنْ الْمَيِّتَ لَا يَزَالُ يَسْمَعُ الْأَذَانَ مَا لَمْ يَطِين: ٩٦
- إِنْ الْمَيِّتَ لَيَسْمَعُ خَفَقَ نَعَالِهِمْ: ٤٢
- إِنْ الْمَيِّتَ يَعْرِفُ مَنْ يَفْسِلُهُ وَمَنْ يَحْمِلُهُ وَمَنْ يُدْلِيهِ فِي قَبْرِهِ: ٣٦
- إِنْ أَمْعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا تَوْرَثُ مَا تَرَكَنَا صَدَقَةً: ١٨٥
- إِنْ أَمْنِصِرَ اللَّهُ هَذِهِ الْأُمَّةَ بضعيفها بدعوتهم وصلاحاتهم وإخلاصهم: ١٣٤
- أَنَّهُ ﷺ كَانَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِكَ الْمُهَاجِرِينَ: ١٣٨
- إِنْهُمْ لَيَعْلَمُونَ الْآنَ أَنَّ مَا كُنْتُ أَقُولُ حَقٌّ وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى: ٢٣
- إِيَّيْهِ أَوَّالِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ رَأَيْتُ مَشِيخَةَ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَالْأَكَابِرَ يَسْتَلُونَهَا عَنِ الْفُرَاقِ
- [مسروق]: ٦٤
- بَيْنَ يَدَيْهِ رَكُوعٌ أَوْ عُلْبَةٌ فِيهَا مَاءٌ فَجَعَلَ يُدْخِلُ يَدَيْهِ فِي الْمَاءِ فَيَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهُ يَقُولُ: ٣٣
- فَانْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَاءِ، فَاجْتَنِبْهُ: ١٩
- فَعَدُّوا مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ، فَأَنَا ضَامِنٌ أَنْ لَا يُضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ [سَيِّدَانِ بْنِ مَسْعُودٍ] ﷺ: ٢٢
- قَبِّحَ اللَّهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا يَزِيدُ عَلَيَّ أَنْ يَقُولَ [سَيِّدَانِ بْنِ مَسْعُودٍ] ﷺ: ٢٠
- كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ إِلَّا فَرَوُوهَا فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ: ٨٣

لجميع علم عائشة إلى علم جميع أمهات المؤمنين وعلم جميع النساء فكان علم عائشة أفضل وأكثر. [ابن شهاب زهري]: ٢٦

ما رأيت أحداً من الناس أعلم بالقرآن ولا بفرضة ولا بحلال ولا بحرام ولا بشعر ولا بطب ولا بحديث العرب ولا نسب من عائشة [عروة بن زبير]: ٢٢

ما من عبدٍ يُمرِّق قبر رجل كان يعرفه في الدنيا فيسلم عليه إلا أعرفه وردَّ عليه السلام: ١٣٩

مَنْ ابْتَدَعَ بَدْعَةَ ضَلَالَةٍ لَا تُرْضَى لِلَّهِ وَرَسُولِهِ: ٢٨

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ: ٢٦

مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ: ١١١

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ مِنْ بَعْدِ أُعْلِمْتُهُ: ٨٩

مَنْ صَنَعَ أَمْرًا عَلَى غَيْرِ أَمْرِنَا فَهُوَ رَدٌّ: ٢٥

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ: ٢٥

مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَصُمْتُ: ١١١

الناس يصلون الضحى في المسجد فسألناه عن صلاتهم فقال: بدعة: ٢٣

مَنْ أَحْدَثَ فِي دِينِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ: ٢٦

وقف النبي ﷺ على قليبٍ بدرٍ فقال: هل وجدتم ما وعد ربكم حقاً؟ ثم قال: إنهم الآن: ٢١

لا إله إلا الله إن للموت سكرات: ٣٣

لا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِي: ٢١

لا تفضحوا موتاكم بسيئات أعمالكم فإنها تعرض على أوليائكم من أهل القبور: ٣٢

لا يزال الميت يسمع الأذان ما لم يطعن قبره: ٩٦

فہرس اعلام

[جن کے مختصر تراجم = حالات زندگی، اس کتاب میں لکھے گئے۔]

- | | | |
|------------------------------------|----------------------------------|-----------------------------|
| ۲۰۸۔ احمد بن ابی الخواری | ۱۸۔ ابن کثیر | ۱۱۰۔ ابن ابی العزفی |
| ۱۷۔ احمد بن حنبل | ۲۱۔ ابن مسعود | ۱۱۹۔ ابن ابی حاتم رازی |
| ۱۸۳۔ احمد رضا خان بریلوی | ۵۰۔ ابن نجیم | ۱۵۔ ابن اثیر بخاری |
| ۱۱۸۔ اخوان درویش | ۸۹۔ ابن نمیر | ۱۷۵۔ ابن تغری بردی |
| ۱۵۔ آزہری: ابو منصور محمد بن احمد | ۶۰۔ ابن ہمام | ۱۶۔ ابن تیمیہ |
| ۲۰۲۔ اسحاق بن راہویہ | ۷۱۔ ابن التین | ۹۱۔ ابن جوزی |
| ۱۹۲۔ اشرف علی تھانوی | ۱۲۳۔ ابن الجوزی | ۷۹۔ ابن حبان |
| ۸۳۔ اعمش | ۲۱۶۔ ابو امامہ باہلی | ۲۸۔ ابن حجر عسقلانی |
| ۲۱۵۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا | ۲۲۶۔ ابو ایوب انصاری | ۱۹۸۔ ابن حجر ہمتی |
| ۲۰۔ انس بن مالک | ۴۲۔ ابو بکر صدیق | ۱۵۲۔ ابن حزم |
| ۸۰۔ بخاری | ۱۱۴۔ ابو جری | ۲۳۔ ابن دقیق العید |
| ۲۷۔ بدرالدین عینی | ۲۰۸۔ ابو حفص عمر بن مسلمہ الحداد | ۱۷۔ ابن رجب |
| ۲۰۳۔ بزدوی: فخر الاسلام | ۱۶۔ ابو حنیفہ | ۱۲۷۔ ابن سنی |
| ۲۰۔ بشر بن مردوان | ۲۸۔ ابو داؤد سجستانی | ۱۳۔ ابن سیدہ |
| ۱۵۳۔ بشر بن معتمر بلالی | ۲۹۔ ابو زرعہ دمشقی | ۶۶۔ ابن شہاب زہری |
| ۷۹۔ بغوی | ۱۲۶۔ ابو سعید خدری | ۸۷۔ ابن الصلاح |
| ۲۲۲۔ بقالی | ۲۰۷۔ ابو سلیمان الدارانی | ۵۰۔ ابن عابدین شامی |
| ۱۳۲۔ بلال بن حارث مزی | ۲۰۰۔ ابو محمد ورہ | ۱۹۔ ابن عباس |
| ۱۱۷۔ بیضاوی | ۶۶۔ ابو موسیٰ اشعری | ۲۷۵۔ ابن عبدالبر قرطبی |
| ۸۱۔ بیہقی | ۳۷۔ ابو نعیم اصفہانی | ۹۰۔ ابن عبدالبہادی |
| ۲۷۔ تفتازانی: سعد الدین | ۹۰۔ ابو ہریرہ | ۲۵۔ ابن عربی صوفی |
| ۲۳۔ ثابت بن قیس بن شماس | ۱۰۱۔ ابو یوسف | ۸۳۔ ابن عساکر |
| ۲۱۹۔ ثوبان بن بجد | ۱۳۶۔ ابو الدرداء | ۲۰۔ ابن عمر: عبداللہ بن عمر |
| ۷۶۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما | ۳۷۔ ابو الشیخ | ۱۹۔ ابن قیم |

- جالینوس: ۳۹ - سعید بن مسیب: ۱۹۳ - علی: ۴۱ -
 - جبائی معتزلی: ۱۵۲ - سفیان ثوری: ۱۹۰ - عراقی: ابو الفضل عبد الرحیم: ۳۵ -
 - جزرہ = صالح بن محمد: ۸۹ - سرہ بن جندب: ۲۳۵ - عروہ بن زبیر: ۲۳ -
 - جنید بغدادی: ۲۰۸ - سید امیر علی بیخ آبادی: ۴۱ - عزیزی: ۲۷ -
 - جوزجانی: ۴۱ - سیوطی: ۳۱ - عقیلی: ۹۰ -
 - جوہری: ۹۷ - شاطبی: ۱۹۶ - علی المرتضیٰ: ۲۰۰ -
 - حاکم نیشاپوری: ۲۹ - شافعی: ۱۷ - عمارہ بن ربیعہ: ۲۰ -
 - حسین بن علی رضی اللہ عنہما: ۸۴ - شامی: ابن عابدین: ۵۰ - عمر بن خطاب: ۱۰۳ -
 - حسن بن عمار شربلی: ۶۰ - شاہ محمد اسحاق دہلوی: ۱۶۳ - غزالی: ۳۱ -
 - حصکفی: ۱۰۰ - شاہ ولی اللہ دہلوی: ۲۶ - فخر الدین رازی: ۱۹۱ -
 - حلبی کبیر: ۲۲۸ - شبیر احمد عثمانی: ۲۲۵ - فراءنجوی: ۲۶۲ -
 - خازن: ۵۱ - شععی: ۴۱ - قاضی عیاض: ۲۳ -
 - خطیب بغدادی: ۸۹ - صالح بن محمد جزرہ: ۸۹ - قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی: ۴۷ -
 - خلیل احمد سہارنپوری: ۱۶۷ - ضرار بن عمرو غطفانی معتزلی: ۱۵۲ - قرطبی: محمد: ۲۹ -
 - داری: ۱۱۹ - طبرانی: ۳۷ - قرطبی: بشر: ۸۲ -
 - داوودی: ۲۲۳ - ظفر احمد عثمانی: ۱۶۹ - قیس بن شاس: ۲۳ -
 - ذوالنون مصری: ۲۰۷ - عائشہ رضی اللہ عنہا: ۲۳ - کافی کلینی: ۱۸۳ -
 - ذہبی: ۳۴ - عباس بن عبد المطلب: ۱۰۵ - مالک بن انس: ۱۶ -
 - راغب اصفہانی: ۳۲ - عبدالحی کھنوی: ۲۰۱ - مجاہد: ۲۳ -
 - رشید احمد گنگوہی: ۶۰ - عبد الرحمن بن غنم: ۲۱۸ - محمد انور شاہ کشمیری: ۱۰۶ -
 - زبیدی: مرتضیٰ: ۱۹۵ - عبد القادر جیلانی: ۱۸ - محمد بن حسن شیبانی: ۱۱۲ -
 - زحشری: ۲۲۳ - عبد اللہ بن زبیر بن عوام: ۲۱۷ - محمد بن عبد الوہاب نجدی: ۱۳ -
 - ساجی: ۱۴۸ - عبد اللہ بن سعد: ۲۳۸ - محمد بن کرام: ۱۷۱ -
 - سالم بن عبید اشجعی: ۲۲۰ - عبد الماجد دریا آبادی: ۱۱۸ - محمد زکریا: ۷۰ -
 - سخاوی: ۳۶ - عبد الوہاب شمرانی: ۳۵ - محمد سرفراز خان صفدر: ۴۷ -
 - سدی کبیر: ۴۰ - عتبہ بن غزوہ: ۱۳۲ - محمد طاہر بن علی ہندی: ۳۶ -
 - سرخسی: ۱۹۹ - عثمان بن حنیف: ۱۲۴ - مرغیانی: ۲۲۲ -
 - سرفراز خان صفدر: ۴۷ - عثمان بن عفان: ۱۳۵ - مسروق بن اجدع: ۶۶ -

- مسلم: ۸۸-
- مصعب بن عمیر ؓ: ۸۱-
- معاویہ بن ابی سفیان: ۱۰۷-
- مفتی عزیز الرحمن دیوبندی: ۶۳-
- مفتی محمد شفیع دیوبندی: ۵۳-
- مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی: ۱۶۹-
- ملا علی قاری: ۱۹-
- مرتضیٰ زبیدی: ۱۵-
- مسلم بن حارث ؓ: ۲۱۸-
- معاذ بن جبل ؓ: ۲۱۶-
- مغیرہ بن شعبہ ؓ: ۲۱۷-
- مناوی: ۲۷-
- نعمان بن محمود عبداللہ: ۱۶۳-
- نووی: ۲۴۰-
- پٹمی: ۳۷-
- یاقوت حموی: ۲۲۳-
- یحییٰ بن معین: ۸۹-
- یزید بن اسود حرشی ؓ: ۱۰۸-

فہرسِ رِوَاۃ

[جن کی اس کتاب میں جرح و تعدیل کی گئی۔]

- ابراہیم بن یزید خوزی کی ابواسامیٰ [متروک الحدیث]: ۵۴
- ابن جریج [ضعفاء سے تدلیس کرتے تھے]: ۲۵۱، ۶۹
- ابن وحیہ [زرپرست، گستاخ سلف، احق خود سر، متکبر اور احادیث گھڑنے والا]: ۲۶۶، ۲۶۷
- ابن شہاب زہری [مدلس]: ۲۵۱
- ابواسحاق سمیعی: عمرو بن عبداللہ ہمدانی [مختلط]: ۱۳۴
- ابو حامد احمد بن علی حسوی [کذاب، ناقابل اعتماد]: ۱۸۹
- ابوشعبہ [متروک الحدیث]: ۱۳۴
- ابوالشیخ کی حدیث مرسل ہے: ۸۸
- ابو عاصم [مجبول]: ۲۵۱
- ابو مقاتل: حفص بن سلمہ سرقتی [متروک]: ۹۶
- ابو العثمان: محمد بن الفضل المعروف بعارم [مختلط]: ۱۲۰، ۱۱۹
- ابویحییٰ قتات [لین الحدیث]: ۲۴۰
- احمد بن شعیب کی اپنے والد سے لایا اس بہ ہے مکرر: ۱۳۶
- اسماعیل بن شعیب [متروک الحدیث تھا]: ۱۳۶
- اسماعیل بن عمرو بجلي [ضعیف، بکثرت عجائب و غرائب بیان کرتا تھا]: ۳۷، ۳۸، ۳۹
- اعمش: سلیمان بن مہران [مدلس تھا۔ ضعفاء سے تدلیس کیا کرتا تھا۔]: ۸۴
- امیہ بن خالد بن اسید صحابی نہیں: ۱۳۸
- جعفر بن منشی نے جعفر صادق کا زمانہ نہیں پایا: ۱۸۴
- حارث بن عمیر [موضوع روایات نقل کرتا ہے]: ۲۲۶
- حجاج بن اسود [مکر الحدیث اور اس کی روایت: الانبیاء احياء في قبورهن یصلون مکر ہے]: ۱۸۸
- حسن البصری کی سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں: ۹۶
- حسن بن قتیبہ مدائنی [متروک الحدیث، بالکثیر الوہم]: ۱۸۷
- حسن بن یحییٰ اشجی [مکر الحدیث، صدوق نسبی، الحفظ بے اصل روایتیں نقل کرنے والا]: ۱۹۱
- حماد بن عمرو نصیبی [متروک الحدیث، مکر الحدیث، کذاب]: ۲۱۵

- حیان [حبان] بن جبلة [مجهول]: ۸۰
 - داود بن زبرقان رقاشی [متروک الحدیث]: ۲۱۴
 - زیاد بن النعمان افریقی [ثقات کے نام سے موضوعات نقل کرتا ہے]: ۷۹
 - زید بن علی نے سیدنا تقیہ بن غزوہ ان کے کا زمانہ نہیں پایا: ۱۳۲
 - سدی صغیر = محمد بن مروان
 - سدی کبیر: اسماعیل بن عبد الرحمن کوفی [کذاب بدگو جاحل بالقرآن]: ۴۱
 - سری بن خالد [غیر معروف]: ۲۱۵
 - سعید بن زید بن درہم آزدی [حجت نہیں]: ۱۲۰
 - سیف بن عمر ضعیفی [متروک الحدیث وضاع]: ۱۳۲
 - شعیب بن سعید [ثقہ ہونے کے باوجود غرائب نقل کرنے والا ہے]: ۱۳۶
 - شہر بن حوشب شامی [صدوق کثیر الادب کثیر الا رسال]: ۲۱۸
 - حارم [اختلاط کا شکار تھا]: ۱۱۹، ۱۲۰
 - عبد الاعلیٰ بن عبد اللہ کی روایت شیخین نے نہیں لی: ۸۲
 - عبد الرحمن بن احمد الاعرج [مجهول مستور]: ۹۲
 - عبد الرحمن بن زیاد بن النعمان افریقی [موضوعات نقل کرتا ہے]: ۷۹
 - عبد الرحمن بن زید بن اسلم [متروک الحدیث]: ۱۳۸
 - عبد اللہ بن فروخ خراسانی [کئی روایات میں متفرد ہے]: ۲۳۵
 - عبد اللہ بن فہری [باطل روایات نقل کرتا ہے]: ۱۵۰
 - عبد اللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریم [باطل روایات نقل کرتا ہے]: ۸۶
 - عبد اللہ بن وہب [شعیب سے منکر روایات نقل کرتا ہے]: ۱۳۶
 - عبد الملک بن ہارون بن عترہ [کذاب]: ۲۱۴
 - عبید اللہ بن ابی حمید ہذلی [متروک الحدیث]: ۱۸۸
 - عطاء بن ابی مسلم نے نفسہ ثقہ تھے لیکن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ثابت نہیں: ۱۹۲
 - عطیہ عوفی [بکثرت غلطیاں کرتا تھا۔ تالیس الشیوخ کا مرتکب تھا]: ۱۲۶، ۱۳۸
 - عقبہ بن عبد اللہ الاصم [ضعیف]: ۲۱۹
 - عمارہ بن حدید [مجهول]: ۹۵
 - عمر بن اسحاق بن ابراہیم [مجهول]: ۱۲۸
 - عمر بن ہارون [کذاب]: ۱۱۳

- عمرو بن مالک نمری [منکر الحدیث سارق الحدیث]: ۱۲۱۲۰
 - عمرو بن واقد دمشقی [متروک الحدیث]: ۸۵
 - غیاث بن ابراہیم [کذاب]: ۱۳۴
 - فضیل بن مرزوق رقاشی کوئی [وہمی تشبیع سے وہمی]: ۳۷
 - فلان بن معاویہ [مجهول]: ۳۷
 - قطن بن وہب کی کوئی روایت امام بخاری نے نقل نہیں کی: ۸۲
 - کثیر بن شطیر [لیس بشیء تھا]: ۹۶
 - کثیر بن عبداللہ [جھوٹ کے اراکین میں سے]: ۲۸
 - محمد بن حیدر رازی [کذاب]: ۱۳۴
 - محمد بن عباس حصی [مجهول]: ۱۸۸
 - محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ [صدوق اور سوء حفظ کا شکار تھے]: ۱۹۰
 - محمد بن عبدالرحمن بن مجمر بن عبدالرحمن بن معاویہ [ثقتہ راویوں سے منکر روایات نقل کرتا ہے]: ۲۲۶
 - محمد بن علی بن اہل انصاری مروزی [ضعیف متقابل]: ۸۶
 - محمد بن عمرو بن علقمہ [منکر الحدیث ضعیف]: ۵۴
 - محمد بن قاسم طایکانی [موضوعات نقل کرتا ہے]: ۹۶
 - محمد بن مروان: سدی ضعیف [موضوعات نقل کرتا ہے متروک الحدیث متہم کذاب]: ۹۰
 - مستم بن سعید [صدوق عابد وہم کا شکار]: ۱۸۸
 - معاویہ بن زہرہ [مجهول]: ۲۱۳
 - منہال بن عمرو [صدوق وہم کا شکار]: ۸۳
 - مؤمل بن اسماعیل قرشی [صدوق سببی الحفظ]: ۱۸۸
 - وازع بن نافع عقیلی [ضعیف ذہاب الحدیث موضوعات کو نقل کرنے والا]: ۱۲۷
 - واقدی [متروک الحدیث]: ۲۵۱
 - نافع بن محمود [مجهول]: ۹۴
 - یحییٰ بن حش [مجهول]: ۱۳۳
 - یحییٰ بن ابی بکیر [صدوق عابد تھا اور بارہا وہم کا شکار ہوا]: ۱۸۷
 - یحییٰ بن الخلاء رازی [کذاب]: ۸۲
 - یعقوب بن عبداللہ قتی ابو الحسن [صدوق اور وہم کا شکار تھا]: ۲۴۴

فہرست مصادر و مراجع

19

- اجتماع الجيوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ والجمعیۃ ابن القیم دار الباز مکتبۃ المکتبۃ ۱۲۰۴ھ = ۱۹۸۳ء
- الفتاویٰ مفتی رشید احمد انجلیکیم سعید کینی، کراچی ۱۳۲۵ھ
- الکلام فی ترک القراءة خلف الامام مولانا محمد سرفراز خان صفدر مکتبۃ صفدریہ گوجرانوالہ نومبر ۲۰۰۳ء
- احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام ابن دینق العید: حافظ تقی الدین البواخی، دار الکتب العلمیۃ بیروت
- احوال الرجال ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی، المکتبۃ الاثریۃ، سنا نگہ بل، شیخوپورہ
- احیاء علوم الدین، امام ابو حامد الغزالی، دار المعرفۃ بیروت
- اخبار اصحابنا، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصہبانی، مطبوعہ لیدن ۱۹۳۴ء
- اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۴۰۰ھ = ۱۹۸۰ء
- اُسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ابن الاثیر، دار الکتب العربی بیروت ۱۳۲۷ھ = ۲۰۰۶ء
- اصول البز دوی نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
- اصول الکافی، محمد بن یعقوب کلینی رازی، دار الاسرۃ، ایران
- اظهار الحق للمتمسکین بالحق، ابو محمد مفتی عبد الحمید حقانی، اپریل ۲۰۰۵ء
- اظهار الغرور فی کتاب آئینہ تسکین الصدور، حافظ عبد القدوس خان قارن، عمر اکادمی، گوجرانوالہ نومبر ۲۰۰۶ء
- اعلام العراق، محمد ہبۃ الاثری، مصطفی البابی الکلی، مصر ۱۳۳۵ھ
- اغاثۃ اللفغان من مصائد الشیطان ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر الشیربانی، قیم الجوزیۃ، دار المعرفۃ بیروت
- اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة اصحاب الجحیم، شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن تیمیہ، تحقیق: د. ناصر بن عبد الکریم العقل، دار العاصمة، سعودی عرب ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۸ء
- اکابر علمائے دیوبند، حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۹ء
- اکمال المعلم بقواعد مسلم، حافظ ابو الفضل عیاض بن موسی بن عیاض، تحقیق: الدكتور یحییٰ اسماعیل، دار الوفاء، المنصورۃ ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۸ء
- امداد الاحکام، مولانا ظفر احمد عثمانی، مکتبۃ دار العلوم کراچی ۱۴۳۰ھ = ۲۰۰۹ء
- امداد الفتاح شرح نور الایضاح ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی مصری، تحقیق: شیخ عبد الکریم العطاء، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۱ء

- امداد مفتین کامل، مفتی محمد شفیع، دارالاشاعت، کراچی، مئی ۲۰۰۱ء
 - انباء الثغر بأبناء العمر، حافظ ابن حجر عسقلانی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء
 - انوار المنیریل وأسرار التاریخ المعروف بتفسیر البیضاوی ناصر الدین ابوالخیر عبداللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی
 تقدیم: محمد عبدالرحمن المرعشی، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۸ء
 - الاذکار من کلام سید الابرار امام نووی، مکتبۃ نزار مصطفیٰ، مکتبۃ المکرمۃ ۱۴۱۷ھ = ۱۹۹۷ء
 - الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، امام ابو عمر یوسف بن عبد البر، تحقیق: الدكتور خلیل ما مونس شیما، دار المعرفۃ
 بیروت ۱۴۲۷ھ = ۲۰۰۶ء
 - الاشیاء والنظائر، ابن نجیم، وحیدی کتب خانہ ملتان، بدون تاریخ
 - الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت
 - الاعتصام، امام ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد شاطبی، غرناطی، دار المعرفۃ، بیروت
 - الاعتقاد والہدایۃ الی سبیل الرشاد علی مذہب السلف اہل السنۃ والجماعۃ، یتیمی: ابو بکر احمد بن الحسین
 راسمۃ، إدارة الحجوٹ العلمیۃ والافتاء، الریاض، سعودی عرب ۱۴۲۴ھ = ۲۰۰۳ء
 - الاعلام قاموس تراجم لاشہر الرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین، خیر الدین زریکی
 دار العلم للملائین، بیروت ۱۹۸۴ء
 - باب جنت بجواب راہ جنت، شیخ الحدیث مولانا محمد سر فراز خان صفدر، مدرسۃ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
 - بقیۃ الآثار من الحیاۃ المستعارة خود نوشت سوانح حیات شیخ القرآن محمد طاہر، قلپی
 - بیان القرآن، اشرف علی تھانوی، مکتبۃ رحمانیہ، لاہور، اکتوبر ۲۰۱۱ء
 - بیس بڑے مسلمان، عبدالرشید ارشد، مدرسۃ رشیدیہ، سواتیہ وال
 - الباعث الحثیث، شرح اختصار علوم الحدیث للحافظ ابن کثیر، شرح: احمد محمد شاہ، تحقیق: الدكتور بدیع السید اللحام
 جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، کویت ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۴ء
 - البحر الرائق، شرح کنز الدقائق، علامہ زین الدین ابن نجیم، سعید ابی ایمن کمپنی، کراچی
 - البحر الزخار المعروف بمسند المرز، حافظ امام ابو بکر احمد بن عمرو بن عبدالحق، العلکی، المرز، تحقیق: د- محفوظ الرحمن
 زین اللہ، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ ۱۴۰۹ھ = ۱۹۸۸ء
 - البدایۃ والنہایۃ، حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن شیر الدمشقی، تقدیم: الدكتور محمد عبدالرحمن المرعشی
 دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۱ء
 - البدر الطالع، بحاسن من بعد القرن التاسع، محمد علی شوکانی، مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۳۳۸ھ
 - البصائر، لمکتبۃ التوسل، بابل، القابز، مولانا محمد، دار احیاء التراث العربی، مکتبۃ الرحیمیہ، پشاور

و مکتبۃ البشیر، استانبول، ترکیا

- البلاغ المبین، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ایچ ایم سعید، کراچی

- تاج العروس من جواهر القاموس، محمد مرتضیٰ الزبیدی، منشورات دار مکتبۃ الحیاء، بیروت

- تاریخ ابن ابی خثیمہ: التاریخ الکبیر لابن ابی خثیمہ احمد بن زہیر بن حرب، تحقیق: ابو عبد الرحمن عادل بن سعد

شرکتہ غراس الجبر، ۱۴۲۵ھ = ۲۰۰۴ء

- تاریخ ابن جریر طبری: تاریخ الامم والملوک، محمد بن جریر طبری، مؤسسۃ العلمی للمطبوعات، بیروت

۱۴۰۳ھ = ۱۹۸۳ء

- تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، تحقیق: الدكتور عمر عبدالسلام

تدمری، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۲ء

- تاریخ بغداد، حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب، بغدادی، دار الفکر، بیروت

- تاریخ دمشق کبیر: تاریخ مدینۃ دمشق، انام ابو القاسم علی بن حسن، ہبۃ اللہ بن عبد اللہ المعروف بابن عساکر

تحقیق: محبت الدین ابوالسعید عمر بن غرامہ، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ = ۱۹۹۵ء

- تألیفات رشیدیہ مخ فقاوی رشیدیہ، مولانا رشید احمد گنگوہی، ادارۃ اسلامیات لاہور، ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۲ء

- تبرید النواظر فی تحقیق الحاضر والنواظر یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک، شیخ الحدیث مولانا محمد سر فراز خان صفدر

ادارہ نشر و اشاعت مدرستہ نصرت العلوم گوجرانوالہ، ۱۴۰۰ھ = ۱۹۸۰ء

- تجلیات فریدی، فرمودات: مفتی محمد فرید مرتب: مولانا محمد رقیب مجددی، الفریدا اکیڈمی زرubi، صوابی، ۲۰۰۹ء

- التحقیق العجیب فی مسئلۃ التثویب، ضمن مجموعۃ رسائل المکتبۃ الاداریۃ القرآن، کراچی

- تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن لاہور، طبع ہشتم، جون ۱۹۹۹ء

- تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، حافظ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی، تحقیق: الدكتور احمد عمر

ہاشم، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۹ء

- تذکرۃ ابوالکلام آزاد، مرتبہ: نالک رام اسلامک پبلیشنگ کمپنی لاہور

- تذکرۃ الحفاظ، ابو عبد اللہ شمس الدین محمد الذہبی، دار احیاء التراث العربی، بیروت

- تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمان علی ترجمہ: محمد ایوب قادری، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۱ء

- تذکرۃ المفسرین، محمد زاہد احسنی، دار الارشاد، ٹنک، طبع سوم، ۱۴۲۵ھ

- تذکرۃ الموضوعات، علامہ محمد طاہر بن علی ہندی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ = ۱۹۹۵ء

- ترتیب المدارک و تقریب المسالک، معرفۃ اعلام، مذہب مالک، قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ المکھی

دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۸ء

- تسکین الخواطر فی اثبات التوسل بالذوات الافاضل، مولانا شوکت علی، مکتبہ سید احمد شہید، اکوڑہ خٹک

۱۲۲۷ھ = ۲۰۰۶ء

- تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور مولانا محمد سر فر از خان صفراء دار نشر و اشاعت مدرسه

نصرت العلوم گوجرانوالہ ۱۳۹۹ھ = ۱۹۷۹ء

- تسہیل البصار لمکنی التوسل بابل المقابر مولانا حافظ کفایت اللہ ڈاگئی مظہری کتب خانہ یار حسین ڈاگئی

- تعریف اہل التقویٰ سمراتب الموصوفین بالتدلیس حافظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن حجر

عسقلانی تحقیق: دکتور عبد الغفار سلیمان البنداری دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۳ء

- تفسیر ابن ابی حاتم تحقیق: اسد محمد الطیب المکتبۃ العصریہ صیدا بیروت ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۹ء

- تفسیر ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم حافظ عماد الدین ابوالقداسماعیل بن کثیر دمشقی تقدیم: عبدالقادر ارناؤوط

دار السلام الریاض ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۸ء

- تفسیر بغوی = معالم التنزیل

- تفسیر طبری: جامع البیان فی تاویل القرآن ابو جعفر محمد بن جریر طبری دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۲ء

- تفسیر عبد الماجد دریابادی تاج کینی لمیٹڈ لاہور

- تفسیر عثمانی مولانا شبیر احمد عثمانی تاج کینی لمیٹڈ کراچی

- تفسیر قرطبی = الجامع لاحکام القرآن: قرطبی محمد بن احمد تحقیق: عبدالرزاق المہدی دار الکتب العربیہ بیروت

۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء

- تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی دار احیاء التراث العربیہ بیروت ۱۴۱۷ھ = ۱۹۹۷ء

- تفسیر المظہری قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ

- تفسیر نعیم الدین مراد آبادی تاج کینی لمیٹڈ لاہور

- تقریب التہذیب حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی تحقیق: استاذ محمد عوامہ دار الیوم

المدینۃ المنورۃ ۱۴۳۰ھ = ۲۰۰۹ء

- تلخیص الحیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر ابن حجر عسقلانی دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور

- تلخیص المستدرک حافظ ذہبی: محمد بن عثمان بن قانماز دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ = ۱۹۷۸ء

- تلقیح فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر ابن جوزی ادارہ احیاء السنۃ گھر جاکہ بدون تاریخ

- تنزیل الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشنیعہ الموضوعۃ ابو الحسن علی بن محمد بن عراق الکلتانی تحقیق: عبدالوہاب

عبد اللطیف دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۱ھ = ۱۹۸۱ء

- تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ابن زیدان دار احیاء التراث العربیہ بیروت ۱۴۰۷ھ = ۱۹۸۳ء

- تہذیب العہذیب شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا

دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ = ۱۹۹۴ء

- تہذیب السنن ابن قیم دار القلم مکتبۃ المعارف ریاض ۱۴۲۸ھ = ۲۰۰۷ء
- تہذیب الکمال فی اسماء الرجال جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزنی تحقیق: الدكتور بشار عواد مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۱۵ھ = ۱۹۹۴ء
- تہذیب اللغۃ ابو منصور محمد بن احمد الازہری دار احیاء التراث العربی ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۱ء
- التاریخ، یحییٰ بن معین، دراسة وتحقيق: ذاکٹر احمد نور سیف مرکز البحث العلمی مکتبۃ المکرمۃ ۱۳۹۹ھ = ۱۹۷۹ء
- التاریخ الصغیر ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، تحقیق: محمود ابراہیم زاید دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء
- التاریخ الکبیر ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری دار البیان مکتبۃ المکرمۃ
- الترغیب والترہیب امام حافظ عبد العظیم بن عبد القوی المنذری، تعلیق: مصطفیٰ محمد عمارہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۸ھ = ۱۹۶۸ء
- التفسیمات الالہیۃ حجتہ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی، تصحیح و تخریج: استاذ غلام مصطفیٰ قاسمی، مطبع حیدری کراچی ۱۳۸۷ھ = ۱۹۶۷ء
- التعمید لمانی الموطأ من المعانی والاسانید حافظ یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی، تحقیق: محمد عبدالقادر عطاء دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۹ء
- جامع الترمذی = سنن الترمذی
- جامع العلوم والحکم فی شرح خمین حدیثاً من جوامع الکلم، حافظ عبد الرحمن بن شہاب الدین بغدادی دشتی الشہیر باین رجب، تحقیق: شعیب الارناؤوط مؤسسۃ الرسالۃ بیروت
- جاء الحق وزقق الباطل، مفتی احمد یار خان نعیمی نعیمی کتب خانہ گجرات
- جلاء الافہام فی فضل الصلاۃ والسلام علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر الانام ابن قیم الجوزیہ، تحقیق: مشہور بن حسن آل سلمان دار ابن الجوزی الدمام سعودی عرب ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ
- جلاء العینین بمحاکمۃ الأحمدين، سید نعمان خیر الدین الشہیر باین الآلوسی البغدادی مطبعۃ المدنی القاہرۃ ۱۴۰۱ھ = ۱۹۸۱ء
- جہان ویدہ محمد تقی عثمانی، ادارۃ المعارف کراچی اکتوبر ۱۹۸۹ء
- الجوامع الصغیر من الاحادیث البشیر النذیری مع شرحہ فیض القدیر حافظ سیوطی دار الفکر بیروت
- الجوامع لاحکام القرآن [تفسیر القرطبی] ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی، تحقیق: عبد الرزاق المہدی دار الکتب العربی بیروت ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء
- البحر والتحدیل حافظ ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم محمد بن ادريس بن المنذر، تہذیب: حنفی رازی دار الکتب العلمی بیروت

- حاشیہ الطحاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح علامہ شیخ احمد طحاوی مکتبۃ القدس کونہ ۲۰۰۱ء
 - حجتہ اللہ البالغہ شیخ احمد المعروف بشاہ ولی اللہ دہلوی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
 - حدائق الحنفیہ موکوئی فقیر محمد چلبلی المیزان اردو بازار لاہور ۲۰۰۵ء
 - حکم الذکر بالجبر شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
 - حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی دار الفکر بیروت
 - حیاء الانبیاء علیہم السلام بعد وفاتہم حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی تحقیق: الدكتور احمد بن عطیہ اللہ الغامدی
 مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۱ء
 - خصائل مسلمین ترجمہ مسائل الاربعین مصنف: شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مترجم: سید ابوالاحمد سجاد بخاری
 تحقیق و تلیق: ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف مکتبۃ دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی ۱۴۲۹ھ = ۲۰۰۸ء
 - خطبات حکیم العصر مولانا عبدالجبار لدھیانوی باب العلوم کبر و یرک ضلع لودھراں
 - خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر: محمد محی دار الکتب المصریہ مصر ۱۲۸۳ھ
 - الخطط المقرینۃ: کتاب المواظف والاعتبار بذکر الخطط والآثار تالی الدین ابوالعباس احمد بن علی بن عبدالقادر
 تحقیق: خلیل المنصور دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۸ء
 - دلائل النبوة حافظ ابو نعیم اصفہانی تحقیق: الدكتور محمد رؤف اس قلعجی دار النفاذ بیروت ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۱ء
 - دلائل النبوة و معرفۃ احوال صاحب الشریعہ بیہقی: ابو بکر احمد بن حسین تحقیق: الدكتور عبداللطیف قلعجی
 المکتبۃ الاثریہ لاہور
 - الدرر الکامیۃ فی اعیان المائۃ الثانیۃ ابن حجر عسقلانی دار الجلیل بیروت ۱۴۱۳ھ = ۱۹۹۳ء
 - الدرر المشرقی فی التفسیر بالاثور حافظ جلال الدین سیوطی تقدیم: عبدالرزاق المہدی دار احیاء التراث العربی
 بیروت ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۱ء
 - الذخائر لاهل البصائر حافظ کفایت اللہ ڈاگنی المکتبۃ الرجیمیہ پشاور
 - راہ ہدایت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ مارچ ۱۹۶۶ء
 - راہ المختار علی در الختار حاشیہ ابن عابدین: محمد امین الشبیر بابن عابدین الشامی مکتبۃ ماجدیہ کونہ
 - رسائل ابن عابدین = مجموعۃ رسائل ابن عابدین
 - روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی تحقیق: محمد احمد الامد دار احیاء التراث العربی بیروت
 ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۰ء
 - روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات محمد باقر موسوی خوانساری اصفہانی بدون نام طابع ۱۳۴۷ھ
 - الرسالۃ القشیریۃ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن تفسیری حواشی: خلیل المصور دار الکتب العلمیۃ بیروت
 ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۸ء

- الروح، امام ابن القیم، تحقیق: د. بسام علی سلامہ العوش، دار ابن تیمیہ، الرياض ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء
 - زاد المسیر فی علم التفسیر، حافظ ابن جوزی، تحقیق: عبد الرزاق المہدی، دار الکتب العربی، بیروت ۱۴۲۲ھ
 - زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ابن القیم الجوزی، تحقیق: شعب الاناووط، مؤسسة الرسالة، بیروت
 ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۲ء
 - سماع الموتی، مولانا محمد سرفراز خان صفدر، ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ، دسمبر ۱۹۸۴ء
 - سنن ابن ماجہ: حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی، تحقیق وترقیم: استاذ محمد نواد عبد الباقی، دار الفکر، بیروت
 - سنن ابی داود: امام حافظ سلیمان بن اشعث، اعداد و تعلیق: عزت عبیدعاس، دار الحدیث، بیروت
 ۱۳۸۸ھ = ۱۹۶۹ء
 - سنن الترمذی: ابو نعیم محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، تحقیق و شرح: احمد محمد شاکر، دار الکتب العلمیہ، بیروت
 - سنن دارقطنی: علی بن عمر، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور
 - سنن الدارمی: امام حافظ عبد اللہ بن عبد الرحمن سمرقندی، تحقیق: فواز احمد زمری، دار الریان، القاہرہ ۱۴۰۷ھ
 - سنن التسانی بشرح الحافظ جلال الدین سیوطی، ترقیم: عبد الفتاح ابو خدۃ، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت ۱۴۰۹ھ
 - سیر اعلام النبلاء، امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، مؤسسة الرسالة، بیروت ۱۴۱۰ھ = ۱۹۹۰ء
 - السعایہ فی کشف ما فی شرح الوقایہ، مولانا عبدالحی لکھنوی، سہیل اکیڈمی، لاہور
 - السنن الکبریٰ، بیہقی، نشر السنۃ ملتان
 - شاہ کاراسلامی انسائیکلو پیڈیا، سید قاسم محمود، الفیصل لاہور، بدون تاریخ
 - شجرۃ النور الزکیۃ فی طبقات المالکیۃ، محمد بن محمد مخلوف، دار الکتب المصریہ، مصر ۱۳۴۹ھ
 - شذرات الذہب فی اخبار من ذہب ابن عماد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، بدون تاریخ
 - شرح السنۃ، امام بغوی، تحقیق: زہیر الشاویش و شعب الاناووط، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۴۰۳ھ = ۱۹۸۳ء
 - شرح صحیح مسلم، نووی: یحییٰ بن شرف، مکتبۃ الغزالی، دمشق
 - شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، حافظ جلال الدین سیوطی، مؤسسة الکتب الثقافیہ، بیروت
 ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۳ء
 - شرح العقیدۃ الطحاویۃ، امام قاضی علی بن علی بن محمد بن ابی العزیز الدمشقی، تحقیق: الدكتور عبد اللہ بن عبد الرحمن التركي
 مؤسسة الرسالة، بیروت ۱۴۰۸ھ = ۱۹۸۸ء
 - شرح المقاصد، علامہ مسعود بن عمر بن عبد اللہ الشبیر، بعد الدین، انتخاذاً فی، تعلیق: ابراہیم شمس الدین
 اشاعت اسلام کتب خانہ، پشاور
 - شرح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر، تعلیق: محمد غیاث الصباغ، مکتبۃ الغزالی، دمشق
 - شعب الایمان، بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، تحقیق: ابو ہاجر محمد السعید بن بیوی، زغلول، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۱۴۱۰ھ = ۱۹۹۰ء

—شفاء السقام في زيارة خير الأنام ﷺ، تقي الدين علي بن عبد الكافي بن علي السبكي، تحقيق: حسين محمد علي شكري دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۴۲۹ھ = ۲۰۰۸ء

—الثاني ترجمه اصول کافی ترجمہ: مولانا سید ظفر حسن امر وہوی، ظفر شمیم پبلی کیشنز، ناظم آباد کراچی، ۲۰۰۶ء

—الشفاء بتریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، قاضی عیاض، تحقیق: حسین عبد الحمیل نیل، شرکت دارالاقلم بن ابی الارقم، بیروت، بدون تاریخ

—صحیح ابن حبان: الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، تحقیق: شعیب الارناؤوط، مؤسسة الريان، بیروت، ۱۴۰۸ھ

—صحیح بخاری: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۳ھ = ۱۹۹۳ء

—صحیح مسلم: امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری نيسابوري، ترقیم: محمد فواد عبد الباقي، المكتبة الاسلامیة، استانبول، ترکیا

—صفحة الصفوة، جمال الدين ابو الفرج ابن الجوزي، تحقيق: عبد الرحمن الملا، دار المعرفة، بيروت

۱۴۲۶ھ = ۲۰۰۵ء

—الصارم المنكي في الروا على السبكي، محمد بن احمد بن عبد البهادي، تحقيق وتخریج: ابو عبد الرحمن السلفي، مؤسسة الريان

بیروت، ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۲ء

—الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، اسماعيل بن حماد جوهري، تحقيق: احمد عبد الغفور عطار، دار العلم للملايين، بيروت

۱۳۷۶ھ = ۱۹۵۶ء

—ضياء النبی ﷺ، پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، رجب الاول ۱۴۲۰ھ

—الضعفاء الصغیر، امام بخاری، تحقیق: شیخ عبد العزیز عز الدین السیر، وان دار القلم، بیروت، ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۵ء

—الضعفاء الکبیر، عقیلی، دار الكتب العلمیة، بیروت، بدون تاریخ

—الضعفاء والمتر، وکیبن ابن الجوزی: جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد، تحقیق: ابوالفداء عبد اللہ قاضی

دار الباز، مکتبة المکتبۃ، ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء

—الضعفاء والمتر، وکیبن، دار قطنی، دراسة وتحقیق: عبد العزیز عز الدین السیر، وان دار القلم، بیروت، ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۵ء

—النضوء اللامع لآلایل القرن التاسع، حافظ سخاوی، دار البابی، اکلسی، مصر، ۱۳۵۳ھ

—طبقات ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۵ء

—طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، تاج الدین ابوصبر عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی السبکی، تحقیق: عبد الفتاح محمد الحلو

دار احیاء الكتب العربیة، مصر

—طبقات محمد ثین باصہبان والواردین علیہا، ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان المعروف بابی الشیخ

دار الكتب العلمیة، بیروت، ۱۴۰۹ھ = ۱۹۸۹ء

- طبقات المعز له احمد بن يحيى بن الرقعي، تحقيق: سوسنة جمعية المستشرقين الالمانيه بيروت ١٣٨٠هـ = ١٩٦١ء
- طبقات المفسرين، داودي: حافظ شمس الدين محمد بن علي بن احمد عباس احمد الباز، مملكة المكرمة ١٢٠٣هـ = ١٩٨٣ء
- طرب الامل، عبدالحى لكهنوي، نور محمد كارخانه تجارت كتب، آرام باغ، كراچي، بدون تاريخ
- الطبقات الكبرى، عبد الوهاب شعراني، دار الكتب العلمية، بيروت ١٢١٨هـ = ١٩٩٤ء
- العبر في خبر من غير، مورخ اسلام حافظ ذهبي، تحقيق: ابو جعفر السعيد بن سبيو، دار الكتب العلمية، بيروت
- عزيز الفتاوى، مفتي عزيز الرحمن، دار الاشاعت، كراچي، ٢٠٠١ء
- عمدة القاري شرح صحيح البخاري، علامه بدر الدين ابو محمد محمود بن احمد العيني، دار الفكر، بيروت
- عمل اليوم والليلة، ابن السني: حافظ ابو بكر احمد بن محمد الديوري، تحقيق: بشير محمد عيون، مكتبة دار البيان، دمشق
- ١٢٠٤هـ = ١٩٨٤ء
- العرف الشذي شرح سنن الترمذي، علامه محدث محمد نور شاه كشيري، دار احياء التراث العربي، بيروت
- ١٢٢٥هـ = ٢٠٠٢ء
- غايه النهايه في طبقات القراء، ابن الجزري، مكتبة الخانجي مصر، ١٣٥١هـ = ١٩٣٢ء
- الغنية لطالبي طريق الحق، شيخ عبدالقادر جيلاني، دار احياء التراث العربي، بيروت ١٣١٦هـ = ١٩٩٦ء
- فتاوى دار العلوم ديوبند، كامل مدلل، مفتي عزيز الرحمن، دار الاشاعت، كراچي، ستمبر ٢٠٠٢ء
- فتاوى رضويه، مولانا احمد رضا خان بريلوي، رضا فاؤنڈيشن، لاہور، ١٣١٦هـ = ١٩٩٥ء
- فتح الباري، شرح صحيح الامام ابى عبد الله محمد بن اسماعيل البخاري، حافظ احمد بن علي بن حجر عسقلاني
- دار نشر الكتب الاسلاميه، لاہور، ١٢٠١هـ = ١٩٨١ء
- فتح القدير، شرح الهدية، ابن همام: كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيوطي، دار الفكر، بيروت
- فتح المغيث، حافظ شاوي: امام شمس الدين محمد بن عبد الرحمن، المكتبة السلفية، المدينة المنورة، ١٣٨٨هـ = ١٩٦٨ء
- فتح الملبم، شرح صحيح الامام مسلم، شيخ بشير احمد عثمان، تعليق: علامه مفتي محمد رفيع عثمان، دار الفضا، الكويت
- ١٢٢٦هـ = ٢٠٠٦ء
- فضائل درود، شيخ الحديث مولانا محمد زكريا، اداره اشاعت دينيات، لاہور
- فضائل ذكر، شيخ الحديث مولانا محمد زكريا، اداره اشاعت دينيات، لاہور
- فوات الوفيات، محمد بن شاكر بن احمد كنعاني، دار الكتب العلمية، بيروت ١٢٢١هـ = ٢٠٠٠ء
- فهرس الفهارس، عبدالحى بن عبدالكبير كنعاني، ذاكتر احسان عباس، دار الغرب الاسلامي، بيروت ١٢٠٢هـ = ١٩٨٢ء
- فيض الباري، على صحيح البخاري، من امالي الفقيه المحدث محمد انور الكشميري، دار الكتب العلمية، بيروت
- ١٢٢٦هـ = ٢٠٠٥ء

- فیض القدیر شرح الجامع الصغیر محمد عبدالرؤف مناوی دار الفکر بیروت بدون تاریخ
- الفتاویٰ الحدیثیہ، شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر پیشی، تقدیم: محمد عبدالرحمن المرعشی
دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۸ء
- الفتوحات المکیہ فی معرفۃ الأسرار المالکیہ والمملکیہ، شیخ اکبر محیی الدین محمد بن علی ابن عربی تحقیق:
محمد عبدالرحمن المرعشی دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۱ھ = ۲۰۱۰ء
- الفصل فی لہلہ والاہواء والنحل امام ابو محمد علی بن حزم اندلسی ظاہری مکتبہ الحبشی صیدا
- الفوائد البیہیہ فی تراجم الخفۃ، محمد عبدالحی لکھنوی تحقیق: احمد الرعسی دار الارقم بن ابی الارقم بیروت
۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۸ء
- قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ منشورات الکتب الاسلامی بیروت
۱۳۹۰ھ = ۱۹۷۰ء
- قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث، محمد جمال الدین القاسمی دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۹۹ھ = ۱۹۷۹ء
- القصیدۃ النونیۃ = الکافیہ الشافیہ فی الانتصار للفرقۃ الناجیہ، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر
ابن قیم الجوزیہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۲۵ھ = ۲۰۰۴ء
- القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبيب الشفیع رحمہ اللہ حافظ محمد بن عبدالرحمن السخاوی تحقیق: محمد عولمہ
دار المنہاج جدہ ۱۴۲۸ھ = ۲۰۰۷ء
- کبیری [جلد کبیر] نفیۃ المتملی شرح منیۃ المصلی، شیخ ابراہیم الحلیمی، سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۹ھ = ۱۹۷۹ء
- کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، مکتبہ دینیات لاہور
- کرامات اولیاء اللہ و جل لا کائی: ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری الشافعی
دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ = ۲۰۰۲ء
- کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، کاتب جلی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی بدون کراچی
- کفایت المفتی، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی دار الاشاعت کراچی جولائی ۲۰۰۱ء
- کلیات اقبال فارسی ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اسد پبلی کیشنز لاہور
- الکافیہ الشافیہ فی الانتصار للفرقۃ الناجیہ المعروف بالقصیدۃ النونیۃ، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن
ابی بکر ابن قیم الجوزیہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۲۵ھ = ۲۰۰۴ء
- الکامل فی ضعفاء الرجال امام حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی تحقیق: شیخ عادل احمد عبدالموجود
دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء
- الکفایۃ فی علم الروایۃ، خطیب بغدادی دار الکتب العلمیہ بیروت

- الکلم الطیب، حافظ ابن تیمیہ، تحقیق: محمد ناصر الدین البانی، المکتب الاسلامی ۱۳۹۲ھ
 - الکواکب السائرة باعیان الملائمة العاشرة، نجم الدین محمد بن محمد غزنی، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء
 - الکواکب الدرری، شرح الجاحز الترمذی، مولانا محمد انور شاہ کشمیری، دارالعلوم دیوبند، لاٹیا
 - لسان المیزان، شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دارالفکر بیروت
 - لطائف رشیدیہ، ضمن تالیفات رشیدیہ، امام ربانی رشید احمد گنگوہی، ادارۃ اسلامیات، لاہور ۱۳۱۲ھ = ۱۹۹۲ء
 - ماہ نامہ لغزہ توحید، گجرات
 - مجمع الزوائد و منبع الفوائد، حافظ نور الدین علی بن ابی بکر عثمی، دارالفکر بیروت ۱۴۰۸ھ = ۱۹۸۸ء
 - مجموع الفتاوی، فتی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن عبد السلام بن تیمیہ الحرانی، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر
 - عطا، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۰ء
 - مجموعۃ رسائل ابن عابدین: سید محمد امین افندی، سہیل اکیڈمی، لاہور ۱۲۹۶ھ = ۱۹۷۶ء
 - مخزن الاسلام، خوندروزینہ بنگر ہاری، مطبع فاروقی، دہلی ۱۳۰۰ھ
 - مرقاة المفاتیح، شرح مشکاة المصابیح، علامہ طاعی قاری، تحقیق: صدق محمد جمیل، العطار، المکتبۃ التجاریہ، مکتبۃ المکرّمۃ
 - مستدرک، امام حاکم: ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نسیا پوری، دارالفکر بیروت ۱۳۹۸ھ = ۱۹۷۸ء
 - مسند ابی یعلیٰ الموصلی: حافظ احمد بن علی بن مغنی تمیمی، تحقیق: حسین سلیم اسد، دارالمأمون للتراث، دمشق
 ۱۴۱۰ھ = ۱۹۸۹ء
 - مسند الامام احمد بن حنبل، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۳۹۸ھ = ۱۹۷۸ء
 - مسند الشامیین، حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب لحمی طبرانی، تحقیق: حمزہ عبدالجید السلفی
 - مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۴۰۹ھ = ۱۹۸۹ء
 - مشکاة المصابیح، محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، تحقیق و تعلیق: سعید محمد اللحام، دارالفکر بیروت
 ۱۴۱۱ھ = ۱۹۹۱ء
 - مُصَنَّفُ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ: امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، تحقیق و ترقیم: محمد عوالمۃ، المجلس العلمی جوبانسبرگ
 ۱۴۲۷ھ = ۲۰۰۶ء
 - معارف القرآن، مفتی محمد شفیع دیوبندی، ادارۃ المعارف کراچی ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۱ء
 - معالم التنزیل، تفسیر البغوی، امام ابوالحسن بن مسعود الفراء البغوی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۳ء
 - معالم السنن، شرح سنن ابی داؤد خطابی، محمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب، تحقیق: عزت عبدالعاس
 دارالحديث، بیروت ۱۳۸۸ھ = ۱۹۶۹ء
 - معانی القرآن، ابو زکریا یحییٰ بن زیاد الفراء، تحقیق: احمد یوسف بنجانی، دارالکتب المصریہ، القاہرہ
 ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۱ء

- معجم الادباء شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی دار احیاء التراث العربی بیروت
- معجم اوسط امام طبرانی: حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب نحی طبرانی، تحقیق: محمد حسن محمد حسن اسماعیل شافعی
دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۰ھ = ۱۹۹۹ء

- معجم البلدان یاقوت بن عبد اللہ حموی دار احیاء التراث العربی ۱۳۹۹ھ = ۱۹۷۹ء
- معجم صغیر امام طبرانی: حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب نحی طبرانی، عباس احمد الباز مکة المکترمة
۱۴۰۳ھ = ۱۹۸۳ء

- معجم کبیر امام طبرانی: حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب نحی طبرانی، تحقیق: حمی عبد الجید السلفی
دار احیاء التراث العربی بیروت

- معجم الموفین، عمر رضا کمالہ دار احیاء التراث العربی بیروت بدون تاریخ
- مقالات الکوشی، حافظ علامہ محمد زاہد الکوشی، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ۱۳۷۲ھ
- مقامات مظہری شاہ غلام علی دہلوی ترجمہ: محمد اقبال مجددی اردو سائنس بورڈ لاہور ۲۰۰۰ء

- مقدمہ ابن الصلاح، المکتبۃ السلفیۃ المدینۃ المنورۃ ۱۳۸۹ھ = ۱۹۶۹ء
- ملفوظات اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی حامد اینڈ کمپنی اردو بازار لاہور
- منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ، شیخ الاسلام ابن تیمیۃ، المکتبۃ السلفیۃ لاہور
- موارد الظمان الی زوائد ابن حبان، حافظ نور الدین علی بن ابی بکر شمش، تحقیق: محمد عبدالرزاق حمزہ

دار الکتب العلمیۃ، بیروت
- مواہب اللدنیۃ باب الخمدیۃ بشرح الزرقانی، شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۱۴۱۷ھ = ۱۹۹۶ء

- مواہب الرحمن، بحر العلوم علامہ سید امیر علی ملیح آبادی، مکتبہ رشیدیہ لاہور
- موطا امام مالک بن انس، تحقیق وترقیم: استاذ محمد فواد عبد الباقی، دار احیاء الکتب العربیۃ، عیسی البابی الحلی
وشرکاء مصر بدون تاریخ

- میزان الاعتدال فی نقد الرجال، حافظ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، تحقیق: علی محمد البجاوی
دار المعرفۃ بیروت بدون تاریخ

- الميسوط امام ابو بکر محمد بن احمد بن ابی ہبل شمس الائمة السرخسی، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی
- البحر وحین من الحدیث ابن حبان، تحقیق: حمی عبد الجید السلفی، دار الصمیعی، الریاض ۱۴۲۰ھ = ۲۰۰۰ء
- المجموع شرح المہذب، محی الدین ابوزکریا عینی بن شرف نووی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۲۳ھ = ۲۰۰۲ء
- المحکم والحیط الاعظم، ابن سیدۃ، علی بن اسماعیل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۰ء

- المدخل إلى معرفة الصحيح من السقيم، أبو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم النيسابوري، تحقيق: ا- د: ابراهيم ابن علي بن محمد آل كليب، مكتبة العبيكان، الرياض، ١٣٢٣هـ = ٢٠٠٢ء
- المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية: حافظ ابن حجر احمد بن علي عسقلاني، تحقيق: استاذ حبيب الرحمن الاعظمي عباس احمد الباز، مكتبة المكرمة
- المعجم المختص بالمحدثين، ذبني مكتبة الصديق الطائف، ١٤٠٨هـ = ١٩٨٨ء
- المعرفة والتاريخ، نسوي: ابو يوسف يعقوب بن سفيان حواشي: خليل المنصور، دار الكتب العلمية، بيروت
- ١٩٩٩هـ = ١٣١٩ء
- المغني عن حمل الاسفار في تخرج ما في الاحياء من الاسفار، علامه زين الدين ابو الفضل عبد الرحيم بن حسين عراقى برهانش احياء علوم الدين، دار المعرفة، بيروت
- المغني في الضعفاء، شمس الدين محمد بن احمد بن عثمان بن قانماز الذهبي، تحقيق: نور الدين عتر
- كلية الشريعة، جامعة دمشق
- المفردات في غريب القرآن، ابو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب الاصبهاني، تحقيق: محمد سيد كيلاني
- دار المعرفة، بيروت
- المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، امام ابو العباس احمد بن عمر بن ابراهيم قرطبي
- تحقيق: محي الدين مستور، دار ابن كثير، بيروت، ١٣٢٠هـ = ١٩٩٩ء
- المقاصد الحسنة في بيان كثير من الاحاديث المشتهرة على الالسنه، شيخ محمد عبد الرحمن سخاوي، تحقيق: محمد عثمان النشت
- دار الكتب العربي، بيروت، ١٤٠٥هـ = ١٩٨٥ء
- المقالات، حضرة شيخ الحديث مولانا مفتي محمد فريد، شعبه نشر و اشاعت دار العلوم الاسلاميه، چارسده
- المنتظم في تاريخ الأمم والملوك، ابن جوزي، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٣١٢هـ = ١٩٩٢ء
- المنجد في الاعلام، لويس معلوف اليسوي، المطبعة الكاثوليكية، بيروت، ١٤١٥هـ = ١٩٥٦ء
- الموضوعات، ابن الجوزي: ابو الفرج عبد الرحمن بن علي، المكتبة السلفية، المدينة المنورة، ١٣٨٦هـ = ١٩٦٦ء
- الموقظة في علم مصطلح الحديث، شمس الدين محمد بن احمد بن عثمان الذهبي، تحقيق: عبد الفتاح ابو غدة
- مكتبة المطبوعات الاسلاميه، ١٣٢٠هـ
- نتائج الافكار في تخرج احاديث الاذكار، حافظ ابن حجر عسقلاني، تحقيق: حمدي عبد المجيد السلفي، دار ابن كثير
- ١٣٢١هـ = ٢٠٠٠ء
- نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، عبد الحكي حسني، طيب اكا دمي ملتان، ١٣١٢هـ = ١٩٩١ء
- نسيم الرياض شرح شفاء قاضي عياض، علامه خفاجي، دار الفكر، بيروت

- نشر الطیب فی ذکر النبی الجلیل ﷺ، مولانا اشرف علی تھانوی، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی
- نصب الراية لا حادیت الہدایۃ، علامہ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف زبلی، تحقیق: محمد عوامۃ
- مؤسسۃ الریان، بیروت ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء
- نفع الطیب من غصص الأندلس الرطب، احمد بن محمد المقرئ تلمسانی، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس
- دار صادر بیروت ۱۴۰۸ھ = ۱۹۸۸ء
- نور الایضاح ونجاة الارواح، حسن بن عمار بن علی شرنبلالی، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۳ھ = ۲۰۰۲ء
- النمراس شرح شرح العقائد، مولانا عبدالعزیز پریہاروی، المکتبۃ المحققانۃ، پشاور
- النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ، جمال الدین ابوالحسن یوسف بن تغری بروی اتا بکی، تقدیم: محمد حسین شمس الدین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۳ھ = ۱۹۹۲ء
- التلک علی کتاب ابن الصلاح، حافظ ابن حجر عسقلانی، تحقیق: الدكتور بسیم بن ہادی، عمیر الجامعۃ الاسلامیۃ
- المدینۃ المنورۃ ۱۴۰۴ھ = ۱۹۸۴ء
- النور السافر عن اخبار القرن العاشر، عبدالقادر بن شیخ عبداللہ العیدروس، تحقیق: ڈاکٹر احمد حالو، دار صادر، بیروت ۲۰۰۱ء
- النہایۃ فی غریب الحدیث والاشراج، محمد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری، مکتبۃ عباس احمد الباز، مکۃ المکرمۃ ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء
- وفیات الایمان وانباء ابناء الزمان، ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، تحقیق: الدكتور احسان عباس، منشورات الشریف الرضی، قم، ایران
- نہدی الساری مقدمۃ فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، دار نشر الکتب الاسلامیۃ لاہور ۱۴۰۱ھ = ۱۹۸۱ء
- ہدیۃ العارفین: اسماء المؤلفین و آثار المصنفین، اسماعیل باشا بغدادی، مکتبۃ البشی بغداد ۱۹۵۱ء
- ہفت روزہ فیملی میگزین لاہور
- الہدایۃ، مرغینانی، مکتبۃ حبیبیہ، کونست
- الیواقیت والجواهر فی بیان عقائد الاکابر، شیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی شعرانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء

اسی قلم سے

- ۱- الآثار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة [عربی، تحقیق و تعلق]
- ۲- انبیاء عظام اور صحابہ کرام پر اعتراضات کا علمی جائزہ [اردو]
- ۳- بصائر السنیہ دو جلد [اردو، تحقیق و تعلق]
- ۴- تبیین العجب بما ورد فی فضل رجب [عربی، تحقیق و تعلق]
- ۵- ترجمۃ القرآن الکریم [پشتو]
- ۶- تسہیل بلغۃ الخیر ان دو جلد [اردو]
- ۷- توضیحات [اردو]
- ۸- خصائل مسلمین ترجمہ مسائل اربعین [اردو، تحقیق و تعلق]
- ۹- الخیر الکثیر فی قبسات من کتب التفسیر [عربی]
- ۱۰- اللباب فی تاویل الفاظ أشکلت فی الکتاب [عربی]
- ۱۱- زاد الطالبین من کلام رسول رب العالمین ﷺ [پشتو ترجمہ، تحقیق و تعلق]
- ۱۲- قاموس الکتاب [اردو]
- ۱۳- المجموعۃ فی الأحادیث الضعیفۃ والموضوعة [اردو]
- ۱۴- مسنون اذکار [اردو]
- ۱۵- معرفت علوم حدیث [اردو]
- ۱۶- مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنة [عربی، تحقیق و تعلق]
- ۱۷- منتخب علمی مکاتیب [اردو]